سیدنا علی و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما

برصغیر کے مایہ ناز مؤرخ و محقق اور عالم دین

قاضی اطہر مبارکپوری کی لاجواب تصنیف

سیدنا علی و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما

برصغیر کے مایۂ ناز مؤرخ و محقق اور عالمِ دین

قاضی اطہر مبارکپوری کی لاجواب تصنیف

جس میں

حضرات علیؓ۔ حسینؓ۔ حسنؓ۔ ابن زبیرؓ۔ معاویہؓ۔ اور یزید، عمر بن سعد اور عبید اللہ بن زیاد وغیرہم کے معاملات وقضایا پر حدیث اور تاریخ ورجال کی صحیح اور مستند کتابوں سے روشنی ڈالی گئی ہے اور کتاب

خلافت معاویہ ویزید

کی افترا پردازیوں، غلط بیانیوں اور عبارتوں میں قطع وبرید کی کارستانیوں کو بے نقاب کیا گیا ہے نیز جن کتابوں سے اس کے مولف نے اپنا غلط مقصد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان ہی کتابوں سے صحیح واقعات اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ طبع سلیم اور عقل مستقیم ان تشاجرات و قضایا کے بارے میں مطمئن ہو جائے۔

تلخیص

سید نفیس الحسینی

ناشر

مکتبہ سید احمد شہید

اردو بازار لاہور

اشاعت اوّل

شوال ۱۴۲۴ھ

دسمبر ۲۰۰۳ء

نام کتاب : علی و حسین رضی اللہ عنہما

مصنف : قاضی اطہر مبارک پوریؒ

تلخیص : سید نفیس الحسینی

پیشکش : سید احمد شہیدؒ اکیڈمی

مطبع : اولمپیا آرٹ پریس لاہور

قیمت :

جمهرة أنساب العرب

لأبي محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي

٣٨٤ – ٤٥٦

تحقيق وتعليق

عبد السلام محمد هارون

يزيد

وكان قبيحَ الآثار في الإسلام ؛ قتل أهلَ المدينة ، وأفاضلَ الناس ، وبقيّةَ الصحابة – رضي الله عنهم – يومَ الحرّة . في آخر دولته ؛ وقتَل الحسينَ – رضي الله عنه – وأهلَ بيته في أوّل دولته ؛ وحاصر ابن الزُّبير – رضي الله عنه – في المسجد الحرام ، واستخفَّ بحرمة الكعبة والإسلام ؛ فأماته الله في تلك الأيّام ؛

(صفحة نمبر ١١٢)

دار المعارف بمصر

١٣٨٢هـ – ١٩٦٢م

فہرست

ضمیمہ

عرضِ مؤلف

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہِ الکریم وآلہِ واصحابہٖ

اجمعین. ربّنا لا تجعل فی قلوبنا غِلاً للذین اٰمنوا.

کتاب "خلافتِ معاویہؓ ویزید" صرف ایک چونکا دینے والی کتاب نہیں تھی بلکہ اس نے بہت سے عوام و خواص کو اسلاف کے اس مسلکِ حق سے ہٹانے میں مدد کی جو حضراتِ صحابۂ کرام رضوانِ اللہ علیہم اور ان کے تشاجرات کے بارے میں دین و ایمان کی روشنی میں مسلّم ہے۔ شروع میں ذمّہ دار عالموں اور اداروں نے اس کتاب کی طرف توجہ نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا زہر خوب پھیلا۔ راقم الحروف نے روزنامہ انقلاب بمبئی میں ۷ نومبر لغایۃ ۱۷ دسمبر ۱۹۵۹ء (۴ جمادی الاولیٰ لغایۃ ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۳۷۹ھ) ۳۵ قسطوں میں اس کی اندرونی خرابیوں کو اجاگر کر کے صحیح باتیں بیان کرنے کی کوشش کی اور صرف ان ہی کتابوں تک دائرہ بحث و تبصرہ محدود رکھا جن سے اس کے مؤلف نے قطع و برید اور خیانت کر کے اپنا ذہنی مطلب نکال کر اسے تحقیق اور ریسرچ بنانا چاہا تھا، اب اسی کو حک و اضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اس کتاب پر لکھنے کا شدید تقاضہ اس وقت ہوا جب کہ حضرت الاستاذ مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماء ہند نے ایک مختصر مگر جامع تبصرہ میں اس کتاب کا پول کھول کر رکھ دیا۔ یہ ہماری کوشش گویا اسی متن کی شرح ہے۔ ہم نے صرف ان ہی چند کتابوں سے مدد لی ہے جن سے مؤلف نے خیانت کر کے اپنا ذاتی

مقصد ثابت کرنا چاہا تھا اور جان بوجھ کر دوسری کتابوں کو ہاتھ نہیں لگایا ہے کہ ایک صحیح الفکر اور سلیم الطبع مسلمان کے لیے ان ہی سے مسلکِ حق کی طرف رہنمائی مل جاتی ہے اور کج فہم و کج دماغ کے لیے سب کچھ بیکار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جن بعض مباحث پر ہم نے اظہار خیال نہیں کیا ہے ان کو لے کر اس کتاب کے طرف دار بغلیں بجائیں اور ان کو لاجواب تخلیق بتائیں۔ مگر جس شخص کی اس قدر خیانتیں اجاگر ہو چکی ہوں، اس کی ایک بات بھی ماننے کے قابل نہیں رہ سکتی جب کہ ایک کتاب میں دو چار جگہ اس طرح کی خیانت سے پوری کتاب مجروح ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی سطر بھی قابلِ اعتماد نہیں ہوتی۔ اخبار میں تبصرہ کے زمانہ میں اس کی صرف ایک بحث "کتاب کا اصل ماخذ" پر چند لوگوں نے اپنے اپنے رنگ میں مؤلف کی تائید کی اور خود مؤلف نے راہ پا کر اس پر اپنا ایک مضمون شائع کرایا اور "ایک سُنی اہلِ علم و اہلِ قلم عالم" کی اس گرفت کو کئی طرف سے ڈھیلی کرنے کی کوشش کی گئی، جو ہر اعتبار سے ناکام رہی، حالانکہ انتظار تھا کہ ہمارے تبصروں کا جواب اس کتاب کے سرگرم طرفداروں کی طرف سے شد و مد سے شروع ہو جائے گا، مگر ان کی سرد مہری سے اندازہ ہو گیا کہ ان کا مبلغِ علم و تحقیق کیا ہے اور ان کی طرف داری کی بنیاد کیسی ہے۔

اب جبکہ اس کتاب کا فتنہ نسبتاً سرد پڑ گیا ہے اور دماغوں کو سوچنے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے ہمارا یہ تبصرہ خدا کرے قلبِ سلیم اور عقلِ مستقیم کے لیے مفید ثابت ہو۔ باقی رہے وہ لوگ جو سلف بیزاری کی بنیاد پر مشاجرات صحابہ کو دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کے علم و تحقیق کی دوڑ اردو کی کتابوں اور اندرونی خواہشوں تک ہے وہ کسی طرح سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ان کے حق میں توفیق کی دعا کرنی چاہیے۔

ہم نے اس تبصرہ کے لیے اپنی ذاتی کتابوں کے علاوہ محترم و مکرم جناب الحاج حافظ محمد صدیق المیمنی (محمد احمد برادرز بمبئی) شرف الدین، الکتبی و اولادہٗ، اور کتب خانۂ جامع مسجد کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے، ہم ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں نیز اس کتاب کی اشاعت کے محرک و باعث میرے چند خصوصی دوست ہیں جن کا میں شکر گزار ہوں:۔

(۱) محترم الحاج مولانا عبید الرحمٰن صاحب قمر مبارکپوری

(۲) محترم الحاج محی الدین صاحب منیری

(۳) اور محترم الحاج نواب عبد الرؤف صاحب بستوی۔

در حقیقت ان ہی حضرات نے یہ کتاب شائع کی ہے

قاضی اطہر مبارک پوری بمبئی

جمعۃ الوداع ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ ۲۵ مارچ ۱۹۶۰ء

اموی حکومت و خلافت

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ تک مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی نظام نبوت و رسالت سے وابستہ رہا اور ان کو کسی الگ نظام کی ضرورت نہ پڑی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی معاملہ تقریباً یہی رہا اور نبوت و رسالت کی نیابت و خلافت نے مسلمانوں کے مِلّی نظام کو برقرار رکھا اور خلفائے اربعہ کے دور تک خلافت علیٰ منہاجِ النبوت جاری رہی، جس میں نہ حکومت و سلطنت کا تصور تھا، نہ ملوکیت و شہنشاہیت کا خیال تھا، بلکہ نبوت و رسالت کی قائم مقامی اور نیابت و خلافت ہی حقیقی مقصد اور اصلی مطمحِ نظر تھا۔ خلافت راشدہ کا یہ دور نبوت و رسالت کا پر تو تھا اور اس دور کے خلفائے راشدین اسلام کے حقیقی ترجمان تھے۔

اس مبارک و مقدس دور کے بعد اُموی دور آیا جو خیر القرون میں تھا، اس زمانہ میں خلافتِ راشدہ کے فیوض و برکات ہر طرف عام تھے۔ سندھ سے لے کر افریقہ تک اسلام کی شان و شوکت برپا تھی۔ مجاہدین اسلام سے دنیا معمور تھی اور بلادِ اسلامیہ کے تقریباً ہر قریہ و شہر میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ و تابعین موجود تھے۔ کتاب و سنت پر پوری طرح عمل جاری تھا اور اسلام کی روح بشاشت اور تازگی کے ساتھ ہر طرف کام کر رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے مبارک و مقدس زمانے میں جو حکومت قائم ہو گی اور اس کا نعرہ بھی وہی ہو گا جو خلافتِ راشدہ کا تھا۔ وہ بہترین حکومت ہو گی اور اسے "خیرالقرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" کی برکتیں حاصل ہوں

گی۔ اس کے باوجود اُموی دور نہ نبوّت و رسالت کا دور تھا اور نہ اس کی نیابت و خلافت کا دور تھا، بلکہ حکومت و ملوکیّت کا دور تھا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تھا کہ

"الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تکون ملکاً عضوضاً"

مگر جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ اُموی دور حکومت کی ابتدا چونکہ خیر القرون میں ہوئی اس لیے اسے نبوّت و خلافت کی برکتیں حاصل رہیں اور اُموی خلفاء کے دور میں اسلام کے اصلی خدوخال کی حفاظت، اس کی سادگی کی بحالی، کتاب و سنّت کی ترویج و اشاعت، جہاد و حدود کا قیام اور اسی طرح خالص دینی اور اسلامی کام جاری رہے اور اُموی خلفاء نے اسلام اور مسلمانوں کو اجانب و اَغیار کے ہر طرح کے علمی، فکری، تمدّنی اور طاقتی اثرات سے محفوظ رکھ کر بہترین خدمات انجام دیں۔ اسی لیے اُموی دور نبوّت و خلافت کے بعد اسلام کے حق میں سب سے بہتر دور مانا گیا ہے اور مجموعی اعتبار سے بعد کے تمام اَدوار میں وہ "خیر القرون" کہلانے کا مستحق قرار پایا ہے۔

مگر چونکہ اسلامی تاریخ کا یہ "خیر القرون" نبوّت و خلافت کا "خیرالقرون" نہ تھا، بلکہ "ملوکیّت عضوضہ" کا خیر القرون تھا، جیسا کہ زبانِ رسالت نے اسے بتایا ہے، اس لیے اس نئی دولت و حکومت کی تشکیل میں ابتداً وہی کام کرنے پڑے جو ملوکیّت کو اپنے ابتدائی دور میں کرنے پڑتے ہیں اور جن کو ہم دنیا کی شوکت کی تاریخ میں پڑھتے ہیں۔ پھر چونکہ دولت اُموی کی تشکیل و تعمیر نبوّت و خلافت کے تصورات سے ہٹ کر قبائلی عصبیّت اور خاندانی شوکت و قوّت پر ہوئی اس لیے اس کی ابتدا میں دین کی خالص روح کارفرما نہ ہو سکی، بلکہ دنیاوی عصبیّت و شوکت نے کام کیا اور چونکہ جو لوگ اس دولت جدیدہ کے اوّلین معمار تھے، وہ خود بھی دین کی روح سے بڑی حد تک

خالی تھے اور دینی ماحول میں پرورش پانے کے باوجود ان کے دل و دماغ پر صاحبزادگی، شاہزادگی اور دنیاوی جاہ و حشم کا خیال چھایا ہوا تھا اور نوخیزی اور ناتجربہ کاری نے ان کو اور بھی غیر مآل اندیش بنا دیا تھا، نیز انہیں ہم نوا اور مشیرِ کار ایسے لوگ مل گئے تھے جو دین و دیانت کے مقابلہ میں دولت و شوکت کے پروردہ تھے اور شام کی رومی حکومت کے قدیم سایہ نے ان کو ملوکیت پسند بنا دیا تھا اس لیے انھوں نے اس دولت کے قیام و استحکام میں دینی اصول و قوانین سے ہٹ کر وہ تمام آلات و اثرات استعمال کئے جو ایک نئی حکومت کے ناتجربہ کار اور ناعاقبت اندیش بانی کیا کرتے ہیں، چنانچہ اُغیلمۂ قریش، مروان، عبید اللہ بن زیاد، یزید، عمر بن سعد، وغیرہ دولتِ اُموی کے اوّلین حکمرانوں نے اپنے ہم فکر و ہم عمل پیرو کاروں کو لے کر اس کے استحکام میں وہ تمام کام کئے جو ایک نئی سلطنت کے لیے کئے جاتے ہیں۔ ان نوخیز و ناتجربہ کار صاحبزادوں کے ہاتھوں دولتِ اُموی کے قیام و استحکام کا یہ دور امت مسلمہ کے لیے بڑا صبر آزما اور پرفتن تھا۔ اجلۂ صحابہ موجود تھے، دین و دیانت کے حاملین دنیا میں بڑی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ کبار تابعین اسلامی روح سے معمور تھے، اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔ ہر طرف کتاب و سنت کا چرچا تھا اور دین اپنی پوری روح کے ساتھ پورے عالمِ اسلام میں زندہ و پائندہ تھا۔ عین اسلامی فکر و عمل کے اس تابناک دور میں دین کی روح سے بڑی حد تک بے بہرہ نوخیزوں نے اپنے ایک خاص نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر کھلے بندوں ملوکیت کی دعوت عام کی اور ہر مخالف نظریہ کو طاقت و شوکت سے کچلنا چاہا۔ ان حالات میں صحابہ کرام اور ان کے ہم فکر و ہم خیال حضرات نے کمالِ دور اندیشی سے رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث و احکام پر شدت سے عمل کیا

جن میں اس قسم کے فتنوں کے نازک دور میں اسلام کی اجتماعیت و طاقت کو بحال و برقرار رکھنے کے لیے حکم دیا گیا ہے اور ہر طرح کے حالات برداشت کر کے "بحق اسلام" خاموش رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی معیت و اقتداء میں جمہور امت اس مصلحت کے پیشِ نظر خاموش نہ رہ جاتی اور خدانخواستہ ان اُغیلمۂ قریش کے مقابلہ میں نکل آتی جن کے پاس دنیاوی شوکت و طاقت جمع ہو گئی تھی تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا کہ اسلام کی تلوار مسلمانوں پر پڑتی، اور عرب و عجم کی ساری مخالف اسلام طاقتیں مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر پورے عالمِ اسلام پر یلغار کر دیتیں اور اسلام کا سجا سجایا بازار دم کے دم میں لٹ جاتا اور وحدتِ کلمہ اور جامعیت اسلام کا وہ سارا کھیل اپنے ہاتھوں بگڑ جاتا جسے نبوت و رسالت اور نیابت و خلافت نے تیئیس اور تیس سالوں کی مدت میں بنایا تھا۔ اگر حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے جمہور کے سامنے یہ مقصد عظیم نہ ہوتا تو وہ کسی طرح ان نوخیزوں کی اس سیاست کو نہ چلنے دیتے جو زمانہ جنگ کی طرح نئی حکومت کے قیام و استحکام میں دین و دیانت کی روح سے الگ کر کے چلائی گئی۔ یہ عبوری دور جمہور مسلمانوں کے لیے بڑا ہی سخت تھا اور ان کا تمام تر سکوت "بحقِ اسلام" تھا اور "بحقِ دولت امیہ" نہ تھا۔

یزید کا تقریباً پونے چار سال کا دور اس قسم کا تھا جس میں عام مسلمانوں نے بڑے صبر و ضبط سے کام لیا، مگر اسی دور میں ارباب عزیمت وقتی مصالح سے یکسو ہو کر اپنی خالص نیت اور پاکیزہ کردار کے ساتھ اس صورت حال کی اصلاح کے لیے اٹھ کھڑے ہو گئے اور اس نازک دور کو ان احادیث رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے کا بہترین

زمانہ سمجھا جن میں جبر و ظلم اور احداث و بدعات کے خلاف آواز بلند کرنے کو افضل الجہاد بتایا گیا اور ان کے خلاف اقدام کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے یہاں بلند مرتبہ ہونے کی ضمانت دی گئی۔ چنانچہ اسی دور کے شباب میں تین طاقتیں سامنے آئیں۔ ایک حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنواؤں کی طاقت جس کا خاتمہ عراق کی سرزمین کربلا میں محرم ۶۰ھ میں ہوا۔ دوسری پورے اہلِ مدینہ کی طاقت جس کی پشت پر مدینہ منورہ کے وہ انصار و مہاجرین تھے جن کی بیعت سے خلافت کی بیعت پوری ہو جاتی تھی اور جن کا گھر اسلام کا دارالخلافہ تھا۔ حرمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس اجتماعی طاقت کو مدینہ کے مقام حَرّہ میں ذوالحجہ ۶۳ھ میں دفن کیا گیا۔ اور تیسری طاقت حرمِ خداوندی میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سر کردگی میں کام کر رہی تھی اور اس کے مقابلہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ عین محاصرۂ مکہ مکرمہ کے دوران ربیع الاول ۶۴ھ میں یزید کی موت واقع ہو گئی اور خرابی بسیار کے بعد بھی یہ طاقت بعد تک باقی رہی مگر پھر اُموی حکومت نے اسے بھی ختم کر کے اپنے لیے راستہ صاف کر لیا۔

چونکہ یہ تینوں طاقتیں اپنے مقصد میں ناکام رہیں، اس لیے فاتحوں کے نزدیک ان کا مقابلہ کرنے والے باغی، شورش پسند اقتدار اور حکومت وقت کے خلاف خروج کرنے والے ثابت کئے گئے اور ان کے ان کارناموں کو خروج و بغاوت کی نظر سے دیکھا گیا اور اگر ان میں سے کوئی طاقت کامیاب ہو جاتی تو پھر اسی طرح بنوامیہ اور ان کے دُعاۃ خلافتِ راشدہ کے باغی قرار پاتے اور ان کو وہ سب کچھ کہا جاتا جس کا عُشرِ عشیر بھی ان کے ناکام مخالفین کو نہیں کہا گیا، مگر چونکہ وہ نئی حکومت کے قیام و استحکام میں کامیاب ہو گئے اس لیے استیلاء و غلبہ کی وجہ سے اموی دور حکومت بھی خلافت کا دور

کہلایا اور بنی امیہ کی پوری حکومت اپنے اچھے برے کارناموں کے باوجود عمومی اعتبار سے بعد کی تمام مسلم حکومتوں سے زیادہ بہتر، زیادہ کامیاب، اور زیادہ نیک ثابت ہوئی اور ان کے حکمران چونکہ پورے عالمِ اسلام کے بست و کشاد پر قابض و دخیل تھے، جہاد کرتے کراتے تھے، حدود اور احکامِ اسلام جاری کرتے تھے، عزل و نصب ان کے قبضہ میں تھا، کتاب وسنت کی اشاعت و ترویج میں حصہ لیتے تھے، اور اسلام کو ہر طرح کی عجمیت سے پاک و صاف رکھنے کے لیے بہترین کوشش کرتے تھے، اس لیے وہ ایسے کامل و مکمل غلبہ و استیلاء کے بعد خلیفہ کہلائے اور ان کی حکومت کو خلافت سے اسی معنیٰ میں تعبیر کیا گیا اور ملوکیت و شہنشاہیت کی تاریخ میں یہ دور خیر القرون" ثابت ہوا۔ اور اس دولت کے قیام کے سلسلے میں جو عبوری کوششیں کی گئیں ملوکیت کی نظر میں ایک ایک کر کے مستحسن قرار پائیں اور ہر حادثہ بہترین کارنامہ مانا گیا۔

یہاں پر یہ بات خاص طور سے مد نظر رکھنی چاہیے کہ کسی نئی حکومت کے قیام و استحکام کے زمانے میں یا جنگ کے زمانے میں جو حالات پیش آتے ہیں اور ان کے مقابلہ سے جو جو صورتیں پیدا ہوتی ہیں، وہ صرف عبوری اور وقتی ہوتی ہیں ان کو اس دولت و حکومت کے بنیادی مقاصد قرار دینا کسی طرح مناسب نہیں، کیونکہ جب کسی جگہ ملوکیت و سلطنت کی گرفت شروع ہوتی ہے تو اس قسم کے انقلابات و تغیرات پیش آتے ہیں اور ملوکیت کا جبر و تشدد اپنے لیے اسی طرح راستہ ہموار کرتا ہے۔ قرآن حکیم نے اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:۔

"ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذلک یفعلون۔"

ترجمہ:۔ ملوک جب کسی شہر میں غلبہ و استیلاء کے لیے داخل ہوتے ہیں تو وہاں کی معزز و

محترم شخصیتوں کو ذلیل و خوار کرکے زیر کرتے ہیں۔ اور اسی طرح کے دوسرے کام کرتے ہیں۔

آپ ملوکیت و سلطنت کی تاریخ پڑھیں تو بڑے بڑے عادل و منصف اور بہترین امن پسند سلاطین اس مرحلہ پر تشدّد پسند، اور قتل و غارت میں مصروف نظر آئیں گے۔ مگر غلبہ و استیلاء کے بعد ان کا دور حکومت بہترین دور گذرا ہے کیونکہ ابتداء میں انھوں نے جو کچھ کیا وہ صرف غلبہ واستیلاء کا عبوری کارنامہ تھا، ان کی سلطنت کا مقصد نہ تھا۔ اسی طرح دولت اموی کے قیام و استحکام کے عبوری دور میں جو کچھ ہوا وہ اس کے مقاصد میں سے نہ تھا اور نہ اس کے بانی اسے اپنی حکومت کے لیے مستقل پالیسی اوراصول سلطنت سمجھتے تھے، بلکہ ان حرکتوں کو ان میں سے بہت لوگوں نے بعد میں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا، اور توبہ و استغفار اور ندامت و شرمندگی کا اظہار کرکے افسوس کیا۔ چنانچہ دولت اموی کی ابتدائی تحریکوں میں جن لوگوں نے خاص مقصد یا دباؤ سے حصہ لیا، ان میں سے اکثر و بیشتر مرتے دم تک افسوس کرتے رہے، اور توبہ و استغفار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں رجوع ہوئے۔ اس کی بہترین مثال حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے آخری وقت کے وہ الفاظ ہیں جو صحیح مسلم میں نہایت تفصیل سے درج ہیں۔ جس میں آپ نے اپنی زندگی کے تین ادوار بتا کر آخری دور کو جو دور فتنوں میں گزرا، اس کے بارے میں فرمایا:۔

ثم ولینا اشیاء ما ادری ما حالی فیھا۔

(آخر میں ایسے معاملات ہمارے سپرد کئے گئے جن کے بارے میں مَیں نہیں جانتا کہ میرا کیا حال ہوگا)۔

عمر بن سعد قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے بعد مرتے دم رنج و افسوس کا اظہار کیا اور خود یزید کے بارے میں روایت موجود ہے کہ اس نے آخر میں شہادت حسینؓ پر بے حد رنج و ندامت کا اظہار کیا اور اپنی ناعاقبت اندیش سیاست کے غلط ہونے کا اقرار و اعتراف کیا، اور کتنے ایسے اہلِ صدق و صفا بزرگ تھے جو ان فتنوں کے دوران ہی میں شرکت کو غلطی محسوس کر کے کنارہ کش ہوئے، نیز ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنی غلطی کا احساس کر کے خاندان حسین اور اہلِ حرمین شریفین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا اور رواداری کی روش اختیار کی، بلکہ بعد کے اموی خلفاء میں بعض نے اپنے دور میں اس ابتدائی سیاست کو سختی سے ناپسند کر کے اس سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا اور تلافیِ مافات کے لیے ہر امکانی کوشش کی۔ اس میں مروان کے پوتے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ذات گرامی بہت ہی نمایاں ہے، جنھوں نے دور یزید کی غلط کاریوں سے اپنی بیزاری کا اعلان کیا اور حجاج بن یوسف کے ظلم و سفاکی کو برملا ظاہر کیا اور ردِّ مظالم کی روش اختیار فرمائی۔

بہر حال دولت اموی اپنے ان ابتدائی موانع و علائق کو ختم کر کے ترقی کرتی رہی اور پرانے عار کو اچھائیوں سے دھوتی رہی، مگر اس دور میں بھی وقتاً فوقتاً مخالفت ہوتی رہی، اور ان کا صفایا ہوتا رہا۔ ان میں ایک طاقت بہت منظم صورت اختیار کر گئی اور اس نے بنوامیہ کے مقابلہ میں نسلی عصبیت کو دین کے رنگ میں پیش کر کے بڑی حد تک بنوامیہ کی بدنامی پر اپنے استحقاق کی بنیاد رکھی۔ یہ بنوہاشم کی امامت کی دعوت تھی جسے ایک مستقل دین کی شکل میں پیش کیا گیا۔ اس میں بنوامیہ کے وہ ابتدائی حریف شامل تھے جنھوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا امام و پیشوا بنا کر کوفہ بلایا، تاکہ یزید کے مقابلہ میں آپ کی بیعت کریں، مگر جب اموی طاقت و سیاست سے دوچار

ہونے کے بعد ان کی قوت ٹوٹ گئی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے نتیجہ میں ان کی تحریک بند ہو گئی تو انھوں نے ایک خاص مدت تک خاموشی اختیار کی اور اندر ہی اندر بنوامیہ کے خلاف کام کرتے رہے، اور ان کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے ان کی نالائقی اور اپنا استحقاق ثابت کرتے رہے، یہ لوگ واقعۂ کربلا کے کچھ زمانہ کے بعد اپنا لقب "توابین" اختیار کر کے طرفداران علی و حسین رضی اللہ عنہما کے رنگ میں ظاہر ہوئے جیسا کہ علامہ ابن سعد نے "**الطبقات الکبریٰ**" میں اس کی تصریح کی ہے۔ ان لوگوں نے اہل بیت کے بڑے بڑے آدمیوں کو اس طرح اپنا ہیرو بنایا جس طرح پہلے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بنا چکے تھے اور چونکہ بنی امیہ کو طاقت حاصل ہو چکی تھی اس لیے یہ لوگ اپنے مقصد میں ناکام ہوا کرتے تھے۔ اس گروہ نے اہل بیت اور واقعۂ کربلا کو اپنی تحریک کی روح بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا اور جس طرح دولت اموی کے قیام سے پہلے شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک خاص نقطۂ نظر سے دنیا کے سامنے پیش کر کے ہمدردی حاصل کی جارہی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے الزامات لگائے جارہے تھے، اسی طرح اس گروہ نے شہادت حسین رضی اللہ عنہ کو دنیا کے سامنے پیش کر کے اپنی دعوت کے حق میں ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی، اور بنی امیہ کی ابتدائی حرکتوں کو، جو بجائے خود نہایت غلط تھیں، اپنے خاص رنگ میں پیش کیا اور چونکہ اس جماعت کی دعوت اہلِ بیت کی محبت تھی اس لیے مسلمانوں میں اس تحریک کو فروغ ہوا۔ خاص طور سے عجم کے ان علاقوں میں، جہاں قدیم زمانہ سے نسل و خاندان کا تصور کام کر رہا تھا جیسے ایران و ہندوستان وغیرہ میں اس کی پذیرائی ہوئی، اور ان ملکوں کے نو مسلم چونکہ قدیم زمانہ سے نسلی فتنہ میں

مبتلا تھے، اس لیے انھوں نے اہل بیت کی محبت و مظلومیت میں دلچسپی لی اور ساتھ ہی ساتھ بنوامیہ کی برائی کی۔ اس مقصد کے لیے واقعۂ کربلا کو عجیب و غریب انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا اور اسے رنگ برنگ روایات سے اس قدر مزین کیا گیا کہ وہ واقعہ ہونے کے باوجود افسانہ بن گیا اور دنیا کے لیے اس کی واقعیت اور افسانویت میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔ واقعہ کربلا کی رنگ آمیزی نے اس دعوت میں بڑی جان پیدا کی اور اس سے اسے خوب فروغ ہوا۔ ساتھ ہی بنوامیہ کے ابتدائی کاموں میں بھی خوب خوب رنگ آمیزی کی گئی اور ان کو بھی واقعات سے نکال کر افسانہ بنا دیا گیا۔ ایک طرف حقیقت کو افسانہ بنایا گیا محبت و الفت میں اور دوسری طرف عداوت و نفرت میں، بہرحال دونوں طرف سے اصل حقائق کو ختم کر کے مفروضات و مزعومات کی دنیا آباد کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جاہل اور عامی مسلمان کربلا کے مظالم اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو نہایت اہمیت کے ساتھ جانتا ہے جبکہ لوگ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ، واقعہ حرہ اور محاصرۂ مکہ وغیرہ سے ناواقف ہیں، حالانکہ یہ حوادث کربلا سے کئی درجہ اہم ہیں۔ اسی طرح جاہل اور عامی مسلمان یزید، مروان، ابن زیاد، عمر بن سعد، شمر بن ذی جوشن کو ظالم، جابر، فاسق، فاجر کہنے کے لیے تفصیلی معلومات رکھتا ہے، جبکہ فرعون وہامان اور شداد و نمرود کے ظلم و ستم کا اجمالی علم بھی کم ہی لوگ رکھتے ہیں، حالانکہ یہ دنیائے انسانیت کے اکابر مجرمین ہیں۔

چونکہ چوتھی صدی ہجری تک تاریخی واقعات بھی احادیث کی طرح اسناد کے ساتھ بیان کیے جاتے تھے اور تاریخ نویسی کا طریقہ یہ تھا کہ مورخ ہر قسم کے واقعات کو راویوں کی سندوں کے ساتھ اپنی کتاب میں درج کر دیتا تھا اور اس کی حیثیت صرف

جامع کی ہوا کرتی تھی وہ ناقد و مبصر نہیں ہوتا تھا اس لیے مسلمان مورخوں نے کمال دیانت سے ان فتنوں کی تاریخ میں بھی اسی ذمہ داری کو پورا کیا اور جو واقعہ جس سلسلہ رُوات سے ملا درج کر دیا۔ ان کو اس سے بحث نہ تھی کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے۔ اس کا فیصلہ انھوں نے پڑھنے والے پر چھوڑ دیا کہ وہ اسانید و رُواۃ کی تحقیق اور اپنی بصیرت سے کام لے کر موافق و مخالف روایات کے بارے میں رائے قائم کریں۔ اس دور کے مسلمان مورخوں نے داخلی فتنوں میں پڑنے اور ان کے گذر جانے کے بعد ان میں فریق بننے سے گریز کیا، اور بعد والوں نے اپنے اپنے رجحان و ذوق کے مطابق ان کے مندرجات سے استدلال کیا۔ چنانچہ آج تک ان فتنوں کے بارے میں ان ہی قدماء کی کتابیں موافقین و مخالفین کا ماخذ بنتی چلی آئی ہیں اور جوں جوں اپنے اسلاف سے بیزاری پیدا ہوتی جاتی ہے ان کے بارے میں لوگوں کی زبانیں کھلتی جاتی ہیں، بلکہ اب تو یہ حال ہے کہ حضرات محدّثین پر بھی مورخوں کی طرح حکومت وقت سے ڈرنے اور اس کی تائید کرنے کا الزام رکھا جانے لگا ہے اور ان کو کذّاب و مفتری اور شیعہ و خوارج کہا جانے لگا ہے، اور ان کی شدّتِ احتیاط اور با ادب سکوت ان کا سب سے بڑا جرم قرار پارہا ہے۔

اب سے پہلے اسلامی تواریخ کے مطالعہ میں اسلامی ذہن و فکر کی رہنمائی ہوا کرتی تھی۔ واقعات کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دیکھا جاتا تھا اور ان کی تحقیق و تفتیش میں ان کے ظروف و احوال، اسناد و رواۃ اور اصول و فروع پر ایمان و دیانت کے نقطۂ نظر سے غور کیا جاتا تھا۔ مگر اب اسلامی تاریخ کو وطنیت و قومیت کے معیار پر جانچا جانے لگا ہے اور اس کے مطالعہ میں نسلی و وطنی محرکات کام کرنے لگے ہیں، اس لئے ہر وہ واقعہ

جو وطنیت و قومیت کے نظریہ کے خلاف ہو غلط اور بے اصل ہے اور اس کے لکھنے والے کذاب و مفتری ہیں۔ اس سے مطلق بحث نہیں کہ اس میں واقعیت کہاں تک ہے۔ جذباتیت کی اس رَو نے آج کے مسلمان مولفین و مصنفین کے ایک طبقہ کو بری طرح سطحیت پسند بنا دیا ہے اور ان کے لیے بہت آسان ہو گیا ہے کہ وہ مسلّمہ واقعات و شخصیات کا کھلے بندوں انکار کر دیں اور اپنے ذہن کے موافق جو چاہیں لکھدیں۔

مثال کے طور پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری کو لے لیجیے، جن کا خاص مضمون ادبیات ہے مگر "عروبت" کی ہوا نے ان کو اسلامی تاریخ و رجال کا محقق بنا دیا اور انھوں نے مصریوں سے قتلِ عثمان کا عار دھونے کے لیے عبداللہ بن سبا (ابن السوداء) کے وجود ہی کا انکار کر دیا، اور اسے ایک افسانوی شخصیت قرار دینے کی کوشش کی۔ اسی طرح انھوں نے ابن ابی ابن سلول منافق کے وجود کا انکار کرتے ہوئے اسے افسانہ بنانے کی کوشش کی، نیز اسلامی واقعات کو عروبت کے نقطۂ نظر کے مطابق بنانے کی روش اختیار کی۔ اس ذہنیت کو معلوم کرنے کے لیے ان کی کتابوں کا مطالعہ کافی ہے۔

عرب ممالک کے نئے ذہنوں کو "عروبت" نے یہاں تک جرأت مندی عطا کر دی ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت کے ان تمام واقعات و حالات کو مورخین و مفسرین اور محدثین کی غلط بیانی قرار دینے لگے ہیں، جن میں جاہل عربوں کے اخلاقی، تہذیبی، تمدنی اور دینی و فکری انحطاط کو اجاگر کیا گیا ہے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے یہ اسلاف ہماری قدیم تہذیب و فکر کے علمبردار تھے اور ہمیں ان پر فخر کرنا چاہیے۔ غرض کہ ان دنوں عرب ممالک میں نیشنلزم کی تحریک اپنے عروج پر ہے۔ ابو جہل اور ابولہب وغیرہ کی یادگاریں قائم کرنے کی تجویزیں عربی مجلات و جرائد تک میں آچکی ہیں۔

"عروبت" کے علمبرداروں کے خیال میں رسول اللہ ﷺ عربی تاریخ کے ایک ہیرو تھے اور ان کے مخالفین روساء قریش رجعت پسند فکر کے نمائندے مخالف پارٹی کی

حیثیت سے تھے اور ابو جہل و ابولہب وغیرہ نے اپنے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں جو پارٹ ادا کیا ہے وہ سلمانِ فارسی رضی اللہ عنہ، بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ، اور صہیبِ رومی رضی اللہ عنہ جیسے غیر ملکی عناصر سے زیادہ عظمت و توقیر کا مستحق ہے اور ہمیں اپنی عروبت کی تاریخ پر فخر کرتے ہوئے اپنے تمام ہیروؤں کا اعزاز و احترام کرنا چاہیے اور دور جاہلیت جو عروبت خالصہ کا بہترین ترجمان تھا، اس کے بارے میں جو خرابیاں بیان کی گئی ہیں وہ سراسر اتہام اور بہتان ہیں۔

عروبت کے اس انتہا پسند رجحان کے دور میں اموی دور حکومت و خلافت پر فخر قدرتی امر ہے، جو حجاز کے دو قبائل مضر اور ربیعہ میں سے قبیلہ مضر کا بہترین کارنامہ ہے، اور جس کی بنیاد خلافت راشدہ کے دینی افکار و نظریات سے ہٹ کر "عصبیت مضر" پر رکھی گئی تھی۔ اس نے نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے دور میں بہترین کارنامے انجام دیئے اور مشرق و مغرب پر کامیاب حکومت کی۔ اسی نظریہ کی بناء پر آج حجاج بن یوسف بھی عروبت کی عظیم الشان شخصیت بنا دیا گیا ہے اور اس کے تمام کارناموں کو اس لیے حق بجانب تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس نے تنہا خالص عربی حکومت کے قیام و استحکام میں وہ کام کیے ہیں جو بڑی بڑی جماعتوں اور پارٹیوں سے نہیں ہو سکتے تھے، اسی طرح آج کے دور میں مروان، یزید، ابن زیاد وغیرہ دولت عربیہ خالصہ کے اولین معماروں میں تسلیم کیے جاتے ہیں اور ان کے کارناموں کو استحسان کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ جب آج کی قومیت و وطنیت پرستی نے فراعنۂ مصر کو مصریوں کی تہذیب کا مورث اعلیٰ بنا کر ان کو قابل فخر قرار دے دیا ہے اور چنگیز و ہلاکو جیسے پوری دنیائے انسانیت کے سفاک و ظالم اپنی اپنی قوموں کے ہیرو اور قابل

فخرواحترام شخصیت بن گئے ہیں، تو ان خیالات و رجحانات میں اموی حکمران اور ان کے حمایتی قابل فخر و احترام کیوں نہ قرار پائیں، جبکہ چند خطرناک قسم کی غلطیوں کے بعد وہ مجموعی اعتبار سے بہترین حکمران تھے اور دنیا نے ان سے بہت کچھ پایا اور انھوں نے انسانی تاریخ میں پروقار مقام چھوڑا ہے، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے جو کچھ کر دیا اس میں ان کو سابقیت کی افضلیت حاصل ہے اور بعد کی کوئی حکومت اس معاملہ میں ان کی ہمسر نہیں ہو سکی۔ ان حالات میں شدید ضرورت ہے کہ اموی دور خلافت اور اس کے حکمرانوں کے بارے میں بڑی ذمہ داری اور احتیاط سے تحقیق کی جائے۔ اور مخالفین کے الزامات اور موافقین کے مبالغات سے ہٹ کر اصل حقیقت کو سامنے لایا جائے اور اس اہم کام کو مسلمانوں کا کوئی ذمہ دار علمی و تحقیقی ادارہ پورا کرے اور بالغ نظر مورخ وناقد صحیح فکر سے کام لے کر مسلمانوں کے سامنے اپنی تحقیقات پیش کریں۔

سرسری جائزہ

(کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" اور مؤلف) جس کتاب پر ہم کچھ لکھنا چاہتے ہیں اس کے مؤلف ایک پاکستانی عالم مولانا محمود احمد عباسی ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ کراچی میں چھپی اور وہیں سے شائع ہوئی تھی، اس کے بعد ہندوستان میں بھی چھپی۔ اس کے ٹائیٹل پر یوں تعارف درج ہے۔

"اموی خلافت کا پس منظر۔ سیرۃ معاویہ و یزید بن معاویہ، حادثہ کربلا و فتنۂ حرہ پر بے لاگ تحقیق وریسرچ"۔

ہمارے پیشِ نظر جو نسخہ ہے وہ مشہور آفسٹ پریس کراچی کا مطبوعہ ہے۔

کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" نہ عقائد کی کتاب ہے کہ اس پر علمِ کلام اور اعتقادیات کی رو سے بحث کی جائے، نہ سراسر تاریخی اور علمی کتاب ہے کہ اسے اس نقطہ نظر سے پرکھا جائے اور نہ ہی بالکل مناظرہ و مجادلہ کے رنگ میں لکھی گئی ہے کہ پھر بحث و مناظرہ کی روش اختیار کی جائے، بلکہ یہ کتاب چند ایسے مضامین کا مجموعہ ہے جن میں نہ واقعات کی ترتیب کا لحاظ ہے نہ استدلالات کا کوئی خاص رخ ہے اور نہ ہی واقعات و حقائق کو واقعات و حقائق کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے تشاجرات و مناقشات اور دوسرے واقعات کو ایک خاص ذہن و فکر اور ایک مخصوص نقطۂ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس کتاب میں بڑی حد تک اس روشن خیالی عالی ظرفی اور آزادروی کا رنگ موجود ہے

جو آج کل تحقیق اور ریسرچ کے نام پر ظاہر کیا جاتا ہے جس میں نہ اسلاف کا لحاظ ہوتا ہے نہ مسلمات کی عظمت تسلیم کی جاتی ہے، نہ اپنے علمی و فکری سرمایہ کو اصلی حالت میں استعمال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، بلکہ روشن خیالی کے زعم میں صحابہ کرامؓ پر اپنی مخصوص رائے ظاہر کی جاتی ہے، علمائے اسلام اور محدثین و متکلمین کی مساعی پر حرف گیری کی جاتی ہے اور قرآن و حدیث کے معانی و مطالب کو اپنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تاریخی حقائق کو اپنے موافق بنانے کے لیے واقعات کو توڑا مروڑا جاتا ہے اور نہایت بے اصولی اور سطحیت کے ساتھ بحث کی جاتی ہے۔

اس کتاب کی حیثیت بالکل وہی ہے جو آزاد خیال اور منکرینِ حدیث کی کتابوں کی ہے۔ اس کتاب کو اسی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے جس سے اس قسم کی دوسری عامی اور سطحی کتابوں کو دیکھا جاتا ہے۔ پھر چونکہ یہ کتاب ایک ایسی کتاب پر تبصرہ اور اس کے جواب کے طور پر لکھی گئی ہے جو "الحسین" کے نام سے شائع ہوئی ہے جس کے مصنف ڈاکٹر ابو النصر نے روشن خیالی اور تجددیت کا اظہار کیا ہے اور ایک خاص نقطہ نظر اور محور فکر متعین کرکے اس پر واقعات ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ ایسی کتاب پر تبصرہ اور اس کے جواب میں سطحیت کا آنا بعید نہیں بلکہ قرین قیاس ہے خاص طور پر ایسی حالت میں جبکہ مبصرؔ پہلے سے اپنے ذہن و دماغ پر غلط باتوں اور بے جا پروپیگنڈہ کا بے پناہ بار محسوس کر رہا ہو اور اس کی طبیعت میں جھنجھلاہٹ پیدا ہو گئی ہو، یا وہ خاص حالات اور خاص تقاضوں کی بنا پر یہ محسوس کرنے لگے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید اور بنو امیہ کے بارے میں قرنہا قرن سے ایک جماعت بہتان و افترا کی روش اختیار کئے ہوئے ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومیت

کا نام لے کر اسلام کے اوصاف و محاسن اور رجالِ اسلام کے فضائل و کمالات پر نہ صرف پردہ ڈال رہی ہے بلکہ ان کو نہایت برے رنگ میں پیش کر رہی ہے۔ اور یہ جماعت سیاسی طاقت حاصل کر کے اپنے ہفوات و مزعومات کو پورے عالم اسلام میں حقائق و مسلّمات کے رنگ میں پیش کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس قسم کی باتوں کا ردّ عمل طبعی طور پر ایسا ہوتا ہے جس کا اظہار "خلافت معاویہؓ و یزید" نامی کتاب میں کیا گیا ہے۔

خصوصاً جب لکھنے والے کا ذہن معیاری نہ ہو، اپنے انداز تحریر میں طبعاً آزاد ہو، مسلّمات و حقائق میں رنگ آمیزی کرتا ہو، اپنے مقصد کے لیے قدیم تاریخی سرمایہ کو بے اصل قرار دے کر اسی سے بعد کی لکھی ہوئی کتابوں کو اس طرح معتبر و مستند سمجھے کہ اپنے مقصد کی بات ان سے لے لے اور جو تصریحات اس کے نقطۂ نظر کے خلاف پڑتی ہوں ان کو چھوڑ دے اور جن کتابوں کو غیر معتبر قرار دیتا ہو ان سے اپنے مطلب کے موقع پر بڑے حوصلے سے استدلال کرے اور جو کتابیں واقعی معتبر ہیں ان سے خاموشی اختیار کر کے بلا تکلّف اپنا مقصد پورا کرتا ہو، اس کے انکارِ حدیث میں صرف اس کے فکری محرکات کام کرتے ہوں اور رواۃ حدیث و رجال سنن پر جرح و تنقید کرنے میں اس کا خاص مطلب کام کرتا ہو۔ مسلّمہ شخصیتوں کی کتابوں سے اپنے ذوق کے مطابق ان کے جزوی مباحث کو اس طرح نقل کر دیتا ہو جیسے یہی باتیں ان کے مسلک کی ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو شخص اس طریقے سے کوئی مقالہ یا کتاب لکھے گا اس میں اس کی وہی باتیں ہوں گی جن کو اس نے پہلے سے اپنا مطمحِ نظر بنا رکھا ہے وہ ان کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے گا۔

اس لیے "خلافتِ معاویہؓ و یزید" نامی کتاب میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے

وہ مجموعی حیثیت سے صرف مؤلف کے ہیں۔ ان میں نہ براہ راست کسی خاص مکتب خیال اور جماعت کی ترجمانی ہے اور نہ براہ راست کسی خاص فرقہ اور مسلک کی مخالفت ہے۔ اس کتاب میں نہ اہل سنت والجماعت کے صحیح موقف کی وضاحت ہے اور نہ شیعوں کی مخالفت ہے اور مجموعی طور پر ایک خاص شخص کے خیالات کی ترجمانی ہے۔

یہ کتاب اتنی اہم نہ تھی جس قدر کہ اسے ہنگامہ نے کر دیا ہے، بلکہ یہ ایک چلتی ہوئی کتاب ہے، مگر کچھ ہنگامہ پسند لوگوں نے اسے وہ شہرت اور اہمیت دی کہ اب ہر موافق و مخالف اس کے دیکھنے اور پڑھنے کا متمنی ہے۔

کچھ لوگوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر علماءِ دیوبند، دارالعلوم دیوبند اور جمعیت علماء ہند کو گالیاں دینی شروع کیں۔ کچھ لوگوں نے اس کتاب کو آڑ بنا کر حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اور بنوامیہ کو برا بھلا کہا۔ کچھ لوگوں نے اپنے کھوئے ہوئے بھرم کو واپس لانے کی فکر میں اس کتاب کے پردے میں لیڈری چمکانی چاہی اور کچھ بدنام لکھے پڑھے لوگوں نے اس کتاب پر تنقید کا نام لے کر اپنی اکھڑی ہوئی ساکھ بٹھانی چاہی۔ غرض یہ کتاب کیا نکلی یاروں کی بن آئی مگر کسی نے یہ نہیں سوچا کہ ایسی کتابیں تو نکلا ہی کرتی ہیں اور پہلے بھی اس طرح کی باتیں لکھی اور کہی جا چکی ہیں ان پر توجہ دینا اور ان کی اہمیت ظاہر کرنا ان کو کامیاب بنانے کے مرادف ہے اور ان کو درخورِ اعتنا نہ سمجھنا اور ان سے اپنے افکار و خیالات کو دور رکھنا ان کی ناکامی ہے۔

جب اس کتاب پر ہنگامہ برپا کرنے والوں نے غلط روش اختیار کی اور اس کتاب کا واقعی جواب دینے کے بجائے بے جا شور و شر برپا کیا تو خیال ہوا کہ اس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے اسے نمونہ کے طور پر پیش کر دیا جائے اس سے ہمارا مقصد

نہ پوری کتاب کا جواب دینا ہے اور نہ فی الحال اس کی فرصت ہے۔ ہمارا تبصرہ ان شورش پسندوں کے لیے نہیں ہے جو اس کتاب کو آڑ بنا کر بزرگانِ دین، صحابۂ کرام اور اسلاف کو برا بھلا کہنے پر اتر آئے ہیں نہ ان قصہ گووں اور واعظوں کے لیے ہے جن کو اس کے بہانے سے جلسوں میں عزت مل رہی ہے، نہ ان مسکینوں کے لیے ہے جو اس قسم کی گری پڑی کتابوں کو پڑھ کر عقل و ہوش کی حدود سے بہت آگے نکل جاتے ہیں اور جدت پسندی کے فیشن میں پڑ کر اس قسم کی باتوں کو اچھالنے میں مزا پاتے ہیں۔

مؤلف کی یہ کوشش بہت ہی محمود و مشکور ہوتی اگر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید اور بنوامیہ کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے کا پول کھولتے اور تاریخ کے خزانوں کو کھنگال کر ان کے مناقب و فضائل اور محاسن و کمالات کو یکجا کرتے اور امت کے سامنے اس سیاہ تصویر کا دوسرا روشن رخ پیش کرتے جسے زمانہ دراز سے شیعوں اور شیعی ذہن سنیوں نے اپنے رنگ سے پر کیا ہے۔ ہم اس سلسلہ کی ادنٰی کوشش کو بھی مع لغزشوں کے سراہتے کیونکہ یہ کام کرنے کا ہے اور اس کی سخت ضرورت ہے۔

مگر افسوس کہ مؤلف نے اپنے کو اس جادۂ مستقیم پر نہیں رکھا، بلکہ بڑی دلیری اور بے باکی سے حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ کو جگہ جگہ گرا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، اور یزید اور بنوامیہ کو اٹھانے کی کوشش کی۔ اور ان حضرات کو وہ سب کچھ بنا دیا ہے جو احادیثِ صحیحہ، واقعاتِ معتبرہ اور حقائق مسلّمہ کے سراسر خلاف ہے۔

اسلامی تاریخ اور ائمۂ علم و فن پر افترا

مؤلف نے سب سے پہلا اور سب سے شاندار جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے تمام نئے پرانے سرمایہ کو بے اصل، جعلی اور کذب و افترا کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ اور اس کے ثبوت کے لیے ایک ولندیزی مستشرق "دے خوے" کو سب سے بڑا سہارا بنایا ہے۔

آپ مقدمہ میں لکھتے ہیں،

"اموی دور کے تقریباً ایک صدی بعد سے جو مخصوص کتب حروب داخلیہ کے بارے میں تالیف ہوئیں ان کے مؤلفین نے جو کلیتہً خاص ذہنیت کے حامل تھے، نیز مورخینِ سابقین نے اس عہد کے حالات قلم بند کرنے میں نہ صرف بخل و ناانصافی سے کام لیا ہے بلکہ خاص خاص واقعات کو وضعی روایات کی بناء پر اس درجہ مسخ کرکے پیش کیا کہ دے خوے جیسے آزاد و بے لاگ محقق کو بھی کہنا پڑا کہ الخ (ص - ٦)

پھر آپ نے بعد کے تمام تاریخی سرمایہ کو بے اصل اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:-

"کذب بیانیوں کی یہ حالت الّا ماشاء اللہ برابر قائم رہی، صدیوں پر صدیاں گزرتی گئیں۔ نامور سے نامور مورخ عہد بہ عہد پیدا ہوتے رہے۔ مبسوط سے مبسوط کتب تاریخ مرتب و مدوّن کرکے پردۂ عدم میں روپوش ہوتے رہے۔ مگر بقول "دے خوے" سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنے یا وضعی روایتوں اور مبالغات کو جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں نقد و روایت سے جانچنے کی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور مورخ نے

نہیں کی۔ خصوصاً ابتدائی دورِ اموی کے بعض مشہور واقعات کے اغلاق و مبالغات کے بارے میں روایت پرستی کی اس زمانہ میں ایسی وبا پھیلی کہ متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مورخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفا کرتے رہے۔" (ص۔۷)

آپ نے ایک کتاب تالیف کرنے کا ارادہ کیا فرمایا کہ اسلام کے پورے دور کی تاریخ پر سیاہی پھیر دی۔ اور تمام مورخوں کو اپنی تحقیق کے سامنے روایت پرست، جعل ساز، کاذب مفتری اور غیر معتبر قرار دے دیا۔ اور آپ کے نزدیک اسلامی مورخوں میں سوائے علامہ ابن خلدون اور کچھ امام ابن تیمیہ اور امام غزالی اور بعض دیگر ائمہ کے سب کے سب جھوٹے اور کذّاب ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ اپنی کتاب کے لیے اتنا بڑا کام نہ کرتے۔ اب ذرا دیکھئے اپنے کو ناقد بنانے کے لیے آپ نے کیسے کیسے ائمہ علم و فن اور محدثین و مورخین کو بگاڑنے کی سعی فرمائی ہے اور آپ کی تحقیقی مار کہاں کہاں تک پہنچی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"تاریخ کا منشا روایات کا انبار لگانا نہیں ہے اور نہ یہ جو طبری، واقدی، مسعودی اور سیوطی وغیرہ نے اختیار کیا کہ جو روایت جہاں سے ملی ٹانک دی"۔ (ص۔۴۴)

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ، یہ محمّد بن سائب کلبی اور اس کا بیٹا ہشام اور اسی قماش کے دوسرے مفتری اور کذاب لوگوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کر دیا اور طبری جیسے لوگوں نے اپنے دلوں کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر ان مفتریوں اور کذابوں کا تمام سرمایہ امت کو گمراہ کرنے کے لیے جمع کر دیا۔ اور جو لوگ شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح حاطب اللیل ہیں، یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے کہ کچھ پتہ نہیں

چلتا کہ کام کی لکڑی آئی یا بیکار وزہر یلی، انھوں نے "تاریخ الخلفاء" جیسی کتابیں لکھ کر اخلاف کو اسلاف سے بدظن کرنے کا سامان فراہم کر دیا۔ اور یوں اکثر لوگوں کے فکرو نظر پر مکذوبہ روایتوں کے پردے پڑتے گئے"۔ (ص۔ ۴۷)

حضرت امام ابن جریر طبری کو دو جگہ کذاب و مفتری اور مریض قلب قرار دینے سے تسلی نہیں ہوئی تو مزید لکھا:۔

"ابن جریر طبری علامۂ وقت تھے، لیکن روایت پرستی کی بناء پر یا اپنے خاص مسلک کی وجہ سے ابو مخنف کی کتاب کا شاید کل مواد بغیر کسی تنقید کے نقل کر دیا، ان علامۂ زماں کا ارشاد ملاحظہ ہو فرماتے ہیں" الخ (ص۔ ۱۲۱)

ایک اور جگہ حضرت امام طبری کے بارے میں لکھا:۔

"اس عہد کی تاریخ کو مسخ کرنے والے یہی سبائی رواۃ اور سبائی مؤلفین ہیں جن کی وضعی روایتوں اور تالیفات کے اقتباسات کو سب سے پہلے مورخ طبری نے بلا کسی تنقید کے اپنی کتاب میں نقل کر دیا اور طبری سے اس کے بعد آنے والے مورخین نے"۔ (ص۔ ۲۳۹)

مزید فرماتے ہیں۔

"سانحہ کربلا کے اولین راوی و مؤلف کتاب "مقتلِ حسینؓ بن علیؓ" نے بیان کیا اور قدیم مورخین خاص کر طبری نے بغیر کسی تنقید کے اس طور سے نقل کر دیا ہے جس پر نقل راچہ عقل "کی مثال صادق آتی ہے"۔ (ص ۱۱۸، ۱۱۹)

حضرت امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ کو بار بار غالیوں، کذابوں اور مفتریوں کے زمرے میں شمار کیا ہے، مگر آگے چل کر بڑی جسارت سے ان کو کھل کر شیعی مورخ

بنا دیا۔ ملاحظہ ہو:۔

"طبری جیسے شیعی مورخ کا بھی یہ بیان ہے"۔(ص۔۲۷)

اس کے بعد ہے کہ:۔

"شیعی مورخ طبری نے بھی امیر یزید کے امیر الحج ہونے کا تذکرہ کیا ہے"(ص۔۳۰)

ایک جگہ لکھا ہے:۔

"طبری جیسے شیعی مورخ نے بھی لکھا ہے کہ الخ"۔(ص۔۲۳۴)

ایک اور جگہ ہے:۔

"اس قطعہ اشعار کو شیعہ مورخ طبری نے بھی درج کیا ہے"۔(ص۔۴۷)

"خلافت معاویہ و یزید" کے مؤلف نے حضرت امام ابنِ کثیرؒ صاحبِ "تفسیر ابن کثیر" اور "صاحب البدایہ والنہایہ" کو بھی نہیں بخشا اور ان کو بھی ان ہی ائمہ دین کے زمرے میں لانے کی کوشش کی ہے جن کو کذاب و مفتری اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"ایک اور علامہ وقت، مورخ و محدث ابن کثیر کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو،"

جنھوں نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا ہے کہ ابو مخنف کی روایتیں قابل اعتبار نہیں، لیکن ابن جریر طبری جیسے ائمہ نے چونکہ ان کو درج کر دیا ہے، اس لیے ہم بھی نقل کیے دیتے ہیں۔"(ص۔۱۴۳)

مؤلف نے اپنی کتاب میں جس جرأت و بہادری کا ثبوت دیا ہے اس کا تقاضا تھا کہ پہلے اسلامی تاریخ و روایت کا قصر معلی مسمار کر دیا جائے اور اس کے جتنے ستون ہیں ان کو ایک ایک کر کے گرا دیا جائے پھر اس کے ملبہ پر یہ نئی بنیاد ڈالی جائے۔ اسی

جرأت مندی نے ابو مخنف، محمد بن سائب کلبی، ہشام کلبی کے ساتھ ساتھ حضرت امام، محدث، فقیہہ، مورخ، مفسر، ابن جریر طبری جیسے عظیم المرتبہ مسلم امام اسلام کی شان میں گستاخی کی۔ امام مسعودی جیسے ثقہ اور مسلم مورخ کو مجروح قرار دیا اور امام حدیث اور مفسر و مورخ حضرت امام ابن کثیر دمشقی پر کیچڑ اچھالی اور امام جلال الدین سیوطی کو حاطب اللیل لکھا۔

آپ جیسے صرف ایک ہی مورخ و محقق کے لیے یہ کسی طرح زیبا نہیں کہ اپنی اسی کتاب کا اکثر و بیشتر حصہ آپ امام طبری کی تاریخ اور امام ابن کثیر کی "تاریخ البدایہ والنہایہ"، علامہ مسعودی کی "تنبیہ الاشراف" وغیرہ سے مرتب کریں اور اپنے مطلب کی تمام روایات کو بلا تکلف نقل کریں اور جہاں آپ کے مطلب کی بات نہ ملے یا آپ کے مزعومات سے ٹکراؤ ہو وہاں ان بزرگوں کو "غالی مصنف" "کذاب و مفتری و شیعہ" قرار دیں، اگر یہ کتابیں بقول آپ کے کذب و افتراء سے پر ہیں اور ان کے مصنفین "کذاب و مفتری اور شیعہ" ہیں تو آپ کو صرف علامہ ابن خلدونؒ، امام ابن تیمیہؒ اور امام غزالیؒ نیز ان جیسے بعض دیگر آئمہ کی کتابوں سے کام چلانا چاہیے تھا، کیا مزے کی بات ہے کہ ان آئمہ علم و فن کو آپ بری طرح مجروح بھی کرتے ہیں اور پھر ان ہی سے استدلال کر کے ان کی توثیق بھی فرماتے ہیں۔ البتہ جہاں آپ کا مفروضہ بگڑنے لگتا ہے وہاں ان بزرگوں پر مزید افترا پردازی کر دیتے ہیں۔ پھر بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ بعض جگہ آپ خاص طور سے ان بزرگوں کی تصدیق و توثیق فرماتے ہیں، مثلاً:۔

" مورخ ابی الحسن بن مسعودی متوفی ۳۸۶ھ جن کی دو تالیفات "مروج الذہب

اور "تنبیہ" باقی ہیں۔ بڑے پایہ کے مورخ اور امام فن تھے"۔ (حاشیہ ص۔ ۲، ۳۔)

آپ ان ہی امام مسعودی کو صفحہ ۴۴ پر غیر معتبر قرار دے چکے ہیں، اب یہاں پر یہی بڑے پایہ کے مورخ اور امام فن کیسے بتائے گئے؟

پھر اس سلسلہ میں مزید پر لطف بات یہ ہے کہ جن علامہ ابنِ خلدون کو آپ اسلام کا پہلا حقیقی مورخ گردانتے ہیں اور ان کی تقلید پر آپ کو پورا اطمینان ہے وہ ان بزرگوں کو فنِ تاریخ میں "امامتِ معتبرہ" اور فضیلت شہرت" کا مالک قرار دیتے ہیں، مگر آپ نے خیانت کرتے ہوئے علامہ ابنِ خلدون کی اس تصریح کو پیش نہیں کیا اور اسی سے متصل عبارت کو اپنے مطلب کے مطابق نقل کرکے خاموش ہوگئے۔ ناظرین کرام علامہ ابنِ خلدون کی تصریح ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ موصوف غیر معتبر راویوں اور مورخوں کی حالت بیان کرنے کے بعد معاً فرماتے ہیں:۔

والذین ذھبوا بفضل الشھرۃ والا مامۃ المعتبرۃ واستفرغوا دوا وین من قبلھم فی صحفھم المتاخرۃ ھم قلیلون لایکادون یجازون عدد الانامل ولا حرکات العوامل مثل ابن اسحاق، والطبری وابن الکلبی ومحمد ابن عمر الواقدی وسیف بن عمر الاسدی والمسعودی وغیرھم من المشاھیر. المتمیزین عن الجماھیر و ان کان فی کتب المسعودی والواقدی من المطعن والمغمز ما ھو معروف عند الاثبات ومشھورین الحفظۃ والثقات الا ان الکافۃ اختصتھم بقبول اخبارھم الخ"

(مقدمہ ابن خلدون ص ۳)

ترجمہ۔ "اور جو لوگ شہرت کی فضیلت اور امامت معتبرہ کے وارث ہوئے اور

انھوں نے اپنے پہلے لوگوں کی کتابوں کو اپنی پچھلی تصنیفات میں جمع کیا، وہ تعداد کے اعتبار سے بہت کم ہیں۔ جیسے مُحمّد ابن اسحاق، طبری، مُحمّد بن سائب کلبی، محمد بن عمر الواقدی و سیف بن عمر الاسدی، المسعودی اور دوسرے مشاہیر جو جمہور مورخین سے ممتاز ہیں۔ اگرچہ مسعودی اور واقدی کی کتابوں میں طعن و تعریض کی ایسی باتیں ہیں جو ثقہ لوگوں کو معلوم ہیں اور حفاظ و ثقات میں مشہور ہیں اس کے باوجود کافہ اہل علم نے ان کی روایات و اخبار کو خاص طور سے قبول کیا ہے"۔

اگر علامہ ابنِ خلدون پر آپ کو اعتماد ہے جیسا کہ آپ بار بار اس کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں تو پھر آپ کو کم از کم طبری، محمد بن سائب کلبی اور مسعودی کو معتمد اور ثقہ مورخ ماننا چاہیے، جب علامہ ابن خلدون جیسے تاریخی ناقد و مبصر نے ان بزرگوں کو فن تاریخ میں "شہرت کی فضیلت" اور "معتبر امامت و سیادت" کی سند دی ہے تو آپ کو ان پر اعتماد کر لینا چاہیے، جیسا کہ امام ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں امام طبری وغیرہ وغیرہ کی امامت و سیادت کا احترام کرتے ہوئے ان کی روایات کو درج کیا ہے اور آپ نے خود ہی اپنی کتاب کے صفحہ ۷ پر ان کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

ولولا ابن جرير وغيره من الحفاظ والائمة ذكروه ماسقته۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۰۳، ج ۸)

ترجمہ۔ "اور اگر ابن جریر طبری وغیرہ جیسے حفاظ حدیث و آئمہ تاریخ اس کو ذکر نہ کرتے تو میں بھی اسے بیان نہ کرتا۔"

مگر آپ جیسا جری ناقد و مبصر ان بزرگوں پر اعتماد کرنے میں علامہ ابن خلدون کی بات کو تسلیم کیا کرے گا، آپ تو امام ابن کثیر پر اس لیے طعن و تشنیع کر رہے ہیں کہ انہوں نے آئمہ تاریخ اور حفاظ حدیث کی روایتوں پر اعتماد کیا ہے) ملاحظہ ہو۔ (ص ۱۲۲)

مؤلف نے علامہ ابن خلدون کی امامت و ثقاہت واضح فرماتے ہوئے بڑی دل سوزی سے اس امر کا اظہار کیا ہے:۔

"تنہا وہی ایک مؤرخ ہیں جنھوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو اس معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین ورق (یعنی چھ صفحے) جو اس حادثہ کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فرد بشر کو چار دانگِ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے"۔(عرض مؤلف ص۔۸)

ان تین ورق کے غائب ہونے کا علم غالباً آپ کو ترجمہ تاریخِ ابن خلدون کے مترجم کی تصریح سے ہوا ہے جیسا کہ انھوں نے حاشیہ میں لکھا ہے:۔

"اس مقام سے مضمون تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم اور تاریخ الخلفاء و معارف ابن قتیبہ و عقد الفرید وغیرہا سے اخذ کیا گیا ہے۔ اصل کتاب میں تین ورق سادہ ہیں"۔ مترجم۔(حاشیہ ترجمہ تاریخ ابن خلدون ج ۵، ص۔۷۷)

اس کے بعد مترجم نے صفحہ ۷۷ اور صفحہ ۱۷۲ تک اضافہ کیا ہے۔ غالباً مؤلف نے اس کتاب کی اسی جلد میں صفحہ ۴۳ پر بھی "یزید کی ولی عہدی کے سلسلے میں مترجم کا یہ حاشیہ بھی دیکھا ہوگا:۔

"اصل کتاب میں اس مقام پر خالی جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ شارحین کی عبارت میں نے تاریخ کامل ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۳۵۴ سے ترجمہ کرکے لکھی ہے"۔(حاشیہ ص۔۴۳)

اس کے بعد مترجم نے صفحہ ۴۳ سے صفحہ ۵۰ تک اضافہ کیا ہے۔ نیز اس جلد میں صفحہ ۱۰ پر اصل کتاب میں جگہ چھوٹی تھی، مترجم نے اسے پر کیا ہے، اسی طرح صفحہ ۳۸ پر اصل میں جگہ خالی تھی اور مترجم نے "مروج الذہب" سے اضافہ کیا

ہے۔ اسی جلد میں صفحہ ۵۴ پر بیاض تھی جسے مترجم نے پر کیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ علامہ ابن خلدون نے اپنی بے نظیر تاریخ میں بعض مقامات پر بیاض چھوڑدی تھی۔ اس خیال سے کہ اس جگہ کو تحقیق و تلاش کے بعد پر کردیا جائے گا، مگروہ جگہ پر نہ ہو سکی، یہاں تک کہ ۸۰۸ھ میں ان کا انتقال ہو گیا اور ان کی تاریخ کے تمام نسخوں میں ان جگہوں پر بیاض ہی رہ گئی۔ جیسا کہ بہت سی کتابوں میں بیاض ہوتی ہے اور طبع کرتے وقت کچھ جگہ چھوڑ کر حاشیہ میں لکھ دیا جاتا ہے۔ "فی الاصل بیاض" یہ سمجھنا بڑی نادانی ہے کہ تاریخ ابن خلدون کے دنیا بھر کے نسخوں سے اوراق غائب کردیے گئے۔ علامہ ابنِ خلدون نے اپنی تاریخ لکھنے کے بعد مشرق کا سفر کیا۔ اور حج و زیارت ادا کرنے کے بعد مشرق کے ملوکِ عجم اور ترک ممالک کے حالات کو اپنی کتاب میں درج کیا۔ مقدمہ میں فرماتے ہیں:۔

"ثم كانت الرحلة الى المشرق(الى ان قال) فزدت مانقص من اخبارملوك العجم بتلك الديار و دول الترک فيما ملكوه من الاقطار و اتبعت بها ماكتبته فى تلك الاسطار." الخ (مقدمہ ص ۵)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ ابنِ خلدون نے تاریخ مرتب کرنے کے بعد مشرق کے ممالک کا سفر کیا اور اس کے بعد کتاب میں جگہ جگہ اضافہ کیا۔ کتاب میں اضافہ کرنے کے بعد اس کا ایک نسخہ علامہ ابنِ خلدون نے سلطان مغرب امیر المومنین ابوفارس عبدالعزیز مرینی کے کتب خانہ میں ہدیتہً پیش کیا۔ یہ کتب خانہ سلاطین بنی مرین کی طرف سے شہر فارس کی جامع قزوین میں طلبہ پر وقف تھا۔

اتحفت بهذه نسخة منه خزانة مولانا السلطان (الى ان قال) وبعثت الى خزانتهم الموقفة لطلبة العلم بجامع القزوين من مدينة فارس حضرة ملكهم

وکرسی سلطانھم لخ۔(مقدمہ ص۔۶)

اس مقام پر حاشیہ میں ہے کہ ایک مغربی نسخہ کی عبارت میں زیادتی ہے جس میں ہے کہ میں نے اس کتاب کو امیر المومنین ابویحییٰ ابو بکر (موحدین) کی خدمت میں پیش کیا اور یہ مغربی نسخہ ابو فارس کے کتب خانہ والے نسخے سے مختصر ہے۔ (حاشیہ ص۔۶۷۷)

ان باتوں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تاریخ ابن خلدون میں خود مصنف نے کچھ مقامات خالی چھوڑے تھے اور بعد میں اضافے کئے اور اس کا ایک نسخہ سلطان فارس کے کتب خانہ میں رکھا جو مغرب کے سب سے بڑے علمی مرکز فارس کی جامع قرویین میں طلبہ کے لیے وقف تھا، نیز اس کا ایک نسخہ سلاطین موحدین میں سے سلطان ابو بکر کی خدمت میں پیش کیا اور اس کے نسخوں میں بعض مقامات پر عبارتوں میں کمی زیادتی پائی جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی نسخے سے کسی نے کوئی حصہ نکال دیا ہوتا تو دوسرے نسخوں میں اس جگہ وہ عبارت ضرور ہوتی۔

واقعہ یہ ہے کہ تاریخ ابن خلدون کے بیاضات خود علامہ ابن خلدون کے ہیں۔ اور علامہ ان کو اپنی زندگی میں یا فرصت نہ پانے کی وجہ سے یا تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے ان کو پر نہ کر سکے۔

ایک طرف تو آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے متعلقین کے معاذ اللہ مثالب و معائب ثابت کرنے کے لیے بڑے بڑے اساطینِ علم و فن کو بری طرح مجروح قرار دے رہے ہیں، اور دوسری طرف یزید اور اس کے طرفداروں کے مناقب وفضائل کو اجاگر کرنے کے لیے گری پڑی بے اصل مجہول اور غیر معتبر کتابوں سے اور ان کے مصنفوں سے

بری طرح استفادہ کر رہے ہیں۔ یہ کون سی تحقیق ہے اور اس کا مطلب کیا لیا جائے گا؟

اس سلسلہ میں چند کتابوں کی نشاندہی بہت ضروری ہے۔ "الامۃ والسیاسۃ" کے متعلق آپ کا ارشاد بجا ہے کہ " الامۃ والسیاسۃ جیسی کتاب میں جو کہ غالی مؤلف نے شرارت سے امام الفقیہہ ابی عبداللہ بن مسلم بن قُتیبہ الدینوری متوفیٰ ۲۷۶ھ سے محض غلط منسوب کر دی ہے"۔(ص۔۱۵)

پھر اس لغو بے اصل اور غیر معتبر کتاب سے آپ جگہ جگہ "غالی مؤلف" کہہ کر اپنا مطلب نکالتے ہیں۔ کیا ایک محقق کے لیے کسی طرح اس کتاب کو دلیل میں لانا کسی حیثیت سے جائز ہے؟ جبکہ اس کے اندر نہایت بے سروپا باتیں درج ہیں اور واقعی یہ امام ابن قُتیبہ کی کتاب نہیں ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اس کے مصنف نے ان لوگوں سے استفادہ کیا ہے جو فتح اندلس ۹۲ھ میں موجود تھے۔ اور یہ کہ موسیٰ بن نصیر نے ہارون رشید کے زمانے میں مراکش کی جنگ کی، حالانکہ ابن قتیبہ کا انتقال ۲۷۶ھ میں ہوا۔ اور مراکش شہر ۴۵۴ھ میں سلطانِ مرابطین یوسف بن تاشقین کے زمانے میں آباد کیا گیا۔

"الامامہ والسیاسۃ" میں جب اس قسم کی غلط باتیں درج ہیں تو پھر اس سے استناد کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ خصوصاً آپ جیسے مورخ و ناقد کے لیے جو امام طبری و مسعودی و ابن کثیر وغیرہ تک کو غیر معتمد، کذاب و مفتری قرار دیتا ہے۔

آپ نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ ابو الفرج اصفہانی کی کتاب "الاغانی" سے استفادہ کیا ہے۔ معلوم نہیں "الاغانی" جیسی گانے بجانے اور قصہ کہانی کی کتاب کس طرح آپ کے نزدیک معتبر و مستند بن گئی، جبکہ اسے یہ حیثیت کسی طرح حاصل نہ ہونی چاہیے۔ اور امام خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ابو الفرج اصفہانی کو غیر ثقہ

قرار دیا ہے۔ کیا ان کو "غالی مصنف" کہہ دینے کے بعد اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

نیز آپ نے جگہ جگہ "العقد الفرید" سے بھی استفادہ فرمایا ہے۔ معلوم نہیں محاضرات و مسافرات اور ادبی و علمی غرائب و لطائف کی یہ کتاب آپ کے نزدیک تاریخِ طبری، تاریخ ابن کثیر، وغیرہ سے زیادہ معتبر کیسے قرار پا گئی؟

"کتاب المجر" اور اس کے مصنف کو آپ نے اپنے مطالب کے لیے خوب خوب استعمال کیا ہے اور ان کے بارے میں ایک حرف تنقید کا نہیں فرمایا، بلکہ ایک جگہ ان کی ثقاہت و اہمیت کو یوں واضح فرمایا ہے:۔

"علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب الہاشمی متوفی ۲۴۵ھ نے اپنی تالیف کتاب المجر میں"

(ص۔۷ ۱ ۳)

اس کے بعد کتاب میں حسب مطلب جگہ جگہ اس کتاب سے سند پکڑ کر اسے ثقہ و صحیح مانا ہے، حالانکہ کتاب المجر کے اندر جگہ جگہ اس کے مصنف کی شیعیت اور رفض نمایاں ہے اور ناشر نے اس کے مقدمہ میں بھی اسے واضح طور سے بیان کر دیا ہے۔ اہل سنت کے بڑے بڑے علماء کو آپ نے غالی مصنف، کذّاب و مفتری اس لیے گردانا ہے کہ ان کی تصریحات بعض جگہ آپ کے مفروضہ کے خلاف ہیں۔ اور "کتاب المجر" اور اس کے مصنف کو آپ نے اس لیے سینے سے لگا لیا ہے کہ اس میں آپ کے مطلب کی باتیں مل جاتی ہیں۔ کیا آپ جیسے کٹر محقق کے لیے ایسی کتاب کے بارے میں خاموش رہ کر استفادہ کرنا جائز ہے؟

امام قاضی ابو بکر بن عربی اندلسی مالکی کی کتاب "العواصم من القواصم" کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا حوالہ مورخ ابن خلدون نے اپنے شہرۂ آفاق "مقدمۂ تاریخ" میں ولایت العہد کی بحث کے سلسلہ میں دیا ہے۔ قاضی موصوف نے اپنی

اس تالیف میں ان اکاذیب کی پوری قلعی کھولی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کے مواقف و مشاہدات کے بارے میں وضع ہوئے۔ (حاشیہ۔ ۳۰۴)

جو مقدمہ ابن خلدون ہمارے پیش نظر ہے اس کے صفحہ ۱۸۱ پر علامہ ابن خلدون نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے، مگر کس موقع پر اور کس طرح؟ اسے بڑی چالاکی سے مؤلف چھپالے گئے ہیں کہ اس کے ظاہر کرنے میں ان کا گھروندا بگڑ جاتا۔ اور علامہ ابنِ خلدون کی تصریح سے جن کو وہ تمام مورخین سے مستند اور ثقہ قرار دیتے ہیں، ان کی کتاب کا سارا مضمون ہی بیکار ہو جاتا۔ ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:۔

وقد غلط القاضی ابو بکر بن العربی المالکی فی هذا فقال فی کتابه الذی سمّاه "بالعواصم والقواصم" مامعناه ان الحسین قتل بشرع جدّه وهو غلط حملته علیه الغفلة عن اشتراط الامام العادل ومن اعدل من الحسین فی زمانه فی امامة وعد الة فی قتال اهل الآراء. (مقدمه ابن خلدون ص۱۸۱)

ترجمہ۔ "اور قاضی ابو بکر بن عربی مالکی اس بارے میں غلطی پر ہیں۔ اور اپنی کتاب "العواصم والقواصم" میں اس مضمون کی بات لکھی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے نانا کی شریعت کی رو سے قتل ہوئے۔ ابن عربی کو اس غلطی پر امام عادل کی شرط کے بارے میں غفلت نے ابھارا ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اہل آراء سے جنگ کرنے کے بارے میں ان سے بڑھ کر اور کون شخص امامت و عدالت کا مستحق ہو سکتا تھا۔"

آپ تو حضرت حسینؓ کو باغی قرار دے کر ان کے قتل کو ان کی سزا بتا رہے ہیں اور سانحہ کربلا کے معاملہ میں سب سے زیادہ معتبر علامہ ابنِ خلدون رحمہ اللہ کو ہاں

رہے ہیں، اور قاضی ابو بکر بن عربی رحمہ اللہ کی کتاب کو بھی معیاری بتاتے ہیں، مگر علامہ ابن خلدون کی تصریح کی رو سے امام ابو بکر بن عربی اس مسئلہ میں غلطی پر تھے، جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے اسے صاف بیان کرکے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے شہیدِ مثاب اور برحق ہونے کی علی الاعلان گواہی دی ہے۔

آپ ان حقائق کو چھپا کر علامہ ابنِ خلدون اور امام ابو بکر بن عربی کو اپنا بڑا تسلیم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تحقیق نہیں بلکہ تدلیس و تزویر ہے۔

آپ نے رعب جمانے کے لیے اپنی کتاب کے ماخذوں کا ذکر کرتے ہوئے اتنی کتابوں کے نام گنائے ہیں، حالانکہ ان میں سے بہت سی ایسی ہیں کہ ان سے کتاب میں شاید ہی کسی جگہ مدد لی گئی ہو۔ مثلاً المنجد کا حوالہ اس کتاب میں بلاوجہ ہے۔ ایک جگہ کربلا کی تحقیق کے سلسلہ میں اس کا نام آیا ہے، اسی طرح مکاتیب شیخ الاسلام مدنی رحمہ اللہ کا ایک غلط حوالہ نقل کرکے اسے بھی ماخذوں میں شمار کرنا رعب جمانے ہی کے لیے ہے۔

اسی طرح بہت سی کتابوں کے نام صرف نام آوری اور پڑھنے والوں کو مرعوب کرنے کے لیے درج ہیں۔ تحقیق اور ریسرچ کا مزاج اس طرح کے پروپیگنڈے سے بہت دور ہوتا ہے اور اس سے خرابی ذہن کا پتہ چلتا ہے، نیز آپ جو کتاب میں جگہ جگہ اسلامی مورخوں سے ہٹ کر دے خوے، ڈوزی، گبن اور دوسرے غیر مسلم مستشرقین کا نام لیتے ہیں اور ان کی کتابوں اور انسائیکلو پیڈیا کے اقتباسات نقل کرتے ہیں، یہ بھی آپ کی تحقیق کا فیشن ہے اور روشن دماغی کا مظاہرہ ہے۔

کیا لطف کی بات ہے کہ جو شخص اپنے مورخوں اور اماموں کو غلط قرار دیتا ہے وہ یورپ کے متعصب مصنفوں کو حجت مانتا ہے۔ وہ بھی مسلمانوں کے باہمی اختلافات

کے سلسلے میں۔

ہم تاریخی روایات کو اخبارِ متواترہ اور اخبار صحاح نہیں کہتے بلکہ ان کو قابلِ نقد سمجھتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ بہت سے موّرخوں نے اپنے اپنے دور کے حالات کے مطابق تاریخ میں قطع و برید کی ہے اور بہت سے واقعات کو ان کے اصلی رنگ میں پیش نہیں کیا۔ اور اس میں واقعہ کربلا، صحابہ کرام کے مشاجرات اور بنوامیہ کے موافق و مخالف بیانات بھی بڑی حد تک شامل ہیں۔

مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اسلامی تاریخ و رجال کا سارا ناز خاک میں ملا دیا جائے اور مسلمانوں کے اس شاندار کارنامے کو ملیامیٹ کر دیا جائے، جس پر دنیا کے سارے مذاہب اور تمام اقوام رشک کر رہی ہیں۔

اس کتاب کا اصلی ماخذ

شیخ الاسلام امام تقی الدین احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ کی معرکہ آرا کتاب "منہاج السنۃ" چار جلدوں میں مصر میں چھپی ہے۔ آپ کے ایک معاصر شیعہ حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلی متوفی ۷۲۶ھ نے حضراتِ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم و رحمہم اللہ کے مطاعن و مثالب میں ایک کتاب لکھی تھی۔ امام صاحب نے نہایت محققانہ انداز میں ابن مطہر حلی کی کتاب کا رد لکھا ہے۔ اور اس کا بخیہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اس کتاب میں امام ابن تیمیہؒ نے مناظرانہ رنگ پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہیں تحقیقی جواب دیا ہے، کہیں الزامی جواب دیا ہے اور کہیں مخالف کے نظریہ کی بنا پر جواب دیا ہے۔ اس کتاب سے بھی مؤلف کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" نے بہت غلط طریقہ پر اپنے منشاء کے مطابق اقتباسات لیے ہیں۔

"منہاج السنۃ" کا مختصر خلاصہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے " المنتقی " کے نام سے لکھا ہے جو مصر میں شیخ محب الدین الخطیب کے حواشی اور مقدمہ کے ساتھ ۱۳۷۴ھ میں چھپا ہے۔ اس کتاب میں جگہ جگہ انہوں نے نوٹ اور حواشی کا اضافہ کیا ہے ان ہی حواشی کو مصنف نے اپنی کتاب کا اصل موضوع بنایا ہے اور بغیر نام بتائے اور کسی قسم کی نشاندہی کئے ان کی تمام کاوش کو اپنی علمی اور تحقیقی کاوش ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جب ہم نے "المنتقی" اور اس کے ان حواشی کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ " خلافتِ معاویہؓ و یزید " کے محقق مؤلف نے ان ہی حواشی کا ترجمہ اور چربہ لے لیا ہے۔

ہم ذیل میں چند مباحث کی نشاندہی کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ کتاب "خلافتِ معاویہؓ ویزید " کی خاص خاص باتیں جن کو مؤلف نے اپنی کاوش کا نتیجہ بتایا ہے۔ وہ "المنتقی" کے ان حواشی میں کہاں کہاں موجود ہیں۔ اور مصنف نے ترجمہ کرکے ان پر اپنا حق ظاہر کیا ہے۔ ان مقامات کو دونوں کتابوں سے نکال کر جس کا دل چاہے ملا لے۔

"خلافتِ معاویہؓ ویزید " کے مؤلف نے صفحہ ۳۴۴ اور صفحہ ۳۴۵ پر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر جو کچھ لکھا ہے وہ سب کا سب "المنتقی" کے حاشیہ صفحہ ۵۷ سے ماخوذ ہے۔

حضرت امام ابن تیمیہ نے سفینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "خلافة النبوة ثلاثون سنة " کو منہاج السنۃ میں جگہ جگہ بیان کیا ہے، مگر محشی نے ان کے علی الرغم اس میں کلام کیا ہے اور اسی کو ہمارے مؤلف نے نقل کر دیا ہے۔

صفحہ ۲۲۷ سے ۲۶۲ تک بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان قرابتوں کا بیان

"المنتقی" کے حاشیہ صفحہ ۱۸۶ اور ۱۸۷ کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امارت کے بارے میں مصنف نے جن اقوال و تصریحات کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ان تمام کا ماخذ "المنتقی" کے حواشی صفحہ ۲۹ سے اور صفحہ ۲۳۱ سے ۲۴۴ تک ہیں۔

یزید کی امارت کی اہلیت و قابلیت کے بارے میں مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے وہ "المنتقی" کے حاشیہ صفحہ ۲۸، ۱۸۱، ۲۰۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، کا چربہ ہے۔ نیز صفحہ ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵ کے حواشی سے یزید کے فضائل و کمالات کو نقل کیا ہے۔ جن میں کتابوں کے حوالہ جات کے ساتھ یہ تمام باتیں بیان کی گئی ہیں۔

ابو مخنف، محمد بن سائب کلبی، ہشام بن محمد کلبی وغیرہ کے بارے میں جو کچھ مصنف نے لکھا ہے اس کا ماخذ بھی "المنتقی" کے صفحہ ۲۱ اور ۳۱۸، ۳۱۹ کے حواشی ہیں۔

اس طرح کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" کی اکثر باتیں "المنتقی" کے ان ہی حواشی کا چربہ ہیں۔ نیز اسی محشی و ناشر نے قاضی ابو بکر بن العربی مالکی کی کتاب "العواصم من القواصم" اسی قسم کے حواشی کے ساتھ شائع کی ہے۔ مصنف نے ان حواشی سے بھی اس کتاب میں پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور ان دونوں کتابوں کے ان حواشی پر اپنی تحقیق و ریسرچ کی بنیاد رکھ کر دنیا کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ آپ نے پہلی مرتبہ ان مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ "العواصم من القواصم" کے مباحث اس کتاب کے آخر میں ملاحظہ ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ آپ نے دوسری کتابیں بھی مطالعہ فرمائی ہیں اور ان سے بھی کام لیا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ کی کاوش کا سارا دار و مدار ان ہی حواشی و تعلیقات پر ہے جو "المنتقی" اور العواصم" پر ہیں۔ کیا بہتر ہوتا کہ

اس کو ظاہر کرنے کے بعد آپ بھی وہی راہ اختیار کیے ہوتے جسے محشی نے اختیار کیا ہے اور جوشِ تحقیق میں افراط و تفریط میں مبتلا نہ ہوئے ہوتے۔

"المنتقی" مملکت سعودیہ عربیہ کے نفقہ پر طبع ہوئی ہے۔ اس کے محشی سلفی ہیں اور حکومت سعودیہ کے علمی کاموں میں حصہ لیتے ہیں، انہوں نے حواشی میں جو کچھ لکھا ہے اس میں بڑی حد تک ایک خاص نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے، پھر بھی انہوں نے سنجیدگی اور علمی و تاریخی حقائق کو برقرار رکھا ہے، اور نہایت فراخ دلی سے بنو امیہ کے اصل حالات معلوم کرنے کے سلسلے میں ہندی عالم علامہ شبلی نعمانیؒ کی کتاب "النقد علی التمدن الاسلامی" کی خدمات کو سراہا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ شیعوں کے جوشِ مخالفت میں انہوں نے بعض بعض مقامات پر علامہ ابن تیمیہ سے بھی دو قدم آگے جانے کی کوشش کی ہے، مگر اس گراوٹ کا کہیں مظاہرہ نہیں کیا جس کا ثبوت مؤلفِ کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" نے دیا ہے انہوں نے حضرات علی، حسن، حسین، ابن زبیر رضی اللہ عنہم پر کسی قسم کی کوئی تعریض نہیں کی ہے اور ان کے بارے میں مسلک اسلاف کو نہیں چھوڑا ہے۔

اگر آپ بھی ایسا کرتے تو ہم آپ کی خدمات کو سراہتے اور ساتھ دینے کی کوشش کرتے۔

جہالت و خیانت اور بدیانتی

غیر زبانوں کے ترجمے میں بڑے بڑے لوگوں سے غلطی ہو جاتی ہے اور ایسا سرزد ہو جانا علمی شان کے منافی نہیں ہے۔ بشرطیکہ ترجمہ جان بوجھ کر کسی خاص مطلب سے غلط نہ کیا جائے۔ اور کسی عبارت سے خواہ مخواہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اس کو تختۂ مشق نہ بنایا جائے۔

افسوس کہ کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" کے مؤلف نے متعدد مقامات پر، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ، جان بوجھ کر غلط ترجمہ کیا ہے اور اپنے استدلال میں زور پیدا کرنے کے لیے اس قسم کی بھی کمزوری دکھائی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی رحمہ اللہ کی ایک عبارت کا ترجمہ کس درجہ غلط کیا اور ایک لفظ کی تبدیلی سے کیا سے کیا معنیٰ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ متن اور ترجمہ دونوں کتاب کے صفحہ ۴ سے پیش ہیں:۔

"ہر روز دائرہِ سلطنتِ او لاسیما بعد تحکیم تنگ ترشدن گرفت، تاآنکہ درآخربجز کوفہ وما حول آن برائے ایشان صافی نماند"

یعنی۔ ان کی سلطنت کا دائرہ ہر روز خاص کر ثالثی کے بعد زیادہ تنگ ہوتا گیا یہاں تک کہ آخر میں سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس کے اور کچھ ان کے لیے باقی نہ رہا۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مخالفین کی وجہ سے تحکیم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فضا عام طور سے ناساز گار ہو گئی اور صرف کوفہ اور اس کے آس پاس کی فضا ان کے حق میں صاف رہی اور مکدّر نہیں ہوئی۔" مگر مصنف نے ترجمہ فرمایا ہے کہ "سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس کے اور کچھ ان کے لیے باقی نہ رہا۔" آپ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تسلّط اور عمل دخل صرف کوفہ اور اس کے آس پاس رہ گیا تھا، اور پورا عالم اسلام حضرتِ معاویہ کا ہو گیا تھا۔ آپ نے یہ گل بڑی چالاکی اور خوب صورتی کے ساتھ لفظ" صافی" کا ترجمہ " باقی" کر کے دکھلایا ہے۔

ایک جگہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی منہاج السنتہ سے ایک عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے۔ (ص ۴)

فان الثلاثة اجتمعت الامة علیهم فحصل بهم مقصود الامامة

یعنی۔ تینوں خلفاء نے پوری امت کو اپنے اوپر مجتمع کر لیا تھا اور اس امامت کا مقصد حاصل ہو گیا تھا۔

یہ ترجمہ بھونڈا اور مکتبی ہونے کے علاوہ غلط ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے۔

"تینوں خلفاء پر امت نے اجتماع و اتفاق کیا۔"

اس کے الٹنے کی وجہ غالباً یہ بتانا ہے کہ پچھلے خلفاء نے خود اپنے لیے مسلمانوں کو مجتمع و متفق کیا۔ بخلاف خلیفہ چہارم کے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے پر مجتمع و متفق نہ کر سکے۔ گویا یہ کام خلفاء کا تھا جسے آخری خلیفہ نہ کر سکے۔ دیکھئے ترجمہ کو الٹ کر کیا مطلب لینے کی کوشش کی گئی ہے اور کیسا الزام رکھا گیا ہے۔

ایک جگہ "الامامۃ والسیاست" کے حوالہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ایک فقرہ نقل کیا ہے اور اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ (ص ۱۵)

ان ابی کان یحدثنی ان معاویة سیلی الامرالخ.

"اور میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہ خلافت پر ضرور فائز ہو جائیں گے۔"

"سیلی الامر" کا ترجمہ "خلافت پر ضرور فائز ہو جائیں گے" مبالغہ آمیز ہے۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی زبان سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حتمی اور ضروری سمجھتے تھے، حالانکہ "سیلی الامر" کا ترجمہ ہے "جلد امارت کے مالک ہوں گے۔" مگر اس ترجمہ میں مصنف کے ذوق کے مطابق شدت پیدا نہیں ہوتی، عنقریب امیر ہونے اور خلافت پر ضرور فائز ہونے میں بڑا فرق ہے۔

نیز اسی صفحہ ۱۵ پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان کے والد حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

وان علیاً ابی کان یقول لاتکرھوا امارۃ معاویۃ فانکم لوفارقتموہ لرایتم الرؤس تندرعن کواہلھا کالحنظل.

ترجمہ۔ "اور میرے والد علیؓ فرماتے تھے کہ معاویہ کی امارت (یعنی امیر المومنین ہونے سے) تم کراہیت کرنا۔ کیونکہ تم نے اگر ان کو بھی گنوادیا تو دیکھوگے کہ مونڈھوں پر سے حنظل کی طرح دھڑا دھڑ سر کٹ کٹ کر گریں گے"۔

اس ترجمہ میں ایک تو "امارت" کی تشریح، امیر المومنین ہونے سے کی گئی ہے جو مصنف کے مطمح نظر کی رعایت سے ہے، ورنہ امارت کا مفہوم "امیر ہونا" عام ہے۔ دوسرے "لوفار قتموہ" کا ترجمہ "اور تم نے اگر ان کو بھی گنوادیا" کیا گیا ہے، حالانکہ اس کا صاف ترجمہ یہ ہے "اگر تم لوگ ان سے جدا ہوئے" مگر "گنوا دیا" لکھ کر حضرت معاویہ کی امارت کی اہمیت اور اس کے مقابلہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ وغیرہ کی اس کی طرف شدّت احتیاج ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس قسم کی باتیں ذمہ داری اور دیانت داری کے خلاف ہیں۔ اور جن کی عبارت کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے ان کے مفہوم میں تحریف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ چند مثالیں دیدہ ودانستہ غلط ترجمہ کرنے اور اپنے مطلب میں زور پیدا کرنے کے لیے اصل عبارتوں کے غلط مطالب لینے کی ہیں، جو سرسری طور سے جمع کردی گئی ہیں، اس قسم کی حرکتیں کتاب میں اور بھی ہیں۔

ایک بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ کتاب "خلافت معاویہؓ ویزید" کے محقق بہت سی عربی عبارتوں کو سمجھنے سے قاصر رہ گئے ہیں، جس کی بنا پر بے چارے نے غلط ترجمہ کیا ہے، یا ایسا ترجمہ کردیا ہے کہ نہ خود سمجھیں نہ دوسرا سمجھ سکے۔

ایک موقع پر یزید کو خلافت و امارت کے بعد بھی " امیر المومنین " لکھنے کے بیان میں حضرت ابو الحارث لیث بن سعد فہمی کا مقولہ نقل کر کے قاضی ابو بکر بن العربی کی یہ عبارت درج کی اور اسی کا ترجمہ یہ کیا ہے (ص ۲۴۰)

فسماہ اللیث امیر المومنین بعد ذھاب ملکھم وانقراض دولتھم

ترجمہ۔ (یعنی حضرت لیث ان کو (یزید کو) اس وقت بھی امیر المومنین کہتے تھے جب ان کی حکومت چلی گئی، اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی)۔

مؤلف کی عبارت اور ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابو الحارث اللیث بن سعد الفہمی کو نہیں سمجھے، یہ امام اہل مصر فی الفقہ والحدیث حضرت امام لیث بن سعد مصری صاحب الامام الشافعی رحمہ اللہ متوفی ۱۷۵ھ ہیں اور امام ابو بکر بن العربی کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ امام لیث بن سعد جن کی وفات دولت و خلافت اموی کے تقریباً ۴۵ سال بعد ہوئی وہ بھی امویوں کی خلافت و دولت کے زوال و انقراض کے اتنے بعد تک یزید کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کرتے ہیں، مگر مصنف کو اسلوب نگارش کا پتہ نہ چل سکا، اور "ملکھم" اور "دولتھم" کی ضمیر کو بجائے امویوں کے یزید کی طرف لوٹا دی، اور ترجمہ بھی انتہائی مدلسانہ کیا۔

صفحہ ۲۷۵ پر تین اشعار مع ترجمہ کے درج ہیں۔ تیسرا شعر اور اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

ولست لھم وان عتبوا مطیعاً حیاتی او یغیبنی التراب.

ترجمہ۔ (ان عتاب کرنے والوں سے اس کا کیا واسطہ کہ میری زندگی ان کی اطاعت میں گذرتی ہے، یا مٹی مجھے غائب کر دیتی ہے۔)

یہ ترجمہ غلط ہونے کے علاوہ نہایت احمقانہ ہے، صحیح ترجمہ یہ ہونا چاہیے۔

" میں اپنے ملامت گروں کا، اگرچہ وہ مجھ پر عتاب نازل کریں، مطیع و فرمان بردا

اپنی زندگی بھر نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ مٹی اپنے اندر مجھے چھپا لے"۔

"لست لھم مطیعاً کے درمیان "وان عتبوا" جملہ معترضہ ہے، اور اس کا واوٗ وصلیہ ہے، اور "حیاتی" کا لفظ "لست" کے لیے مفعول فیہ زمانی ہے، اور "او" کا لفظ "الیٰ ان" کے معنی میں ہے، مطلب بالکل صاف ہے، مگر ہمارے محقق کو کچھ پتہ نہ چلا، اور ایسا ترجمہ کیا کہ نہ وہ سمجھے نہ ہم۔اسی طرح صفحہ ۲۱۷ پر ایک شعر اوراس کا ترجمہ یوں ہے۔

و ما رست الرجال ومارسونی فمعوج علیّ ومستقیم

"میں نے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی۔ اور لوگوں نے میری اصلاح کی، تو کسی کو میں نے کج رو پایا، اور کسی کو راہ راست پر"

یہاں پر ہمارے محقق نے "مارست" کا ترجمہ "اصلاح کرنا کیا ہے" حالانکہ اس کے معنی معاملہ، تجربہ، مشق وغیرہ کے ہیں، اور اس کا مطلب یہ ہے، کہ "میں نے لوگوں سے تعلقات پیدا کیے، لوگوں نے میرا تجربہ کیا، آزمایا، اس کے نتیجے میں کچھ میرے بارے میں کج رو ہیں اور کچھ راہ راست پر ہیں۔"

صفحہ ۴۲۴ پر یزید کی تعریف میں فضالہ بن شریک شاعر کے دواشعار نقل کر کے ان کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ بلاشبہ مصنف اور ہم سب کے سر دھننے کے قابل ہے، ملاحظہ ہو:۔

اذا ماقریش فاخرت بطریفها فخرت بمجد یا یزید تلید.

ترجمہ: قریش جب اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے لگیں تو اے یزید تم جوا باً کہہ دو بمجد (عن جد) بزرگی رکھتے ہو (اپنی بزرگی پر فخر کرو۔)

یہاں پر طریف اور تلید کا مطلب ہی سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی یا جان بوجھ

کر یزید کے ذاتی فضائل ثابت کرنے کے لیے یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ طریف نئے مال اور ذاتی دولت و ثروت کو کہتے ہیں اور تلید پرانے مال اور خاندانی ثروت کو، محاورہ ہے کہ "ماله طريف ولاتليد" یعنی اس کے پاس نیا پرانا کوئی مال نہیں ہے، یعنی نہ ذاتی اوصاف و کمالات ہیں، نہ خاندانی مجد و شرافت ہے، اس شعر کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ "جب قریش کے لوگ اپنے ذاتی کمالات پر فخر کریں تو تم اے یزید اپنے قدیم اور آبائی مفاخر پر فخر کرو"۔ چونکہ اس ترجمہ میں یزید کے آبائی مناقب و مفاخر کا بیان تھا، اور ذاتی کمالات کی طرف اشارہ نہیں تھا، اس لیے ہمارے خیال میں جان بوجھ کر غلط ترجمہ کیا گیا ہے۔

دوسرا شعر اور اس کا ترجمہ یوں درج ہے۔

بمجد امير المومنين ولم يزل   ابوک امين الله جدّرشيد

(امیر المومنین ہونے کی بزرگی پر اور اس بات پر کہ تمہارے والد اللہ کے (بوجہ کاتب وحی ہونے کے) امین تھے اور تمہارے دادا قائد دانشمند تھے"۔ اس ترجمہ کو اشعار سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی مترجم نے شاید شعر کو کچھ بھی سمجھا ہے، صحیح ترجمہ یوں ہونا چاہیے:۔

"اور وہ مجدِ تلید جس پر تم فخر کرو گے وہ امیر المومنین ہی کا یعنی آپ ہی کا مجد و شرف ہے، جو سمجھ دار آدمی کا حصّہ ہے، اور آپ کے والد اللہ کے امین بن کر رہے"۔

یہ "**بمجد**" پہلے شعر کے "**بمجد**" کی توضیح و تفسیر اور بدل کے طور پر ہے، اور "امیر المومنین" مضاف الیہ ہے، مراد خود یزید کی ذات ہے، اور **لم يزل ابوک امين الله** "بیچ میں جملہ معترضہ ہے اور "جدِ رشید" صفت یا بدل "یا توضیح ہے، بمجد امیر المومنین کی، "جدّ" کے معنیٰ یہاں حصّہ اور نصیب کے ہیں، دادا نانا نہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ جس عالم و محقق کو عبارت فہمی میں اس طرح کی دشواری پیش آتی ہو، اور جو عربی اشعار اور عبارتوں کے مطالب و معانی غلط سمجھتا ہو اس کی کسی معمولی تصنیف و تالیف پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے چہ جائیکہ "خلافتِ معاویہ و یزید" جیسی کتاب پر اعتماد کیا جائے، جو بقول مصنف اور بزعم خود بعض اسلامی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہے، اس موضوع پر تو علم و قلم اور عقل و قلب کو بہت زیادہ توجہ دینے اور فہم و فراست کو ہشیار و بیدار رکھ کر کام کرنے کی ضرورت تھی۔ معلوم نہیں مؤلف نے کن کن نازک جگہوں پر عبارتوں کے سمجھنے میں غلطی کی ہو گی، اور اسی کے مطابق لکھا ہو گا۔ جہاں اصل عبارت اور ترجمہ آمنے سامنے ہے وہاں تو مقابلہ و تصحیح کی کوشش ہو سکتی ہے، مگر جہاں آپ نے اپنی تحقیق و تدقیق پر کلی اعتماد سے کام لیا ہے وہاں تو بڑی دشواری ہو گی۔

خاص طور سے اردو داں عوام کے لیے یہ کتاب بہت مہنگی پڑے گی، اگر وہ مصنف کی علمیت و قابلیت پر اعتبار و اعتماد کر کے اس کا مطالعہ کریں گے۔ افسوس کہ اس اعتبار سے بھی مصنف نے یہ کتاب لکھ کر کوئی خاص کام نہیں کیا، بہت سی موٹی موٹی کتابوں کے نام کی فہرست دے کر اپنے ماخذوں پر اطمینان دلانا اسی وقت معتبر ہو گا جبکہ ان کے سمجھنے اور ان سے اخذ کرنے کی پوری صلاحیت بھی ہوتی۔

باقی رہا کتاب میں مورخوں اور محدثوں کی کتابوں میں قطع و برید کرنے، درمیان سے عبارت حذف کرنے، عبارتوں کو غلط انداز میں پیش کرنے، علماء پر الزام عائد کرنے اور اقتباسات و حوالہ جات میں بڑی دلیری اور جرأت سے خیانت کرنے کا معاملہ تو ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کتاب میں کم از کم سو میں پچہتر حرکتیں اسی قسم کی ہیں، اور مؤلف نے بڑی جسارت سے علماء و محدثین کے ساتھ خیانت کا معاملہ کیا ہے،

اور یہ ہماری پوری کتاب ہی اس کی دلیل ہے، اور آئندہ قدم قدم پر ایسی ہی حرکتوں کا انکشاف ہوگا۔ اس کتاب میں زیادہ زور اسی پر دیا گیا ہے، اور اسی قسم کی خیانتوں کی نشاندہی کی گئی ہے، مگر اس قسم کی خیانتوں کی نشاندہی صرف اردو، فارسی، اور عربی کی ان کتابوں تک محدود ہے جو عام طور سے پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، اور اہل علم کے پاس موجود ہیں۔ مؤلف نے جن مغربی مستشرقین اور انگریزی مراجع و مآخذ کو استعمال کیا ہے، ان کو ہاتھ نہیں لگایا ہے، حالانکہ ہمیں یقین ہے کہ اگر اردو فارسی اور عربی کی کتابوں میں ۷۵ فیصد خیانت کی گئی ہے تو انگریزی کتابوں میں اس سے زائد خیانت ہوگی اور ان کے اقتباسات و تراجم اور مطالب و معانی میں بڑی دلیری اور صفائی سے قطع و برید کیا گیا ہوگا، کیونکہ یہ کتابیں نسبتاً کم پڑھی جاتی ہیں اور عام طور سے لوگ ان کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ اگر کوئی صاحب ذوق انگریزی جاننے والا اس کتاب کے انگریزی ماخذوں کی تحقیق کرے تو مؤلف کی حرکتوں کا ظہور ہو جائے گا، کیونکہ جو شخص عام کتابوں میں اس طرح جرأت دکھا کر قطع و برید کرتا ہے، وہ غیر معروف و کم استعمال کتابوں میں کیسے چوک سکتا ہے، مؤلف نے جگہ جگہ یہ بھی کیا ہے کہ اگر ایک کتاب کی عبارت ان کے مطلب کے خلاف ہے تو اسی کی اپنے مطلب کی عبارت کو کسی دوسری کتاب کے حوالے سے نقل کر دیا تاکہ دیکھنے والے کو معلوم ہو کہ مؤلف بے چارے کے سامنے اصل کتاب نہیں تھی، اس لیے جتنی عبارت مل سکی انہوں نے نقل کر دیا۔ اس کی ایک مثال "جہاد قسطنطنیہ" کے بیان میں صفحہ ۲۳ سے مل سکتی ہے، جس میں مؤلف نے "فتح الباری شرح بخاری" کی ادھوری عبارت، حاشیہ بخاری کے حوالے سے درج کی ہے، حالانکہ ان کے مآخذ و مطالعہ میں "فتح الباری" بھی ہے، اور انہوں نے اس سے جگہ جگہ (مثلاً صفحہ ۸۹ وغیرہ میں) اس کا حوالہ بھی دیا ہے، مگر جہاد قسطنطنیہ میں اس

کا حوالہ دینے کے بجائے حواشیِ بخاری کا حوالہ دے دیا، حالانکہ مؤلف کو ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، جبکہ وہ اصل کتابوں کی عبارتوں میں قطع و برید کر کے نقل کر دینے کے عادی ہیں۔

ایک اور مجرمانہ حرکت یہ بھی ہے کہ مؤلف جس کتاب کو غیر معتبر و غلط قرار دیتے ہیں اسی سے اپنے لیے استدلال کرنا واجب سمجھ کر اپنے منشا کو ثابت کرتے ہیں، اور جب اس میں خلاف منشا بات آجاتی ہے تو اسے "غالی" کے "مہمل" لفظ سے نواز دیتے ہیں، یہ بھی کرتے ہیں کہ ایک کتاب سے ایک مسلسل واقعہ بیان کرنے میں جب کوئی بات خلاف منشا آجاتی ہے تو دوسری کتاب معتبر یا غیر معتبر کا حوالہ دے دیتے ہیں، اور پھر پہلی کتاب کی عبارت شروع کرتے ہیں، اس قسم کی بہت سی لغویتیں اس کتاب میں موجود ہیں، اور ذرا غور کرنے کے بعد پڑھنے والے کے سامنے آجاتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کا دورِ خلافت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ہر طرح ناکام ثابت کرنا مؤلف کا پہلا کام تھا، انہوں نے لکھا ہے:۔

"حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب سبائی لیڈر مالکُ الاشتر اور اس کے ساتھیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کرنی چاہی آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے منع کیا، اور متنبّہ کیا۔ مگر افسوس کہ حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا عاقلانہ مشورہ قبول نہ فرمایا، اور بیعت لے لی، یہ بیعت چونکہ باغیوں اور قاتلوں کی تائید اور اصرار سے ہوئی تھی، اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ظلماً اور ناحق قتل کر کے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی، نیز قاتلین سے قصاص جو شرعاً واجب تھا، نہیں لیا گیا تھا، اور نہ قصاص کے لیے جانے کا کوئی امکان رہا تھا، کیونکہ باغی اور قاتل اور اس گروہ کا بانی مبانی عبداللہ بن سبا سبائین کے گروہ میں نہ صرف شامل، بلکہ سیاست وقت پر اثر انداز رہے، اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے گریز کیا، اس لیے بیعت خلافت مکمل نہ ہو سکی"۔ (ص۔ ۲)

یہ کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" کی بسم اللہ ہے، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے ضدّی اور ہٹ دھرم اور عاقلانہ مشورہ نہ قبول کرنے والا بتایا گیا ہے، نیز بتایا گیا ہے کہ ان کی خلافت صرف سبائیوں اور باغیوں کی وجہ سے قائم ہوئی اور اس کی بنیاد قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ پر رکھی گئی، خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص

کے لیے تمام امکانات ختم کردیئے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر سبائی گروہ خلافت پر قابض و دخیل تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے، اس پوری عبارت کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے سے مؤلف کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جذبہ کا پتہ چلتا ہے، اور ان کے دل کی ایک ایک تصویر ان الفاظ میں رقص کرتی نظر آتی ہے۔

مؤلف نے خیانت سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب "ازالۃ الخفاء" سے عبارت نقل کی، اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ حضرت شاہ صاحب بھی مؤلف کے ہمنوا ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب نے پہلے وہ دلیل بیان کی، جس کی بنیاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد تسلیم کیا جاتا ہے، اور حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیعت نہ کرنے کو ان کی خطائے اجتہادی بتایا، پھر ان حضرات کے بیعت نہ کرنے کا جو شبہ تھا اسے شاہ صاحب نے بیان کیا ہے۔

"خلافت برائے علی مرتضیٰ قائم نہ شد" الخ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۷۹)

مگر مؤلف نے ان حضرات کے اس خیال کو شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے سمجھ کر نقل کر دیا، اور دھوکہ دینا چاہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ میرے ہی خیالات نہیں ہیں، بلکہ شاہ ولی اللہ بھی اسی کے ہمنوا ہیں۔

مؤلف اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ان اہلِ حل وعقد کو جس میں اکابر صحابہ کی جماعت شامل تھی حضرت علی کی ذات سے کوئی مخالفت نہ تھی، اور نہ ان کے خلیفہ منتخب ہونے پر کسی قسم کا اعتراض تھا۔ یہ حضرات انتخاب و بیعتِ خلافت میں سبائی گروہ کی دراندازیوں کو مصالح ملیہ کے خلاف

سمجھتے تھے، اس لیے امت کی بھاری اکثریت نے بیعت نہیں کی الخ۔ (ص ۲)

اس میں بھی مؤلف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غلط کار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ کہہ کر کہ " اکابر صحابہ سبائی گروہ کی دراندازیوں کو مصلح ملیّہ کے خلاف سمجھتے تھے۔" بتانا چاہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سبائیوں کی دست درازیوں کو مصالح ملیّہ کے مطابق سمجھ کر ان کے ہاتھ میں کھیل رہے تھے، اور ان کی خلافت سراسر سبائی گروہ کی خلافت تھی، حضرت علیؓ اپنی غلطی یا مجبوری کی وجہ سے ان میں پھنس گئے، اور چھوٹ نہ سکے، اور ان کا پورا دور سخت ناکام گیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

" حضرت موصوف کی یہ خطائے اجتہادی تھی یا بے بسی اور مجبوری، نتیجہ یہ ہوا کہ بخلاف حضرات خلفائے ثلاثہ جن کی بیعت پر تمام امّت مجتمع تھی، اتحاد و اتفاق تھا، کفار کے مقابلہ میں جہادی سرگرمیاں تھیں، بڑے بڑے ملک فتح ہوئے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہ کوئی جہاد ہوا، نہ کوئی ملک وشہر فتح ہوا (ص ۳) نہ ملت ان کی بیعت پر مجتمع ہوئی، آپس ہی میں تلواریں چلتی رہیں۔" (ص ۴)

مؤلف نے پوری کتاب میں جو جو بے ہودگیاں، غلط بیانیاں کی ہیں، ان کو ایک طرف رکھا جائے اور ذیل کی چند سطریں ایک طرف رکھی جائیں، تو ان کا پلہ سب پر بھاری ہوگا، دریدہ دہنی، بدعقیدگی اور گستاخی کی انتہا ان سطروں پر ختم ہے، اور شاید ہی کوئی جری سے جری خارجی بھی ان کے کہنے کی جراءت نہیں کر سکتا، ہم ان سطروں کو مؤلف کی پوری کاوش کا خلاصہ اور نتیجہ سمجھتے ہیں:۔

" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی، امّت کی بہت بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں تھی، ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے تھے وہ بڑی جمعیّت رکھتے تھے، ان کے قبضے میں ملک تھے، اور لاکھوں انسانوں کی

حمایت انہیں حاصل تھی، پھر ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو، جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھائے تو پھر امیر یزید جو متفق علیہ خلیفہ تھے، جن کا پرچم عالم اسلام پر لہرا رہا تھا، جن کی بیعت میں سینکڑوں صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباس، نیز حسین کے بھائی حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) جیسی مقتدر (ص ۱۷۹) و مقدس ہستیاں داخل تھیں وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تلوار اگر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجۂ وجیہہ رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہما کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے، اور اس ہودج پر تیر برسائے جا سکتے ہیں، جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہو، اور ماں بھی وہ جو حجت دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہو تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی، جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے انہیں خلیفہ بنایا جائے۔" (ص ۱۸۰)

ان چند جملوں میں مؤلف نے پورا زہر استعمال کیا ہے اور یہ باتیں ثابت کرنی چاہی ہیں۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کامل و مکمل بیعت نہیں تھی، بلکہ ان کے خلاف جو لوگ تھے وہ ان کے موافقین سے زیادہ تھے۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اپنی تلوار کھینچی، اور ان پر وار کیا، یہ جملہ نہایت ہی زہریلا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر شرمناک افتراء ہے، جس کے لیے دین و دیانت کے ساتھ ساتھ واقعات سے بھی آنکھ بند کرنا پڑتی ہے۔ کوئی کٹر خارجی بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

(۴) حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ وہ اپنے کو فرزندِ علی رضی اللہ عنہ اور رسول ﷺ کا نواسہ ہونے کی وجہ سے خلافت کا حقدار قرار دیتے تھے، نہایت ہی سنگین ہے، ان حضرات کے بارے میں اس طرح کی بات ان قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے جو صحابہ کے بارے میں موجود ہیں۔

مؤلف نے علامہ ابن تیمیہ کی ایک عبارت کو اپنے اس مقصد کے لیے استعمال کیا ہے اور ان کے مقصد و منشاء کے خلاف ان کی عبارت کا مطلب اپنے ذوق کے مطابق لینا چاہا ہے۔

اب آئیے، ہم بتائیں کہ مؤلف نے اپنی کتاب میں جن علمائے اسلام سے استشہاد کر کے ان کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی ہے، ان کا مسلک کیا ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کس حقیقت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ اور آپ کیا باور کرانا چاہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تصریحات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" کے مقصد اوّل کی فصل اوّل کو خلافت عامہ (خاصہ نہیں) کے بیان سے شروع فرمایا ہے، اور خلافت عامہ کی تعریف وغیرہ بیان کرنے کے بعد خلافت عامہ کے منعقد ہونے کے چوتھے طریقہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"واین دو نوع است، یکے آنکہ مستولی مجتمعِ شروط باشد، و صرف منازعین کند، و بصلح و تدبیر و غیر ارتکابِ محرمی وایں قسم جائز است ورخصت، وانعقاد خلافتِ معاویۃ بن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰؓ و بعد صلح امام حسنؓ بہمیں نوع بود الخ۔"

ترجمہ:۔ (اس چوتھے طریقے کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم یہ ہے کہ استیلاء کرنے والا خلافت کی شرطوں کو جامع ہو، اور بغیر کسی ناجائز امر کے صرف صلح اور تدبیر سے مخالفوں کو مزاحمت سے باز رکھے، یہ قسم عند الضرورت جائز ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اور حضرت امامِ حسن کے صلح کر لینے کے بعد اسی طرح سے ہوا تھا۔ الخ۔)

یہاں پر حضرت شاہ صاحب نے اہل سنّت والجماعت کے مسلک کو واضح الفاظ میں بیان فرما کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافتِ عامہ کو بیان فرمایا ہے، اور ان کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مان کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو انعقاد خلافت کے چوتھے طریقے کی رو سے خلیفہ عام تسلیم فرمایا ہے۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"واہل علم تکلّم کردہ اند در آنکہ خلافتِ حضرت مرتضیٰ بکدام طریق از طرقِ مذکورہ واقع شد، مقتضائے کلام اکثر آنست کہ بہ بیعتِ مہاجرین و انصار کہ در مدینہ حاضر بود ند خلیفہ شدند، واکثر نامہ ہائے حضرت مرتضیٰؓ کہ باہلِ شام نوشتہ اند شاہد این معنیٰ است۔"

ترجمہ:۔ (اہل علم نے اس بات میں کلام کیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت چار مذکورہ طریقوں سے کس طریقہ پر واقع ہوئی، اکثر علماء کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ ان مہاجرین اور انصار کے بیعت کر لینے سے خلیفہ ہوئے جو مدینہ میں موجود تھے، اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے اکثر وہ خطوط جو آپ نے اہلِ شام کو لکھے، اس پر شاہد ہیں۔)

اس قول کو حضرت شاہ صاحب نے راجح قرار دیتے ہوئے پہلے بیان فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت عامہ کے انعقاد کو مدینہ منوّرہ کے مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے بیعت کرلینے کی وجہ سے قرار دیا، اور اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطوط سے فرمائی، اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے اس بارے میں علماء کے ایک گروہ کا دوسرا قول نقل فرمایا ہے، جس میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت عامہ کا انعقاد بذریعہ شوریٰ ہوا۔

مقصد اوّل کی فصل اوّل کے خاتمہ پر شاہ صاحب حاصل کلام کے طور پر فرماتے ہیں:-

"وچوں معنیٰ خلافت و شروط خلیفہ، وآنچہ متعلق است بخلافت دانستہ شدہ وقت آں رسید کہ بہ اصل مقصد عود کنیم۔ اثباتِ خلافتِ عامہ برائے خلفائے اربعہ اعلیٰ بدیہیات است، چوں مفہوم خلیفہ و مشروط اورا در ذہن تصور نمائیم واز احوالِ خلفاءِ اربعہ انچہ مستفیض شدہ تذکرہ فرمائیم، بالبداہتہ ثبوت و شروط خلافتِ ایشان وظہورِ مقاصد خلافت باکمل وجہ در ایشان ادراک کردہ می شود، اگر خفائے در ثبوتِ خلافتِ ایشان ہست باعتبار اخذِ معانی دیگر است در مفہوم خلافت، چنانکہ شیعہ عصمت ووحیِ باطنی در امام شرط می کند، والّا وجود اسلام و عقل و بلوغ وحریت وذکورت، وسلامت اعضاء وقریشیت درین بزرگان محلِ بحث عاقلے نمی تواند بود وہیچ عاقلے انکار نمی تواند کرد کہ مقابلہ اہل رِدّت وفتحِ بلادِ عجم، وبلاد روم ومدافعت جیوش کسریٰ وقیصر بتدبیر وامر ایشان بودہ است، وفی ہذا کفایتہ لمن اکتفیٰ، الخ۔"

ترجمہ: "جب خلافت کے معنیٰ اور خلیفہ کی شرطیں اور خلافت کے متعلقات معلوم ہو چکے تو اب وہ وقت آگیا کہ ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کریں، خلفاء اربعہ کے لیے خلافت عامہ کا ثابت ہونا اعلیٰ بدیہیات سے ہے، کیونکہ جب ہم خلیفہ کا مفہوم اور اس

کی شرطیں ذہن میں لاتے ہیں، اور خلفائے اربعہ کے حالات پر جو بسند مستفیض معلوم ہوئے ہیں، نظر ڈالتے ہیں تو بدیہی طور پر خلافت کی شرطوں کا ان میں پایا جانا اور خلافت کے مقاصد کا اکمل طور پر ان سے ظاہر ہونا واضح ہو جاتا ہے، اور کسی طرح کا خفا باقی نہیں رہتا اور اگر خلفائے اربعہ کی خلافت کے ثبوت میں کوئی پوشید گی ہے تو وہ خلافت کے مفہوم میں معنیٰ مذکورہ کے علاوہ دوسرے معانی شامل کرنے کی وجہ سے ہے، جیسا کہ شیعہ عصمت اور وحیِ باطنی کو امام کے لیے شرط کرتے ہیں، ورنہ اسلام اور عقل اور بلوغ اور حریت، اور ذکورت اور سلامتی اعضاء اور قریشیت کا ان بزرگوں یعنی خلفائے اربعہ میں پایا جانا کسی عاقل کے لیے محلِ بحث نہیں ہو سکتا، اور نیز کوئی دانشمند اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مرتدوں سے جنگ کرنا، اور بلاد عجم اور بلاد روم کو فتح کر لینا، اور کسریٰ و قیصر کے لشکروں کو شکست دینا انہیں خلفاء کی تدبیر اور انہیں کے حکم سے ہوا ہے۔ اور کفایت کرنے والے کے لیے اس قدر کافی ہے، الخ۔"

شاہ صاحب کے اس بیان میں کہیں بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نہ حرف گیری ہے، نہ اس کا کوئی ادنیٰ شائبہ ہے، اور نہ ہی ان کی خلافت کی ناکامی و نامرادی کا کوئی ذکر ہے، بلکہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کی پوری ترجمانی ہے۔

مگر، "خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید" کے مؤلف نے شاہ صاحب کی اسی کتاب سے اپنے منشاء کے مطابق عبارتیں نقل کر کے ثابت کرنا چاہا ہے کہ شاہ صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قیام کے منکر تھے، ان کی خلافت کا دائرہ صرف کوفہ اور اس کے اطراف تک محدود تھا، اور وہ اپنے اقدام پر ہمیشہ افسوس فرماتے رہے، حالانکہ صورت یہ ہے کہ شاہ صاحب نے کتاب میں جگہ جگہ ان کے دور کے فتنوں اور ہنگاموں کا تذکرہ فرمایا ہے، اور ان سے پیدا ہونے والے ابتلاء کو واضح کیا ہے، مگر مؤلف

نے شاہ صاحب کی ان ہی عبارتوں کو لے کر اس طرح استدلال کیا ہے، جیسے شاہ صاحب بھی اس کے ہم نوا ہیں، مؤلف نے حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہی حرکت کی ہے، اور ان کی عبارتوں کو جو کسی خاص واقعہ اور مسئلہ سے متعلق ہیں، اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

علامہ ابن خلدونؒ کی تصریحات

علامہ ابنِ خلدون رحمہُ اللہ کو مؤلف کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" نے بڑی اہمیت دی ہے اور ان کو فن تاریخ کا امام مانا ہے اور اس معاملہ میں ان کو منفرد تسلیم کیا ہے۔ ہم ان کا پورا بیان نقل کرتے ہیں، چونکہ عبارتیں بہت طویل ہیں، اس لیے ہم ان کو نقل نہیں کرتے، اور صرف ان کے ترجمے پر اکتفا کرتے ہیں، جس کا جی چاہے ترجمہ کو اصل عبارت سے ملا لے۔

علامہ ابنِ خلدون مقدمہ میں "الفصل الثلاثون فی ولایۃ العھد" کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ ہے کہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت لوگ مختلف شہروں میں متفرق تھے، اس لیے بیعت علی رضی اللہ عنہ میں حاضر نہ ہوسکے، اور جو لوگ حاضر تھے ان میں کچھ نے بیعت کی اور کچھ نے توقف کیا، یہاں تک کہ لوگ مجتمع ہو کر کسی امام پر اتحاد و اتفاق کریں، جیسے سعد رضی اللہ عنہ، سعید رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ، فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ، اور ان حضرات جیسے

دوسرے اکابر صحابہ اور جو لوگ مختلف امصار میں تھے وہ بھی علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے ہٹ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے دَم کی طلب میں پڑے، اور ان حضرات نے معاملہ کو پراگندہ چھوڑ دیا، یہاں تک کہ کسی کو بھی والی بنانے کے لیے مسلمانوں کے درمیان شوریٰ منعقد ہو جائے، اور ان لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے سکوت کرنے کو ان کی طرف سے نرمی کا گمان کیا، نعوذ باللہ غفلت اور دیر کا گمان نہیں کیا، چنانچہ معاویہؓ بھی جب علی رضی اللہ عنہ کو اپنی سرزنش کرتے تو اسے فقط علیؓ کے دمِ عثمانؓ پر سکوت ہی کی بنا پر کرتے، اس کے بعد یہ حضرات مختلف الرائے ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ ان کی بیعت منعقد ہو چکی ہے اور اس پر ان لوگوں کے مجتمع ہونے کی وجہ سے جو دار نبی ﷺ اور وطنِ صحابہ یعنی مدینہ میں موجود تھے، میری بیعت ان لوگوں پر لازم ہو گئی ہے، جو اس سے رہ گئے ہیں، اور دمِ عثمانؓ کے مطالبہ کے امر کو لوگوں کے اجتماع اور اتفاقِ کلمہ تک ٹال دیا کہ ایسا ہونے کے بعد وہ اس کام کو کر سکیں گے۔

دوسرے لوگوں نے سمجھا کہ ان کی بیعت منعقد نہیں ہوئی، کیونکہ اہل حل و عقد صحابہ آفاق میں پھیلے ہوئے ہیں، اور قلیل لوگ ان کی بیعت میں حاضر ہوئے ہیں، اور بیعت کا انعقاد اہلِ حل و عقد کے اتفاق سے ہوتا ہے اور ان کے علاوہ لوگوں کو منعقد کرنے یا ان ہی میں سے قلیل تعداد کے منعقد کرنے سے بیعت منعقد نہیں ہوئی، انہوں نے سمجھا کہ اس وقت مسلمان منتشر ہیں، اس لیے وہ پہلے دمِ عثمانؓ کا مطالبہ کر رہے ہیں، اس کے بعد کسی امام پر متحد و متفق ہوں گے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا، زبیر رضی اللہ عنہ، ان کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ ان کے صاحبزادے مُحمّد رضی اللہ عنہ

سعد رضی اللہ عنہ، سعید رضی اللہ عنہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ اسی خیال کی طرف گئے اور جو صحابہ ان حضرات کی رائے پر تھے اور مدینہ میں علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں شریک نہ ہوئے، یہ سب بھی اسی طرف گئے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، مگر یہ کہ ان حضرات کے بعد لوگوں نے (اہل العصر الثانی من بعدھم) علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے انعقاد پر، تمام مسلمانوں پر اس کے لازم ہونے پر، اور ان کی رائے کے صحیح ہونے پر اور معاویہ اور جو اُن کی رائے پر تھے، خصوصیت کے ساتھ طلحہؓ اور زبیر جنہوں نے علیؓ کی بیعت کرنے کے بعد توڑ دیا تھا ان سب کی طرف سے خطا کے متعیّن ہونے پر اتفاق کیا، اور ساتھ ہی ہر دو فریق سے گناہ کی نسبت کو دفع کیا، جیسا کہ مجتہدین کا معاملہ ہوتا ہے اور یہ اہلِ عصر ثانی کی طرف سے اہل عصر اوّل کے دو اقوال میں سے ایک قول پر اجماع ہو گیا، جیسا کہ معروف و مشہور ہے، ایک مرتبہ علی رضی اللہ عنہ سے جمل اور صفّین کے مقتولوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا" قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ان لوگوں (فریقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میں سے جو اس حال میں مرے گا کہ اس کا دل پاک ہو گا، وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا"۔ اس قول کو طبری وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

پس تمہارے نزدیک ان میں سے کسی کی عدالت کے بارے میں ریب اور شک نہ ہو، اور نہ ہی تمہارے نزدیک اس معاملہ میں سے کسی میں قدح و برائی ہو، کیونکہ تم جان چکے ہو کہ وہ کون لوگ ہیں، ان کے اقوال و افعال مستندات ہیں، اور ان کی عدالت اہل السنتہ کے نزدیک مسلّم اور مفروغ عنہ ہے، مگر معتزلہ کا ایک قول ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا، اس قول کی طرف اہل حق میں سے کسی نے توجہ نہیں کی، اور نہ اس کی طرف رخ کیا، اور جب تم انصاف

کی آنکھ سے دیکھو گے تو عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف میں تمام لوگوں کو معذور سمجھو گے، اور تم کو معلوم ہو گا کہ یہ ایک فتنہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے امت کو مبتلا فرمایا تھا۔ (مقدمہ ص-۱۷۸، ۱۷۹)

ہم نے ترجمہ میں شدت احتیاط سے کام لیا ہے، اور عبارت آرائی سے بچتے ہوئے لفظی ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ ابنِ خلدون کی اس تفصیل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف اور ان کی نیت کے بارے میں اعتدال و استقامت کی جو رائے ملتی ہے وہ علامہ ابنِ خلدون جیسے ناقد محتاط اور مورخِ ذی ہوش کا حق ہے، خوب یاد رکھئے کہ یہ کسی اصولی اور متکلم کی رائے نہیں ہے، بلکہ ایک مورخ اور ناقد کی رائے ہے، بتائیے اس میں کسی جگہ سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حرف گیری کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہے؟ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کوئی نقض ہے؟

امام ابن تیمیہؒ کی تصریحات

علامہ ابن تیمیہ رحمہُ اللہ کی یہ تصریحات ہم ان کی کتاب منہاج السنۃ کے مختصر "المنتقیٰ" سے پیش کر رہے ہیں، جسے علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے مرتب فرمایا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کے بارے میں تصریح فرماتے ہیں:۔

فهذه بيعة على امتنع منها خلق من الصحابة والتابعين من لا يحصيهم الا الله تعالى فذالک قادح فی امامته و مذهب اهل السنة ان الامامة تنعقد

عندهم بموافقة اهل الشوكة الذين يحصل بهم مقصود الامامة وهو القدرة والتمكين، ولهذا يقولون من صارله قدرةوسلطان يفعل به مقصود. الولاية فهو من اولى الامر، المامور بطاعتهم مالم يامروا بمعصية الله فالامامة ملك وسلطان برة كانت اوفاجرة والملک لا يصير ملكا بموافقة ثلاثة اواربعة ولهذا لمّا بويع على وصار ـ معه شوكة صار اماما (ص۵۸)

ترجمہ:- " یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت جس سے صحابہ اور تابعین میں سے اتنے لوگ رکے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کو کوئی شمار نہیں کر سکتا، تو کیا یہ بات ان کی امامت کے لیے قادح ہے؟ اہلِ سنّت کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک امامت وخلافت ان اہل شوکت کی موافقت سے منعقد ہوتی ہے جن سے امامت کا مقصود حاصل ہوتا ہو، یعنی قدرت اور تمکین ہو، اس لیے اہلِ سنّت کا قول ہے کہ جس کے لیے قدرت اور سلطنت ہو جائے" کہ وہ اس کے ذریعہ ولایت وامامت کا مقصد پورا کرنے لگے تو وہ اولی الامر میں سے ہے، جن کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ اللہ کی معصیت کا حکم نہ کریں، پس امامت ملک اور طاقت ہے، نیک ہو یا بد ہو، اور ملک تین یا چار آدمیوں سے ملک نہیں ہو سکتا، اس لیے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی گئی اور شوکت ان کے ساتھ ہو گئی تو وہ امام وخلیفہ ہو گئے"۔

اس تصریح میں امام ابن تیمیہ رحمہُ اللہ نے اہلِ سنّت والجماعت کے مسلک کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت کو ہر طرح کامل و مکمل تسلیم کیا ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے، آگے چل کر شہادتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے

میں پانچ اقوال نقل کئے ہیں، اور تیسرے قول کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وقالت طائفة ثالثة بل علی هو الامام وهو مصيب فی قتال من قاتله كطلحة والزبير وهم مصيبون بناء علیٰ ان كل مجتهد مصيب كقول ابی الهذيل والجبائی وابنه وابن الباقلانی واحد قولی الاشعری وهم لايجعلون معاويةمجتهداًمصيباً.
(ایضاً ص ۵۹)

ترجمہ:۔ "اور تیسرے گروہ نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امام و خلیفہ ہیں، اور جن لوگوں نے ان سے قتال کیا، جیسے طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے قتال کرنے میں صواب و حق پر ہیں، اور وہ لوگ بھی صواب و حق پر ہیں۔ اس بنا پر کہ سب کے سب مجتہد مصیب ہیں، جیسا کہ ابو الہذیل الجبائی، اس کے بیٹے اور ابن باقلانی کا قول اور امام اشعری کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے، اور یہ لوگ حضرت معاویہ کو بھی مجتہد مصیب نہیں مانتے۔"

امام ابن عبد البر اندلسیؒ کی تصریحات

امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ المعروف ابن عبد البر قرطبی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ رحمہ اللہ اندلسی علماء میں بہت بڑے محدث و حافظ حدیث ہیں، جن کا ذہن و دماغ اموی اور ہاشمی آویزشوں سے پاک تھا، اور جن کی کتاب "الاستیعاب فی معرفة الاصحاب" کو مؤلف کتاب خلافت معاویہؓ ویزید نے بھی "صحابہ کرام کے حالات کی معتبر کتاب" قرار دیا ہے (ص ۲۱۶)

اور پانچویں نمبر کا ماخذ قرار دیا ہے۔

ان ہی علامہ عبد البر نے اسی کتاب میں حضرت علیؓ کے حال میں لکھا ہے:۔

بویع لعلی رضی اللّٰه عنه بالخلافة یوم قتل عثمان رضی اللّٰه عنه واجتمع علی بیعته المهاجرون والانصار، وتخلف عن بیعته منهم نفر فلم یهجوهم،ولم یکرههم وسئل عنهم فقال اولئک قوم قعدوا من الحق ولم یقوموا مع الباطل وفی روایة اخری اولئک قوم خذ لوا الحق ولم ینصروا الباطل، و تخلف ایضاً عن بیعته معاویة ومن معه فی جماعة اہل الشام فکان منهم فی صفین بعد الجمل ماکان تغمد اللّٰه جمیعهم بالغفران"(الاستیعاب ج۲ ص۴۸۹)

ترجمہ :۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی بیعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ہی کرلی گئی اور آپ کی بیعت پر مہاجرین اور انصار متفق و مجتمع ہوئے، اور آپ کی بیعت سے ان میں سے چند آدمی رہ گئے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ ان کی ہجو کی، اور نہ ہی ان پر دباؤ ڈالا، اور جب ان کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا تو کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حق سے تو بیٹھ رہے، مگر باطل کے ساتھ کھڑے نہیں ہوئے اور ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے حق کو رسوا کیا، مگر باطل کی مدد نہیں کی، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور جو لوگ اہل شام کی جماعت سے ان کے ساتھ تھے، رہ گئے، اور ان کی طرف سے جمل کے بعد صفین میں جو کچھ ہوا، اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رحمت میں چھپالے"

صحابہ کرام کے حالات کی معتبر کتاب کی یہ تصریحات اہل علم و تحقیق کے نزدیک نہایت معتبر ہیں۔

بیعت و خلافت کامل و مکمل تھی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، علامہ ابن خلدون، امام ابن تیمیہ اور امام ابن عبدالبر اندلسی رحمہم اللہ جن کو مؤلف "کتاب معاویہؓ و یزید" حجت مانتے ہیں، ان کی تصریحات سے معلوم ہو چکا ہے کہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت عامہ ہو گئی اور مدینہ کے انصار و مہاجرین کے بیعت کر لینے سے خلیفہ کا تقرر ہو گیا، جیسا کہ اس سے پہلے خلفائے ثلاثہ کا انتخاب و تقرر بھی اہل مدینہ ہی کے اتفاق و اجتماع سے ہوا تھا، اور اس طرح ایک خلیفہ کے منتخب و مقرر ہو جانے کے بعد دوسرے کا انتخاب غلط تھا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کے بعد جو سب سے پہلا خطبہ دیا اس میں اسی حقیقت کو بیان کیا:-

ایها الناس بایعتمونی علیٰ مابویع علیه من کان قبلی، وانما الخیارقبل ان تقع البیعة فاذا وقعت فلا خیار،وانما علی الامام الاستقامة،وعلی الرعیة التسلیم، وان هذه بیعة،من ردها رغب عن الاسلام. (الاخبار الطوال ص۱۴۳طبع مصر)

ترجمہ- "اے لوگو! تم نے میری بیعت ان ہی باتوں پر کی ہے جن پر مجھ سے پہلے حضرات کی بیعت کی گئی ہے، بیعت ہو جانے سے پہلے انتخابِ امام و خلیفہ میں اختیار تھا، اور جب بیعت ہو چکی تو اب یہ اختیار باقی نہیں رہا، اب تو امام کے ذمہ استقامت اور عوام کے ذمہ تسلیم و رضا ہے، اور جو آدمی اس بیعت کو رد کرے گا وہ اسلام کی راہ سے بے راہ ہو گا۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی حقیقت کو اس وقت بھی بیان کیا جب ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ سے فلاں فلاں گذارش کی، مگر آپ نے توجہ نہ فرمائی۔

" اما انتظاری طاعة جمیع الناس من جمیع الآفاق فان البیعة لاتکون الا لمن حضر الحرمین من المها جرین والا نصار، فاذا رضواً وسلموا وجب علی جمیع الناس الرضا والتسلیم."(الاخبار الطوال طبع مصر ص ١٣٧)

(ترجمہ۔) " رہا میرا انتظار کرنا کہ پوری دنیا سے تمام لوگ میری اطاعت کر لیں، تو ایسا نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بیعت صرف ان مہاجرین وانصار سے مکمل ہوجاتی ہے جو حرمین میں موجود ہیں، جب ان حضرات نے اسے تسلیم کرکے اپنی رضامندی ظاہر کردی تو اب، تمام لوگوں پر تسلیم ورضا واجب ہے"

پھر اسی بات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کو بار بار یاددلایا اور لکھا۔ ہے کہ حرمین کے مہاجرین وانصار نے میری بیعت کر لی ہے، اور ان کی بیعت کرلینے کے بعد خلیفہ کا انتخاب ہو گیا، تم لوگ بھی میری بیعت میں داخل ہو جاؤ، بیعت سے پہلے انتخاب کا حق حاصل تھا، مگر جب بیعت مکمل ہو گئی تو اب اختلاف کا حق باقی نہیں رہا، اور اب تسلیم ورضا ضروری ہے، جیسا کہ پہلے تین خلفاء کے بارے میں ہو چکا ہے۔

انصار ومہاجرین اور عامۃ المسلمین نہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت وخلافت کو تسلیم کرتے تھے، بلکہ ان کے خلاف فتنہ برپا کرنے کو غلط قرار دیتے

تھے، اور دل سے اسے بُرا سمجھتے تھے، مگر ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث تھیں جن میں ان کو فتنوں سے بچنے کی تلقین کی گئی تھی، اور کلمہ پڑھنے والوں پر تلوار اٹھانے کی سخت ممانعت کے ساتھ آپس کے اختلافات میں گھر میں بیٹھ رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ مورخ ابو حنیفہ دینوری کا بیان ہے:۔

"ثم ان علیاً رضی اللہ عنہ اظھرانہ یرید السیرالی العراق.فوافاہ الناس الا ثلاثہ نفر سعد بن ابی وقاص،وعبد اللہ بن عمر بن الخطاب، ومحمد بن مسلمة الانصاری (ایضاً ص۱۴۲)

(ترجمہ)۔ " بیعت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو تمام لوگوں نے ان کی موافقت کی، البتہ تین حضرات سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تیار نہ ہوئے۔"

علامہ دینوری نے صاف طور سے لکھا ہے کہ مدینہ کے تمام انصار و مہاجرین حضرت علی اللہ عنہ کا ساتھ دے کر عراق جانے کے لیے تیار ہوئے، صرف تین حضرات نے اس سے معذرت کی، وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام و خلیفہ تسلیم کرتے ہوئے صرف فتنہ سے بچنے کی وجہ سے، چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق جانے کی تیاری کی اور لوگوں میں اس کا اعلان کر کے ساتھ چلنے کی تلقین کی، تو یہ تینوں حضرات تشریف لائے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے فرمایا کہ:۔

"قد بلغنی عنکم ھنات کرھتھالکم" (آپ لوگوں کی طرف سے میرے پاس کچھ

نامناسب باتیں پہنچی ہیں، جنہیں آپ لوگوں کے لیے ناپسند کرتا ہوں)۔

یہ سن کر حضرت سعد نے فرمایا کہ:۔

" قدما کان بلغک فاعطنی سیفاً یعرف المسلم من الکافر حتیٰ اقاتل به معک."

(اگر آپ کو یہ بات پہنچی ہے تو آپ مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلمان اور کافر میں تمیز کرے تاکہ میں اس سے آپ کے ساتھ رہ کر جنگ کروں۔)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:۔

انشدک اللّٰہ ان تحملنی علی مالا اعرف"

(میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ مجھے اس چیز پر محمول نہ کریں جسے میں خود نہیں جانتا)۔

اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:۔

ان رسول اللّٰہ امرنی ان اقاتل بسیفی ما قوتل به المشرکون، فاذا قوتل اہل الصلوٰۃ ضربت به صخر احد حتیٰ ینکسر،وقد کسرته بالا مس. (اخبار الطوال ص۱۴۴)

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنی تلوار سے اس وقت تک لڑوں جب تک اس سے مشرکوں سے جنگ کی جائے، اور جب نماز پڑھنے والوں سے جنگ کی جائے تو میں اسے جبلِ اُحد کے کسی پتھر پر ماروں تاکہ ٹوٹ جائے، میں نے کل اپنی تلوار توڑ دی ہے۔"

اس کے بعد یہ حضرات وہاں سے چلے گئے اور اسامہ بن زید تشریف لائے، اور فرمایا:۔

اعفنی الخروج معک فی هذا الوجه فانی عاهدت اللّٰہ ان لا اقاتل من یشهد ان لا الٰہ الا اللّٰہ (ص ۱۴۵)

(ترجمہ) "ایسی صورت میں آپ مجھے اپنے ساتھ نکلنے سے معاف کیجئے، کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد وپیمان کیا ہے کہ کلمہ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہیں کروں گا۔"

ان میں دو مہاجرین میں سے تھے جنہوں نے طبقہ مہاجرین کے ترجمان کی حیثیت سے گفتگو کی، پھر جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق کے لیے نکلنے لگے تو انصار کے اعیان و اشراف حاضر ہوئے۔

اجتمع اشراف الانصار فاقبلوا حتی دخلوا علیٰ علی.

"انصار کے اعیان و اشراف جمع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے"

طبقہ انصار کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت عقبہ بن عامر بدری انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا:۔

یا امیر المومنین ان الذی یفوتک من الصلوٰۃ فی مسجد رسول اللّٰہ والسعی بین قبرہ و منبرہ اعظم مما ترجو من العراق فان کنت تسیر لحرب اهل الشام فقد اقام عمر فینا وکفاہ سعد زحف القادسیة. وابوموسیٰ زحف الا هواز ولیس من هولاء رجل الا ومثله معک والرجال اشباہ والایام دول.

(ترجمہ) اے امیر المومنین! یہ جو مسجد نبوی ﷺ میں آپ کی نماز اور آپ کے منبر و قبر کے درمیان چلنا پھرنا فوت ہوگا۔ اس کا مرتبہ اس سے زیادہ ہے، جس کی

عراق میں آپ کو اُمید ہے، اگر آپ اہل شام سے جنگ کے لئے جا رہے ہیں تو حضرت عمرؓ مدینہ میں ہمارے اندر تھے اور ان کی طرف سے سعدؓ نے قادسیہ اور ابو موسیٰ نے اہواز کا مورچہ سنبھالا تھا آپ کے پاس بھی ان جیسے آدمی ہیں آدمی ایک دوسرے جیسے ہوتے ہیں اور زمانہ آتا جاتا رہتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "مال اور آدمی عراق میں ہیں اور اہل شام کی اچھل کود ہو رہی ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ شام سے قریب رہوں"

خلافت اسلامیہ کے انعقاد کے بعد بھی جن چند حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی، آپ نے ان کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا، نہ ان پر سختی کی، نہ بیعت کے لیے مجبور کیا، حالانکہ خلیفہ ہو جانے کے بعد آپ کو اس کا حق حاصل تھا، بلکہ صرف اتنا فرمایا:۔

اولئک قوم قعدوا من الحق ولم یقوموا مع الباطل(استیعاب ج۲ص۴۸۱)

(ترجمہ) "یہ لوگ حق کی مدد سے بیٹھ رہے، مگر باطل کی حمایت میں کھڑے نہیں ہوئے"

اس سے جانبین کے دلوں کی صفائی اور وسعت قلبی معلوم ہوتی ہے، اور ان میں اختلاف و تشاجر کے بجائے اعتماد و محبّت کا یقین ہوتا ہے۔

حضرات طلحہ و زبیر و معاویہ رضی اللہ عنہم اور اہلِ شام کا اقرار

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا وہم و گمان نہیں تھا کہ معاویہؓ اور اہل شام میری بیعت سے الگ ہیں اور نہ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے یہ خیال تھا کہ وہ میرے مخالف ہیں، بلکہ ان دونوں حضرات اور ان جیسے بعض دوسرے حضرات کے بارے میں خیال تھا کہ کسی امرِ دینی کی وجہ سے فی الحال انہوں نے بیعت نہیں کی ہے اور بعد میں کر لیں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہونے کے بعد جب پہلا موسم حج آیا تو حضرات طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کے امیر ہونے کی حیثیت سے ان سے حج کی اجازت طلب کی، آپ نے ان کو اجازت دی۔

وحضر الموسم فاستاذن الزبير و طلحه علياً فى الحج فاذن لهما. (الاخبار الطوال ص۱۴۳)

(ترجمہ)۔ اور موسمِ حج آیا تو زبیر رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حج کی اجازت چاہی اور آپ نے ان کو اجازت دی۔ "کیا معلوم تھا کہ مکہ جانے کے بعد صورت حال کچھ اور ہی ہو جائے گی، اور معاملہ دوسرا رنگ اختیار کرلے گا، بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد خلافت کے کاموں کو سکون و اطمینان سے انجام دینا اور مختلف بلاد و امصار میں عمّال مقرّر کرنا شروع کیا۔ اسی سلسلہ میں شام پر سہل بن حنیف کو عامل بنا کر روانہ فرمایا، جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی سے لے کر عہد عثمانی (اٹھارہ انیس سال) تک عامل رہ چکے تھے، سہل شام کے ارادے سے نکلے، اور جب تبوک میں پہنچے جو شمالی سرحد ہے، تو:۔

استقبله خيل المعاوية فردوه فانصرف الى علی، فعلم علی رضی الله عنه عند ذلک ان معاوية قد خالف، وان اهل الشام بايعوه.
(الاخبار الطوال ص۱۴۲، ۱۴۳)

(ترجمہ) "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سواروں نے ان کو روکا، اور واپس کیا، چنانچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس چلے آئے، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ معاویہ نے ان کی مخالفت کی ہے، اور اہل شام نے ان سے بیعت کرلی ہے۔"

واقعہ صفین سے پہلے ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ السلام یا امیر المومنین ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت کے مقابلہ میں اپنی امامت و خلافت کے الفاظ سن کر اس آدمی سے فرمایا:-

وعليک من انت اللهابوک فقد روعتنی بتسليمک علی بالخلافة قبل ان انالها فقال انا الحجاج بن خزيمة بن الصمة. (الاخبار الطوال ص۱۵۶)

(ترجمہ) وعلیک السلام، تم کون ہو؟ تم نے میرے خلافت پانے سے پہلے ہی مجھے خلافت کا سلام (السلام علیک یا امیر المومنین) کر کے الجھن میں ڈال دیا، اس نے کہا: میں حجاج بن خزیمہ بن صمہ ہوں۔

حجاج بن خزیمہ نے اثنائے گفتگو میں یہ بھی کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کو آپ کا غصہ

ہی راضی کر سکتا ہے، اور وہ شام چھوڑ کر صرف عراق کی حکومت پر راضی نہیں ہو سکتے، اور آپ تو عراق چھوڑ کر صرف شام کی حکومت پر راضی ہو سکتے ہیں۔ اس کی ان باتوں کو سن کر حضرت معاویہ کو بڑا رنج ہوا:۔

فضاق معاویه بما اتاه به الحجاج بن خزیمةذوعا (اخبار الطوال ص۱۵۷)

(ترجمہ) "حجاج بن خزیمہ کی ان باتوں سے معاویہ منقبض ہو گئے۔"

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہر طرح کامل و مکمل اور بیعت صحیح نہیں تھی تو ان کے بد مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھلا اپنے ایک آدمی سے اس طرح کی بات فرما سکتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کو کامل و مکمل تسلیم کر کے ہی ان سے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرتے تھے، اور ان کا تمام تر اعتراض اس معاملہ میں تاخیر کے باعث تھا، اور اسی نقطہ نظر سے وہ گفتگو کرتے تھے، اس میں خلافت و بیعت کا کوئی انکار نہیں تھا، جیسا کہ علامہ ابن خلدون مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

ولقد كان معاويه اذا صرح بملا مة انما يوجهها عليه في سكوته فقط. (۱۶۹،۱۶۸)

(ترجمہ) "جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر صریح ملامت کرتے تو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دمِ عثمان رضی اللہ عنہ سے سکوت پر ہی محمول کرتے، اور اسی کو وجہ قرار دیتے"

خود شام میں عبّاد و زہّاد اور ان کے ہم نواؤں کا ایک بڑا طبقہ تھا، جو علی الاعلان حضرت علی کو خلیفہ برحق تسلیم کر کے ہر طرح ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار تھا، چنانچہ

جنگ صفین کے موقع پر جب عام اہل شام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نصرت کا ارادہ کیا تو وہاں کے عبّاد وزہّاد نے اس کے خلاف اپنے نقیب و ترجمان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، اور اپنے جذبات کا برملا اظہار کیا:۔

اقبل ابو مسلم الخولاني وكان من عبّاد اهل الشّام حتیٰ قدم علی معاویة فدخل علیه فی الناس من العبّاد فقال له یا معاویه قد بلغنا انک تهمّ بمحاربة علی بن ابی طالب فکیف تنادیة ولیست لک سابقته (اخبار الطوال ص ۱۶۴)

(ترجمہ) "ابو مسلم خولانی رحمہُ اللہ جو اہل شام کے عبّادو زہّاد میں سے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس عابدوں کی ایک جماعت لے کر آئے اور کہا اے معاویہ! ہمیں معلوم ہوا ہے آپ علی بن ابی طالب سے جنگ کا ارادہ کر رہے ہیں، آپ کیسے ان کا مقابلہ کرتے ہیں، حالانکہ آپ کو ان جیسی سابقیت في الاسلام حاصل نہیں ہے"۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات کی، ابو مسلم خولانی نے کہا کہ اس کا معاملہ خط و کتابت سے طے کر لیجیے، لائیے میں آپ کا خط لے کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا ہوں، چنانچہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خط دینے کے بعد اثنائے گفتگو میں فرمایا:۔

یا ابا الحسن انک قد قمت بامرو ولیته، و والله مانحب انه

لغیرک ان اعطیت الحق من نفسک، ان عثمان رضی اللہ عنہ قتل مظلوماً فادفع الینا قتلته و انت امیرنا فان خالفک احد من الناس کانت ایدینالک ناصرة والسنتنا لک شاهدة، وکنت ذاعذر وحجة.

(اخبار الطوال ص۱۶۵)

(ترجمہ) اے ابو الحسن! آپ امر خلافت کو لے کر اٹھے ہیں، اور اس کے والی ہوئے ہیں، اور خدا کی قسم ہم اسے آپ کے علاوہ کے لیے پسند نہیں کرتے، بشرطیکہ آپ خود انصاف کیجئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً شہید کئے گئے، آپ ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کردیں، اور آپ ہمارے امیر ہیں، اگر اس پر بھی کوئی آدمی آپ کا مخالف ہوگا تو ہمارے ہاتھ آپ کے مددگار ہوں گے، اور ہماری زبانیں آپ کے لیے گواہ ہوں گی، اور آپ کے لیے معذرت اور دلیل ہو گی۔"

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی کو اپنے پاس ٹھہرایا، اور جب صبح کی نماز کے لیے مسجد میں ان کو لے کر گئے تو دیکھا کہ دس ہزار سے زیادہ ہتھیار بند موجود ہیں اور سب کے سب کہتے ہیں کہ ہم سب قاتل عثمانؓ ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر خود ابو مسلم خولانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:۔

انی لاری قوماً مالک معهم امر واحسب انه بلغهم الذی قدمت له ففعلوا ذلک خوفاً من ان تدفعهم الی. (اخبار الطوال ص۱۵۶)

(ترجمہ) "میں ایسی جماعت کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا ان کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ ان کو پتہ چل گیا ہے کہ میں کس کام کے لیے آیا ہوں، اور انہوں نے اس ڈر سے یہ مظاہرہ کیا ہے کہ آپ ان کو کہیں میرے حوالہ نہ کردیں۔"

سب سے پہلے جنگ جمل میں عبّاد و زہّاد اور مشائخ دین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیتے ہوئے شامی فوجوں سے مقابلہ کیا، چنانچہ عین معرکہ کا واقعہ ہے کہ:۔

وقاتل عمرو بن الحمق وكان من عبّاد اهل الكوفة معه النساک قتالاً شديداً فضرب بسيفه حتى انثنى ثم انصرف الى اخيه رياح فقال له يا اخى ما احسن مانصنع اليوم ان كانت الغلبة لنا.
(ص۱۵۲)

(ترجمہ۔) "اور عمرو بن حمق نے جو کہ کوفہ کے عابدوں میں سے تھے، اور ان کے ہمراہ عابدوں اور زاہدوں کی ایک جمعیت تھی، سخت جنگ کی، اور اپنی تلوار سے اس قدر مارا کہ وہ مُڑ گئی، پھر وہ اپنے بھائی ریاح کے پاس گئے، اور کہنے لگے کہ اے بھائی آج ہم لوگ کتنا اچھا کام کر رہے ہیں، اگر فتح ہماری ہو۔"

جنگ جمل اور صفّین میں امّت کے عبّاد و زہّاد شام کے ہوں یا کوفہ کے سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے، اور اسے نصرت حق سمجھ کر اچھا کام سمجھتے تھے، اور اس پر نہایت خوش تھے، امت کے متقیوں اور عابدوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا اس کام کو عبادت ثابت کر رہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پورا عالم اسلام مجتمع تھا

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پورے عالم اسلام پر تھی، اور شام کے صوبہ کے سوا پوری اسلامی دنیا ان کو اپنا امام و خلیفہ تسلیم کرتی تھی، ان میں کسی قسم کی کوئی کمی یا خرابی نہیں پائی جاتی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے

ہمنوا بھی ان کو خلیفہ برحق تسلیم کرتے ہوئے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بارے میں ان سے اختلاف کرتے تھے، اور یہی اختلاف آگے چل کر جمل و صفین کی شکل میں ظاہر ہوا، اور دوسرے نامناسب حالات پیش آئے۔ چنانچہ واقعہ صفین سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جریر بن عبداللہ کو بھیجا اور لکھا کہ یا تو بیعت و اطاعت کریں، یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں، جس وقت جریر بن عبداللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے ان کے یہاں اہل شام کے سر برآوردہ لوگ موجود تھے، ان کی موجودگی میں جریر بن عبداللہ نے یہ کہتے ہوئے خط دیا:۔

هذا كتاب علی اليک والی اهل الشام يدعوكم الی الدخول فی طاعته،فقد اجتمع له الحرمان والمصران والحجازان، واليمن والبحران، وعمان واليمامة، و مصر ، فارس والجبل، و خراسان، ولم يبق الا بلاد كم هذه، وان سال عليها واد من اوديته غرقها.(الاخبار الطوال ص١٥٨)

ترجمہ۔ "علی رضی اللہ عنہ کا یہ خط آپ اور اہل شام کے نام ہے وہ تم لوگوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں، کیونکہ مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، حجاز، یمن، بحرین، عمان، یمامہ، مصر، فارس، جبل اور خراسان کے لوگ علی رضی اللہ عنہ پر متفق ہو چکے ہیں، اور تمہاری بستی کے علاوہ کوئی جگہ باقی نہیں ہے، حالانکہ اگر اس پر علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی سیلاب آجائے تو اسے غرق کر دے گا۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تمام اہل دربار نے جریر بن عبداللہ کی یہ باتیں

سنیں، اور بغیر کسی انکار کے خاموش رہے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر اپنے مشیروں سے رائے مشورہ کیا، اور جنگی تیاری ہوئی۔

ایک اور نہایت معتبر شہادت

صفّین سے پہلے ہی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اپنے خاندان کو لے کر اور فتنہ سے الگ ہو کر فلسطین کے ایک گمنام گوشہ میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

"وکان مقیماً فی ضیعة له من حیز فلسطین قد اعتزل الفتنة"

(الاخبار الطوال ص۱۵۹)

(ترجمہ) "عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فلسطین کی حدود میں اپنی ایک زمین میں مقیم تھے، فتنہ سے الگ تھلگ ہو گئے تھے"

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جریر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تحریر لے کر گئے، تو انہوں نے خاص طور سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، وہ اپنے دونوں صاحبزادوں عبداللہ اور محمد کو ساتھ لے کر حاضر ہوئے۔

"فسافر و معه ابناه عبدالله ومحمد حتیٰ قدم علی معاویه"

(ص۱۵۹)

(ترجمہ) "عمرو بن عاص اور ان کے ساتھ ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور محمد معاویہ کے پاس آئے۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے تین اہم معاملات رکھے، جن میں

سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خط تھا:۔

امّا بعد فقد لزمک ومن قبلک من المسلمین بیعتی وانا بالمدینة وانتم بالشّام لانه بایعنی الذین بایعوا ابا بکر وعمر وعثمان رضی الله عنهم فلیس للشاهد ان یختار ولا للغائب ان یرد، وانما الامر فی ذالک للمهاجرین والانصار فاذا اجتمعوا علی رجل مسلم فسموه اماماً، کان ذلک الله رضیً فان خرج من امرهم احد لطعن فیه او رغبته عنه رد الی ماخرج منه فان ابی قاتلوه علیٰ اتباعه غیر سبیل المومنین، وولاّه الله ما تولی ویصله نار جنهم وساءت مصیرا. فادخل فیما دخل فیه المهاجرون والانصار، فان احب الامور فیک وفیمن قبلک العافیة فان قبلتها والاّ فاذن بحرب، وقد کثرت فی قتلة عثمان فادخل فیما دخل فیه الناس ثم حاکم القوم الیّ احملک وایّاهم علی مافی کتاب الله وسنة نبیّه، فاما التی تریدها فانماهی خدعة الصبیی عن الرضاع. (اخبار الطوال ص۱۵۹)

(ترجمہ) ''امّا بعد! آپ پر اور جو لوگ آپ کی طرف ہیں ان سب پر میری بیعت لازم ہے، حالانکہ میں مدینہ میں ہوں اور آپ لوگ شام میں ہیں، کیونکہ میری بیعت ایسے لوگوں نے کرلی ہے جنہوں نے ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے بیعت کی تھی، اس کے بعد نہ حاضر کو اختیار ہے کہ دوسرا امام چنے، اور نہ غائب کو اختیار ہے کہ اس بیعت کو رد کرے، اس بارے میں معاملہ مہاجرین وانصار پر موقوف ہے، جب انہوں نے ایک مسلمان آدمی پر اجتماع کرکے اسے امام کے نام سے پکارا تو یہ اللہ کی رضا کا

معاملہ بن گیا، اب اگر کوئی آدمی ان کے اس معاملہ پر اعتراض کرکے یا اس سے اعراض کرکے باہر ہوگا تو اسی بیعت کی طرف لوٹایا جائے گا، جس سے باہر ہوا ہے۔ اس کے بعد اگر اس نے انکار کیا تو لوگ اس سے مومنوں کی راہ کے علاوہ راہ اختیار کرنے پر جنگ کریں گے، اور اللہ تعالیٰ اس کے عمل کے مطابق سزا دے گا، اور اسے جہنم کی آگ میں جلائے گا، اور جہنم کی آگ اس کا برا ٹھکانہ ہوگی۔ پس آپ بھی اس بیعت میں داخل ہو جائیے، جس میں مہاجرین و انصار داخل ہو چکے ہیں، کیونکہ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے لیے سب سے پسندیدہ چیز راحت و عافیت ہے، اگر آپ اسے منظور کرتے ہیں تو فبہا ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں، آپ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت کچھ کیا ہے، اب جس امر میں سب لوگ داخل ہو چکے ہیں، آپ بھی داخل ہو جائیے، پھر قوم کا محاکمہ میرے پاس لائیے میں آپ کو اور ان سب کو کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آمادہ کروں گا، اور جو چیز آپ چاہتے ہیں وہ تو بچہ کے دودھ چھڑانے کا بہانہ ہے۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خط کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جریر علی بن ابی طالب کا یہ خط لے کر آئے ہیں، جس میں انہوں نے ہمیں اپنی بیعت میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہونے کو للکارا ہے، اس پر حضرت عمرو بن عاص نے اپنے تاثرات کو ان الفاظ میں بیان کیا:۔

" اما علی بن ابی طالب فان المسلمین لایساوون بینک وبینہ"

(ترجمہ) "علی بن ابی طالب کا معاملہ یہ ہے کہ مسلمان ان کو اور آپ کو برابر

نہیں سمجھتے۔"

یہ سن کر حضرت معاویہ نے کہا:۔

"انه مالاء علی قتل عثمان واظهر الفتنة وفرّق الجماعة"

(ترجمہ) "انہوں نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں مدد کی، اور فتنہ ظاہر کیا اور جماعت میں تفریق ڈالی۔"

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کی اس بات کا جواب دیا:۔

انهوان کان کذالک فلیست لک مثل سابقته وقرابته"

(اخبار الطوال ص۔۱۶۰)

(ترجمہ) "واقعہ یہ ہے کہ ان کے ایسا ہونے کے باوجود آپ کو ان کے جیسی اسلام لانے میں اولیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت نہیں ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خط اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو کے بعد یہ باتیں واضح طور پر سامنے آجاتی ہیں:۔

(۱) مہاجرین و انصار کے بیعت میں عام طور سے داخل ہونے سے بیعت پوری ہو چکی تھی، اور اب اس کے بعد انکار کا کوئی موقع نہیں تھا۔ بیشک اس سے پہلے اختلاف کا حق تھا۔

(۲) حضرت علیؓ قاتلین عثمان کے مطالبہ کو اجتماعی طور پر کتاب و سنت کی روشنی میں طے کرنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک اس میں گروہ بندی مفید نہ تھی۔

(۳) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی فریقین سے الگ ہو گئے تھے، اور اپنے بال بچوں کو لے کر ایک گمنام مقام پر چلے گئے تھے۔

(۴) حضرت معاویہ کے طرفداروں کو حق کا پورا پورا اعتراف و اقرار تھا، اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہر طرح برتری و افضلیت کو اپنی نجی مجلسوں میں تسلیم کرتے تھے۔

(۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جو نکیر کرتے تھے یا ان کے خلاف ہو گئے تھے، اس کی وجہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں اُن کے علم کے مطابق مدد تھی، جس کا انکار خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کرتے تھے۔

شامیوں کی شرارت اور حضرت معاویہؓ کی مجبوری

اسی سلسلہ میں ایک اہم معاملہ یہ ہے کہ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی رائے سے اہل شام کے سردار و قائد شرحبیل بن سمط کندی کو سربراہ بنا کر اہل شام کو ایک معاملہ پر متفق کرنے کی کوشش کی گئی تھی، مگر شامیوں کی ضد اور ہٹ دھرمی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عاجز و مجبور ہو گئے اور امن و صلح کی یہ تدبیر ناکام ہو گئی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شرحبیل بن سمط کندی کو بڑے جاہ وجلال کے ساتھ بلایا کہ اس کے ذریعہ اہل شام کو امن و صلح کی طرف لایا جائے، مگر شرحبیل نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے آتے ہی نہایت غضبناک لہجہ میں کہا:۔

" ابی الناس الاأن ابن ابی طالب قتل عثمان والله لئن بايعته لنخرجنک من الشام فقال معاويه ماكنت لاخالف امركم وانما انا واحد منكم"

(ترجمہ) "لوگ ہر بات کا انکار کر کے صرف اس بات پر مصر ہیں کہ ابن ابی طالب ہی نے عثمان کو قتل کیا ہے، خدا کی قسم اگر آپ نے ان کی بیعت کی تو ہم آپ کو ضرور بالضرور شام سے نکال باہر کریں گے، معاویہؓ نے کہا کہ میں تم لوگوں کی بات کی مخالفت نہیں کر سکتا ہوں تم لوگوں ہی میں سے ایک آدمی ہوں"

حضرت معاویہؓ کی یہ باتیں سن کر شرحبیل نے کہا:۔

فارددهذا الرجل الی صاحبه یعنی جریر فعلم عند ذالک معاویة ان اهل الشام مع شرحبیل (الاخبار الطوال ص ۱۶۱)

(ترجمہ) "جریر کو میرے حوالے کرو، اس وقت معاویہ کو معلوم ہوا کہ اہل شام شرحبیل کے ہم نوا بن گئے ہیں"

حضرت معاویہؓ نے حالات کا اندازہ لگانے کے بعد شرحبیل سے کہا کہ یہ معاملہ عوام کی رضا مندی اور رائے سے ہو سکتا ہے، تم شام کے شہروں میں جاؤ اور لوگوں کو خبر کر دو کہ ہم لوگ اپنے خلیفہ کے خون کا بدلہ لینے والے ہیں، اور ان سے نصرت و امداد کی بیعت لو، چنانچہ شرحبیل شام کے ایک ایک شہر میں گیا اور لوگوں میں خوب پروپیگنڈا کیا، کہ علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے، اور اس پر علیؓ سے جو لوگ خفا ہوئے ان کو انھوں نے قتل کیا، اور ان کی زمین پر قبضہ کر لیا اور شام کے علاوہ کوئی جگہ ان کے قبضہ سے خالی نہیں رہ گئی، وہ اپنی تلوار اپنے کندھوں پر لئے ہوئے موت کی شدتوں میں گھستے چلے جا رہے ہیں، اور شام کا رُخ کیے ہوئے ہیں، کیونکہ معاویہ سے زیادہ بڑا دشمن ان کے نزدیک کوئی نہیں ہے، ایسی حالت میں تم لوگ خلیفہ مظلوم کے مطالبۂ دم کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

شرحبیل کی اس عام تحریک اور پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا، البتہ شام کے علاقہ حمص کے عبّاد و زہّاد شرحبیل کے پھندے میں نہیں آسکے، اور انھوں نے اپنے گھروں اور مسجدوں کو نہیں چھوڑا،

"فاجابه الناس کلهم الانفر من اهل حمص نساکا فانهم قالوا نلزم بیو تنا و مساجد نا وانتم اعلم.

(ترجمہ) "تمام لوگوں نے شرحبیل کی آواز پر لبیک کہا البتہ حمص کے چند افراد نے انکار کیا اور کہا کہ ہم اپنے گھروں اور اپنی مسجدوں میں رہیں گے، تم لوگ اس معاملہ کو زیادہ جانتے ہو"

جب حضرت معاویہؓ نے اہل شام کا رنگ بے رنگ دیکھا، اور شرحبیل سے ان کی بیعت کا حال معلوم کر لیا تو مجبوراً حضرت علیؓ کے سفیر جریر سے کہا کہ جاؤ اور کہہ دو کہ میں اور اہل شام ان کی بیعت نہیں کر سکتے:۔

" فلما ذاق معاویة اهل الشام، و عرف مبایعتهم له قال لجریر الحق بصاحبک واعلمه انی واهل الشام لانجیبه الی البیعة .(الاخبار الطوال ص ۱۶۲)

(ترجمہ) "جب معاویہؓ نے اہل شام کو دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ انھوں نے شرحبیل کی بیعت کرلی ہے تو مجبوراً جریر سے کہا کہ تم اپنے صاحب علیؓ کے پاس جا کر ان کو خبر کرو کہ میں اور اہل شام ان کی بیعت کو قبول نہیں کرسکتے۔"

اس واقعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ شامیوں سے کس قدر مجبور ہو گئے تھے، اور صلح و مصالحت اور امن وامان کے لیے تیار ہو جانے کے باوجود اہل شام کی

ضد اور شرارت کے باعث نہ وہ حضرت علیؓ کی بیعت کر سکے، اور نہ فتنہ کے فرو کرنے کرانے میں کامیاب ہو سکے، مؤلف نے بار بار حضرت علیؓ کو سبائیوں کے ہاتھوں مجبور و معذور ہو جانے کا پروپیگنڈا کیا ہے مگر حضرت معاویہؓ کا شامیوں کے ہاتھوں اس درجہ مجبور ہو جانے کو بیان نہیں کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ آخر میں دونوں طرف شریروں اور فتنہ پروروں کا زور ہو گیا تھا۔ اور وہ معاملہ پر غلبہ حاصل کر کے صالح نیتوں کے لیے حجاب بن گئے تھے، صرف حضرت علیؓ کو سبائیوں کے پردے میں مطعون کرنا، اور ان پر الزام دینا، اور شامیوں کی ان حرکتوں کو چھپاتے ہوئے سراہنا دیانتداری نہیں، جانبداری ہے، جو بے لاگ محقق کے لیے کسی طرح زیبا نہیں ہے۔

صحابہ کرامؓ ان فتنوں سے الگ رہے

پھر چونکہ جنگ جمل اور جنگ صفین کا تعلق ہنگامی اور مقامی صورت حال سے تھا، اس لئے پورا عالم اسلام اس سے الگ رہا، اور شامی اور مصری فوجیں نبرد آزما ہوئیں، یہ نہ کوئی کفار کے خلاف جہاد تھا، اور نہ فتنہ ارتداد کے خلاف اقدام تھا، بلکہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی تھی، اس لیے تمام بلادِ اسلامیہ عموماً اس سے الگ ہی رہے، اور طرفداران بنو امیہ اور شیعانِ اہلِ بیت لڑے بھڑے اسی لیے حضرات صحابہ کرام نے حضرت علیؓ کے موافق ہونے کے باوجود اپنے کو فتنہ سے دور رکھا، اور حضرت معاویہؓ کا ساتھ تو کیا دیتے، حضرت علیؓ کا ساتھ بھی نہ دے سکے، اگر وہ حضرت معاویہؓ کے طرفدار بن کر حضرت علیؓ کے خلاف صف آراء ہوئے ہوتے تو حضرات طلحہ و زبیرؓ کی طرح وہ بھی

جنگ جمل اور جنگ صفین میں کہیں نظر آتے، بلکہ دو چار صحابہ جو شریک بھی ہوئے تھے، ان میں سے بعض میدان سے واپس چلے آئے تھے، جیسا کہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو بلا کر رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کی، جو ان دونوں حضرات کے بارے میں پیشین گوئی تھی، حضرت زبیرؓ نے اس حدیث کو سنتے ہی حضرت معاویہؓ کے لشکر سے نکل کر اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے کہا کہ بیٹا میں تو چلا، مجھے علیؓ نے ایک حدیث یاد دلادی ہے۔ جس سے میں غافل تھا۔ اس کے بعد جب حضرت زبیرؓ باہر نکلے تو مروان بن حکم نے آپ کو ایسا تیر مارا کہ آپ وہیں شہید ہو گئے۔ (الاخبار الطوال ص ۱۴۹، ۱۵۰)

اس حقیقت کو بے غبار معلوم کرنے کے لیے امام ابن تیمیہؒ کی یہ تصریح کافی ہے:۔

وجمهور الصحابة وساداتهم تاخروا عن الفتنة، قال ابو ايوب السختيانى عن ابن سيرين، قال هاجت الفتنة و اصحاب رسول اللهؐ عشرة الاف فوقف ماشهد وانه بل لم يبلغوا ثلاثين فهذا يقوله محمد بن سيرين مع ورعه البابرفى منطقه وقال منصور بن عبدالرحمن قال شعبى لم يشهد الجمل من اصحاب النبىؐ غير علىؓ، عمارؓ و طلحهؓ و الزبيرؓ، فان جاؤا بخامس فانا كذاب ، كانه عنى من المهاجرين السابقين. وقال عبدالله بن احمد حدثنا ابى حدثنا امية بن خالد قال قيل لشعبة ان ابا شمية روى عن الحكم عن عبدالرحمن بن ابى ليلى قال شهد صفّين من اهل بدر سبعون رجلا، قال شعبة كذب والله، ذاكرنا الحكم، ماوجدنا شهد صفّين من اهل بدر غير خزيمة بن ثابتؓ،

قلت هذا النفی یدل علی قلة من حضرها. (المنتقی ص۳۸۹)

(ترجمہ) "جمہور صحابہ اور ان کے بڑے حضرات فتنہ سے بچے رہے، ابوایوب سختیانی نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ جس وقت فتنہ برپا ہوا، دنیا میں دس ہزار صحابہ رسول اللہ ﷺ موجود تھے، مگر ان میں سے دس حضرات بھی فتنہ میں نہ شریک ہوئے، بلکہ شریک ہونے والوں کی تعداد تیس تک بھی نہ پہونچی، یہ محمد بن سیرین کا بیان ہے جو بات کہنے میں مشہور محتاط ہیں، اور منصور بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ امام شعبی نے کہا ہے کہ جنگ جمل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے سوائے علیؓ، عمارؓ، طلحہؓ، زبیرؓ کے اور کوئی شریک نہیں ہوا، اگر لوگ ان چار کے علاوہ کسی پانچویں کو پیش کریں تو میں جھوٹا ہوں، اور امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ میرے والد امام احمد نے امیہ بن خالد سے روایت کی کہ امام شعبہ سے کہا گیا کہ ابوشیبہ نے حکم سے انھوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے روایت کی ہے کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ شریک ہوئے تو شعبہ نے کہا کہ یہ جھوٹ ہے، خدا کی قسم ہم نے خود حکم سے اس بارے میں گفتگو کی، تو اہل بدر میں سے خزیمہ بن ثابت کے علاوہ اور کسی کو نہیں پایا میں (ابن تیمیہ) کہتا ہوں کہ یہ نفی اس بات کو بتاتی ہے کہ فتنہ میں صحابہ میں سے بہت کم لوگ شریک ہوئے"

امام ابن تیمیہؒ کی اس تصریح کے بعد ان تمام مکائد کا پردہ چاک ہو جاتا ہے جن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جمہور صحابہ حضرت علیؓ سے حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہو کر دم عثمانؓ کا مطالبہ کر رہے تھے، اور انھوں نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں **حضرت معاویہؓ کا پورا پورا ساتھ دیا۔**

حضرت علیؓ کا اپنی خلافت پر بلیغ تبصرہ

حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے بارے میں ایک نہایت ہی بلیغ اور جامع تبصرہ فرمایا ہے، اور دو لفظ میں اپنے دورِ خلافت کی پوری حقیقت واضح کر دی ہے، حضرت علیؓ کا اپنی خلافت کے بارے میں یہ اظہار خیال ہر موافق و مخالف کے غور و فکر کے لیے مینارۂ نور ہے، علامہ ابن خلدون مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

سال رجل علياً رضی الله تعالی عنه مابال المسلمين اختلفوا عليك،ولم يختلفوا علیٰ ابی بکروعمر،فقال لان ابا بکر وعمر کانا واليين علیٰ مثلی،وانا اليوم وال علیٰ مثلک (مقدمه ابن خلدون ص ۱۴۶)

(ترجمہ) "ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انھوں نے آپ کے بارے میں اختلاف کیا، اور حضرات ابو بکرؓ اور عمرؓ کے بارے میں اختلاف نہیں کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا، بات یہ ہے کہ ابو بکر و عمر مجھ جیسے کے والی و خلیفہ تھے، اور میں آج تم جیسے کا والی ہوں"

ایک دیانتدار مورخ و ناقد اور منصف مزاج مؤلف و محقق کے لیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ ان کے پورے دورِ خلافت کی حقیقی تصویر ہے اور ان کے اس جواب کے بعد ان کے دورِ خلافت کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی اسی لیے تو علمِ تاریخ کے مجدد و ناقد علامہ ابنِ خلدون نے یہ جملہ نقل کر کے حضرت علیؓ کے حق میں ہر طرح کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔

ان محاربات میں اقرب الی الحق کون لوگ تھے؟

حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے مابین جو محاربات ہوئے ہیں ان میں کون حق سے قریب تھا، اور کون حق سے دور تھا، اسے علامہ ابن تیمیہ بیان کرتے ہیں:-

واما محاربته فلامورلا تخرجه عن الاسلام، وان كان عليٌّ اقرب الى الحق ، واولىٰ به منه (المنتقى ص ٢٦٠)

(ترجمہ) معاویہؓ کا علیؓ سے جنگ کرنا ایسی باتوں کی بنا پر تھا، جو ان کو اسلام سے خارج نہیں کرتی ہیں، اگرچہ علیؓ اقرب الی الحق تھے، اور معاویہؓ کے مقابلے میں اس کے زیادہ مستحق تھے"،

اس کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ نے حضرت علیؓ کے اقرب الی الحق کی دلیل میں بخاری و مسلم کی احادیث اور صحابہ کی روایات کو پیش کیا ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے ایام میں گھر میں بیٹھ رہنے کی تاکید فرمائی ہے، اور جن کے راوی نہ حضرت علیؓ کے ساتھ لڑے، نہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ لڑے.

كسعدبن ابى وقاص، و محمد بن مسلمة واسامه لم يقاتلوا لا مع عليٌّ، ولا مع معاويه ثم الذين قاتلوا مع عليٌّ اخف جرماً من الذين قتلوا عثمان صبراً"(المنتقى ص٢٦٠)

(ترجمہ) جیسے سعد بن ابی وقاص، و محمد بن مسلمہ، واسامہ، جنہوں نے نہ تو علیؓ کے ساتھ رہ کر قتال کیا اور نہ معاویہؓ کے ساتھ رہ کر قتال کیا پھر جن لوگوں نے علیؓ کے ساتھ رہ کر قتال کیا ان کا جرم ان لوگوں سے ہلکا ہے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو گھیر کر قتل کیا"۔

امام ابن تیمیہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی حیثیت اور ان کے مقام و موقف کی توضیح کرتے ہوئے دونوں کے طرفداروں کی حرکتوں کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"واکثر الذین کانوا یختارون القتال من الطائفتین لم یکونوا یطیعون علیاً ولا معاویة وکان علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما اطلب لکف الدماء من اکثر المقتتلین لکن غلبا فیما وقع (ص۲۶۳)

(ترجمہ) دونوں گروہوں میں سے اکثر لوگ جو جنگ کرنا چاہتے تھے وہ نہ علیؓ کی اطاعت کرتے تھے نہ معاویہؓ ہی کی۔ اور علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما خون خرابہ نہ ہونے کے خواہاں ان لوگوں سے زیادہ تھے جو وہاں طلب جنگ کر رہے تھے لیکن جو واقع ہوا اس میں دونوں حضرات مغلوب ہوگئے۔"

مؤلف نے صرف حضرت علیؓ کو سبائیوں کے ہاتھوں مجبور و معذور بنانے پر سارا زور خرچ کیا ہے، اور ان کو بے دست و پا بنا کر سبائیوں کے ہاتھ دے دینے کی ترکیب نکالی ہے، مگر امام ابن تیمیہ حضرت علیؓ کو حق سے قریب تر اور ان کے آدمیوں کو قاتلین عثمانؓ کے مقابلہ میں کم گناہ گار بناتے ہیں اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے آدمیوں کو نافرمان، خود غرض، اور من مانی کارروائی کرنے والے کے ساتھ دونوں کو نافرمان ثابت کرتے ہیں، اور حضرت علیؓ کی طرح حضرت معاویہؓ کو بھی جنگ بازوں سے مغلوب ثابت کرتے ہیں، حضرت معاویہؓ کا شامیوں کے ہاتھوں مجبور ہو جانے کا واقعہ ابھی ابھی آپ نے پڑھا ہے، اس کی روشنی میں امام ابن تیمیہؒ کے اس قول کو دیکھئے تو حقیقت سامنے آجائے گی۔

حضرت علیؓ اور امام احمد بن حنبلؒ

سید الفقہاؤالمحدثین، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت علیؓ کی خلافت و امامت کے بارے میں جو حقیقت بیان کی ہے، اسے ہم امام ابن جوزی کی کتاب "مناقب الامام احمد بن حنبل" سے پیش کرتے ہیں محترم ناظرین اس تصریح کو اس حیثیت سے دیکھیں کہ یہ امام المحدثین حضرت امام احمد کا مسلک ہے، اور ان کے مقابلہ میں مؤلف کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" نے جو کوشش کی ہے وہ ان کی یا ان جیسے لوگوں کی ذاتی رائے ہے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ خلفائے اربعہ کی خلافت کا ذکر کر رہے تھے، انھوں نے حضرت علیؓ کے بارے میں گفتگو طویل کی تو امام احمد بن حنبل نے فرمایا:۔

یا ھٰؤلا وقد اکثرتم القول فی علی وخلافتہ ان الخلافۃ لم تزین علیًا بل علی زینہا (مناقب الامام احمد ص۱۶۳)

(ترجمہ) "اے لوگو! تم نے علیؓ اور خلافتِ علیؓ کے بارے میں گفتگو طویل کی، خلافت نے علیؓ کو زینت نہیں بخشی، بلکہ علیؓ نے خلافت کو زینت بخشی ہے۔"

آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ والد محترم نے حدیث سفینہ کو بیان فرمایا میں نے عرض کیا، اے والد تفضیلِ صحابہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں، توآپ نے فرمایا خلافت میں ابو بکرؓ اور عمرؓ، اور عثمانؓ ہیں، یہ سن کر میں نے عرض کیا اور علی ابن ابی طالب تو فرمایا:۔

یابنی علی بن ابی طالب من اهل بیت لایقاس بهم احد (ایضاً ص۱۶۳)

(ترجمہ) "اے بیٹے! حضرت علی تو ایسے خاندان سے ہیں کہ اس پر کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔"

صاحبزادہ عبداللہ کا بیان ہے کہ :۔

سمعت ابی یقول مالاحد من الصحابه من الفضائل بالاسانید الصّحاح مثل لعلی رضی اللہ عنه(ص۱۶۳)

(ترجمہ) "میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ حضرت علیؓ کے جتنے فضائل صحیح سندوں کے ساتھ احادیث میں وارد ہوئے ہیں اتنے کسی دوسرے صحابی کے نہیں۔"

ابو سعید ہشام بن منصور بخاری کا بیان ہے میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:۔

من لم یثبت الامامة لعلی فهو اضل من حمار اهله(ص۱۶۳)

(ترجمہ) "جو آدمی حضرت علی کے لیے خلافت نہ تسلیم کرے تو وہ اپنے گھر والوں کے گدھے سے بھی احمق ہے۔"

حنبل نامی ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل سے سوال کیا کہ کیا حضرت علیؓ کی خلافت ثابت ہے؟ تو آپ نے فرمایا:۔

سبحان اللہ یقیم علیؓ الحدود، ویقطع، ویا خذ الصدقة، ویقسمها بلا حق وجب له؟ اعوذ باللہ من هذه المقالة نعم خلیفة رضیه اصحاب رسول اللہ ﷺ وصلوا خلفه،و غزوا معه وجاهدوا وحجوا وکانوا یسمونه امیرالمومنین، راضین بذالک غیر منکرین

فنحن تبع لهم. (مناقب الامام ص۱۶۴)

(ترجمہ) "سبحان اللہ! کیا بلا حق کے جو حضرت کو حاصل تھا وہ حدود قائم کرتے تھے ہاتھ کاٹتے تھے، اور زکوٰۃ وصدقات وصول کرکے اسے تقسیم کیا کرتے تھے؟ میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، ہاں اس لئے علیؓ خلیفہ تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ان سے راضی تھے، انھوں نے حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی، ان کے ساتھ غزوہ جہاد، اور حج کیا، اور وہ ان کو امیر المومنین کہتے تھے، ان کی امارت وخلافت سے راضی تھے، منکر نہیں تھے، اس لیے ہم تو ان ہی صحابہ کے تابع ہیں۔"

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ایمان افروز باتوں کو غور سے پڑھئے، اور آپ بھی بتائیے کہ آپ امام احمد کی طرح ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمنوا ہیں جنھوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ برحق تسلیم کرکے ان کا پورا پورا ساتھ دیا، یا ان لوگوں میں سے ہیں جو حضرت علیؓ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور ان کو گدھے کی سی بھی عقل نہیں ہے، یہاں پر حدیث سفینہ کا تذکرہ اس ضمن میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ امام صاحب نے اسی حدیث کو بیان فرمایا اور اسی کی روشنی میں خلفائے اربعہ کی خلافت کے برحق ہونے کو ثابت کیا، اس حدیث پر امام صاحب کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

اگر ہم اس جگہ محدثین کرام کے بیانات کو درج کریں اور خلافت اور خلفائے اربعہ کے اعتقاد کے بارے میں احادیث کی روشنی میں سلف صالحین کی تصریحات کو پیش کریں تو بات طویل ہو جائے گی، اور اس کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہوگی۔

حضرت علیؓ اور قاضی ابو بکر بن عربیؒ

ان تمام مباحث کے خلاصہ میں قول فیصل کے طور پر ہم امام قاضی ابو بکر بن عربی، مالکی اندلسی کی کتاب "العواصم من القواصم" کی مختصر سی جھلک پیش کرتے ہیں، جن کے بارے میں مؤلف نے صفحہ ۳۰۲، ۳۰۳) پر نہایت توصیفی و توثیقی حاشیہ میں لکھا ہے:۔

"قاضی موصوف نے اپنی اس تالیف میں ان اکاذیب کی پوری قلعی کھولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے مواقف و مشاجرات کے بارے میں وضع ہوئے، (حاشیہ ص ۳۰۳) حضرت علیؓ پر جو جو اکاذیب عائد کئے گئے ان کی قلعی کھولتے ہوئے قاضی ابو بکر بن عربیؒ نے وہ باتیں نہایت صاف و صریح بیان کر دی ہیں جن کا مؤلف نے ارتکاب کیا ہے، اگر وہ قاضی ابو بکر بن عربی کو ایسا ہی مانتے ہیں اور ان پر ان کو اعتماد ہے تو کیا پھر قتلِ حسینؓ اور یزید و ابنِ زیاد کے بارے میں ان کے جو بیانات ہیں، صرف ان ہی میں یا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں جو انھوں نے قلعی کھولی ہے، اس میں مؤلف کو ان پر اعتماد ہے؟ ناظرین کرام کے سامنے قاضی ابو بکر بن عربی کی جستہ جستہ عبارتیں پیش کی جاتی ہیں ملاحظہ ہوں:۔

امّا وجود الحرب بینهم فمعلوم قطعاً واما کونه بهذا السبب فمعلوم کذلک قطعاً وامّا الصواب فمع علیؓ، لان الطالب للدم لایصح ان یحکم وتهمة الطالب القاضی لاتوجب علیه ان یخرج علیه بل یطلب الحق عنده، فان ظهرله قضاء والاسکت وصبر. (العواصم من القواصم ص۱۶۲)

(ترجمہ) "جنگِ جمل و صفین کا وجود قطعی طور سے معلوم ہے، اور سبب بھی اسی طرح معلوم ہے مگر حق اور راستی حضرت علیؓ کے ساتھ ہے، کیونکہ دمِ عثمانؓ کے طالب کے لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ حاکم بن جائے، اور طالب دم (حضرت معاویہؓ وغیرہ) کا قاضی (حضرت علیؓ) کو تہمت لگانا یہ واجب نہیں کرتا کہ وہ طالب قاضی کے خلاف خروج کر بیٹھے، بلکہ اسے چاہیے کہ قاضی کے پاس حق طلب کرے، اگر فیصلہ ظاہر ہو جائے تو خیر، ورنہ خاموش رہے، اور صبر کرے۔"

پھر دو سطر کے بعد فرماتے ہیں:۔

"ولئن اتهم علي بقتل عثمان فليس في المدينة احد من اصحاب النبي ﷺ الا وهو متهم" (ص۱٦٥)

(ترجمہ) "اور اگر حضرت علیؓ کو قتل عثمانؓ سے متہم کیا گیا تو کون سی بڑی بات ہے، مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے کوئی ایک بھی ایسے صحابی نہ تھے جن کو قتلِ عثمانؓ میں متہم نہ کیا گیا ہو۔" (ایضاً ص ۱٦٥)

پھر حضرت علیؓ کے برحق ہونے کے سلسلے میں فرماتے ہیں، کہ یہ حقیقت کھل کر سامنے ہے کہ جب حضرت معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو ان کے لیے بھی ممکن نہیں ہوا کہ قاتلینِ عثمانؓ میں سے کسی ایک کو بھی اپنے حکم سے قتل کر سکیں (صفحہ ۱٦٨) پھر اسی صفحہ پر صحیح مسلم کی ایک حدیث بیان کی، جس میں رسول اللہ ﷺ نے خوارج کے بارے میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے افتراق کے زمانہ میں ایک گروہ ان سے الگ ہو جائے گا، جسے مسلمانوں کے دو گروہوں میں سے وہ گروہ قتل کرے گا جو حق سے زیادہ قریب ہوگا، **تقتلهم ادنى الطائفتين الى الحق**، اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

فبین ان کل طائفة منهما تتعلق بالحق ولکن طائفة علی ادنی الیه (ص۱٦۸)

(ترجمہ) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ کے گروہوں میں سے ہر ایک حق سے تعلق رکھتا تھا مگر علیؓ کا گروہ حق سے بہت زیادہ قریب تھا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ تقتلہ الفئۃ الباغیۃ۔ (صفحہ ۱۷۰) ان کو حضرت معاویہؓ کے گروہ نے قتل کیا، اس کے بعد قاضی ابو بکر بن العربی مالکی اندلسی لکھتے ہیں:۔

وقتل عثمان فلم یبق علی الارض احق بها من علیؓ، فجاءته علی قدر فی وقتها و محلها، و بین اللہ علی یدیه من الاحکام والعلوم ما شاء اللہ ان یبین، وقد قال عمر لولا علیؓ لهلک عمر، وظهر من فقهه وعلمه فی قتال اهل القبلة، من استدعائهم ومناظرتهم وترک مبادرتهم والتقدم الیهم قبل نصب الحرب معهم وندائه انه لا نبدأ بالحرب ولا یتبع مولی، ولا یجهز علیٰ جریح ، ولا تهاج امراة ولا نغنم لهم مالا، وامره بقبول شهادتهم، والصلوٰة خلفهم، حتیٰ قال اهل العلم لولا ماجری ما عرفنا قتال اهل البغی (ص۱۹۴)

(ترجمہ) "جب حضرت عثمانؓ کا قتل ہوا تو روئے زمین پر خلافت کا مستحق حضرت علیؓ سے زیادہ کوئی نہیں تھا، چنانچہ خلافتِ علیؓ کے پاس بروقت اور برمحل آئی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر اسلامی احکام و علوم میں سے جس قدر چاہا، ظاہر فرما دیا

اور حضرت عمرؓ نے کہا ہے کہ اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا اور اہل قبلہ کے ساتھ قتال کرنے کے سلسلے میں حضرت علیؓ کے علم وفقہ سے یہ حقائق ظاہر ہوئے کہ انھوں نے ان کو خود بلایا ان سے بحث و مباحثہ کیا، اور ان سے جنگ چھڑنے سے پہلے ان کی طرف نہیں بڑھے، اور نہ ان پر وار کیا، اور جب لڑائی ہونے لگی تو اعلان کیا کہ بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے کسی زخمی کو اور زخمی کر کے نہ مار ڈالا جائے، نہ کسی عورت کو چھیڑا جائے، نہ ان کا مال غنیمت کے طور پر لیا جائے۔ نیز آپ نے ان کی گواہی قبول کرنے، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا، یہاں تک کہ اہل علم نے کہا ہے کہ اگر یہ باتیں حضرت علیؓ کی طرف سے وقوع پذیر نہ ہوئی ہوتیں تو ہم باغیوں سے جنگ کرنے کو نہ سمجھتے۔"

فرمائیے یہ امام قاضی ابو بکر بن عربیؒ کی تصریحات کیا ثابت کر رہی ہیں، جن کی مؤلف نے تعریف و توصیف کی ہے، اور خود مؤلف کیا سمجھتے ہیں؟ ان عبارتوں سے یہ باتیں بالکل ظاہر ہیں:۔

(۱) حضرت علیؓ کے خلاف حضرت معاویہؓ کا اقدام دمِ عثمان کے پردے میں غلط تھا۔
(۲) قتلِ حضرت عثمانؓ سے حضرت علیؓ بالکل بری تھے، (۳) ان مشاجرات میں حق حضرت علیؓ کی طرف تھا، (۴) حضرت علیؓ کی خلافت برحق و برمحل تھی اور انھوں نے جو کردار ادا کیا وہ اسلامی تعلیم کے عین مطابق تھا، قاضی ابو بکر بن عربی اور ان کی کتاب پر تفصیلی بحث بعد میں آئے گی۔

حضرت حسینؓ اور ان کا مقام و موقف

مؤلف کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' نے حضرت حسینؓ کو غلط کار اور حق کے خلاف خروج کا اقدام کرنے والا ثابت کرنے کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے امیر یزید کے خلاف اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا، صحابہ کرامؓ نے جو ان سے ملے، انہیں طرح طرح سے سمجھایا، اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوششیں کیں، (ص ۶۸)

یزید کا ایک قصیدہ نقل کر کے لکھا ہے:۔

''تیسرے شعر کے مضمون سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی (ص ۷۵)

اس کے بعد بکمال غیر ذمہ داری سے ایک مسیحی مورخ ''دوزی'' کا یہ اقتباس حضرت حسینؓ پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے:۔

''یہی کیفیت اخلاف کی (حضرت) حسینؓ کے متعلق ہے جو ان کو ایک طفلانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں، ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے، اور (حضرت) حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیزی سے رواں دواں ہوں، ولی اللہ

کے روپ میں پیش کیا ہے، ان کے ہم عصروں میں اکثر و بیشتر انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے، وہ انھیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے، اس لیے کہ انھوں نے (حضرت) معاویہؓ کی زندگی میں یزید کی (ولی عہدی) کی بیعت کی تھی، اور اپنے حق یا دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔ (ص ۷۶)

ایک متعصب نصرانی مؤرخ کا نام لے کر مؤلف نے حضرت حسینؓ کو ولی اللہ کے روپ میں حب جاہ اور خطائے ذہنی کا گرفتار بتایا ہے، ان کے معاصرین کو انکے بارے میں بدگمان ثابت کیا، اور ان کو ایک معمولی قسمت آزما بتانے کی کوشش کی ہے۔

اس کے آگے مؤلف نے کھل کر اپنی بیماری کو جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے خلاف دل میں پیدا ہو گئی ہے، ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:۔

"حضرت علی المرتضیٰؓ کی تلوار اگر حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ زوجہ مطہرہ و حبیبہ رسول صلوٰۃ اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہو سکتی اور اس ہودج پر تیر برسائے جا سکتے ہیں، جس میں تمام امّت کی ماں تشریف فرما ہو تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انھیں بنایا جائے، باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی، حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے، نہ سنت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائم آل البیت سے، یہی وجہ ہے کہ امت اس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی، بلکہ کسی درجہ میں بھی اسے قابل اعتناء نہیں سمجھا الخ (ص ۱۸۰)

ان چند سطروں میں حضرت حسینؓ کے خلاف اس قدر زہر ہے کہ اگر اسے ساری کتاب میں پھیلا دیا جائے تو بھی پورا کا پورا بچ رہے گا، اور کتاب زہریلی ہو جائے گی، جب کہ مؤلف نے پوری کتاب میں یہی کیا ہے۔

ان خرافات، مزعومات، اور بیہودہ خیالات کو ثابت کرنے کے لیے مؤلف نے وہ سب کچھ کیا ہے جو ایک کھلے ہوئے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

انہوں نے کتابوں کے حوالے غلط دیے ہیں، عبارتوں میں خیانت کی ہے، مطالب غلط بیان کیے ہیں، ترجمہ غلط کیا ہے، واقعہ کہیں کا ہے، اور اسے کہیں چسپاں کیا ہے، جیسا کہ آئندہ صفحات میں نہایت مدلل و مفصل طور پر معلوم ہو گا۔

اقدام حسینؓ کی ضرورت کتاب و سنت کی روشنی میں

اسلام میں جہاں ایک طرف اتحاد و اتفاق اور امن و امان قائم کرنے اور برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے اور اس کے لیے بڑی سے بڑی جماعتی اور انفرادی قربانی دے کر صبر کی تلقین آئی ہے، وہاں ظلم و ستم، فسق و فجور اور منکرات کو مٹانے اور ان کے خلاف خروج کرنے اور صف آراء ہونے کا حکم بھی آیا ہے۔ اسلام کی راہ اعتدال کی راہ ہے، اور حالات کو اعتدال پر رکھنے کے لیے زمانہ اور ماحول کے مطابق دونوں قسم کے احکام

صریح طور سے موجود ہیں، اگر ہر جابر و ظالم اور فاسق وفاجر غلبہ و حکمران کے مقابلہ میں صبر و ضبط کی روش اختیار کی جائے گی تو دنیا میں ظلم و ستم اور فسق و فجور کا بازار گرم ہو جائے گا، اور ارباب عزیمت کے لیے اصلاحِ حال کی کوئی صورت نہ ہو گی، اور اگر حال و استقبال کا جائزہ لیے بغیر ہر ظالم و جابر طاقت سے ٹکر لی جائے گی تو ہو سکتا ہے کہ اصلاح کے بجائے شر و فساد میں اور بحران پیدا ہو جائے، اس لیے مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ جہاں تک امن و امان اور اتحاد و اتفاق کا تعلق ہے تم اپنی طرف سے اس کی بحالی کی پوری کوشش کرو، اور اپنی ذات سے امّت میں فتنہ نہ ہونے دو، اور جہاں تک ظلم و ستم، فسق و فجور اور نواہی و منکرات کے خلاف نفرت، اقدام اور مقابلہ کا تعلق ہے اس کی روح ضرور باقی رہنی چاہیے، اور کم از کم ایک جماعت اس کے لیے ہونی ہی چاہیے جو ظلم و فسق کا مقابلہ کرے، اور حالات کے تقاضے کے مطابق وہ اپنی قوت و عزیمت کو اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرے۔

مؤلف کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" نے یزید کی طرف داری میں فتنہ سے بچنے اور پر امن رہنے کے بارے میں احادیث و واقعات تو نقل کر دیے مگر حضرت حسینؓ کو غلط کار ثابت کرنے کے لیے ان تمام آیات و احادیث اور واقعات کو چھپا دیا جن میں امر بالمعروف و نہی المنکر کا حکم آیا ہے۔ ظالم حکمران کے مقابلہ میں حق بات کہنے کو افضل جہاد بتایا گیا ہے، اور دین کے اصول و فروع میں تغیر و تبدل کو مردود قرار دے کر اس کے مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ ہم چند آیات و احادیث مثال کے طور پر یہاں درج کرتے ہیں، جن سے معلوم ہو گا کہ حضرت حسینؓ کا خروج یزید کے خلاف ارشاداتِ نبوی اور احکام شریعت کی رو سے نہ صرف جائز بلکہ واجب تھا، اور حضرت

حسینؓ اور ان کی جماعت نے یہ اقدام کرکے پوری امت کی طرف سے فرض کی ادیگی کی، اور اگر حضرت حسینؓ اور ان کے ہمنوا ایسا نہ کرتے تو امت شاید اس سے بھی شدید اور عام فتنہ میں مبتلا ہو جاتی، اور بنائے ایک نہ بنتی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے ہمنوا "امــة داعية الى الخير" اور "خیر امت تھے" جن کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے وهم اعظم قدراً عند الله و احسن نيتاً من غيرهم (المنتقی ص ۲۸۶) اور اگر اس ایک نقطہ کو درمیان سے نکال دیا جائے تو یہ شہادت حسینؓ بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گی، مؤلف نے اپنی پوری کتاب میں اسی نقطہ پر سیاہی پھیرنے کی کوشش کی ہے، مگر ہم امام ابن تیمیہ کے بیان کی روشنی میں حسینؓ کے بالمقابل "مردان آخر بیں" اور "حامیان امن و صلح" کے اجتہاد کو قدر کی نظر سے دیکھتے ہوئے حسینؓ اور ان کے ہمراہیوں کو قدر و منزلت میں اور حسنِ نیت میں بہتر و برتر مانتے ہیں، اور علامہ ابنِ خلدون کی رائے کو قول فیصل قرار دیتے ہیں:۔

"والكل مجتهدون ،ولاينكرعلىٰ احدمن الفريقين فمقاصدهم في البر وتحري الحق معروفة ، وفقنا الله الاقتداء بهم"

(ترجمہ) "سب کے سب مجتہد ہیں، اور صحابہ کی دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک پر نکیر نہیں کی جا سکتی کیونکہ نیکی اور تلاش حق کے بارے میں ان کے ارادے مفہوم و معروف ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی اقتداء کی توفیق بخشے"

اب چند آیات و احادیث اور واقعات کو بھی سن لیجئے، اور حضرت حسینؓ کے اقدام کے بارے میں ان ہی کی روشنی میں فیصلہ کیجئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون

عن المنکر. واولئک هم المفلحون (پ۴ع۱)

(ترجمہ) اور چاہیے تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو جو خیر کی دعوت دے، اور نیکی کا حکم کرے، اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ کامیاب ہیں"

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف، وتنهون عن المنکر، وتومنون باللّٰه (پ۴ع۲)

(ترجمہ) "تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے برپا کئے گئے ہو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے بہت سے ارشادات ہیں، چند احادیث یہاں درج کی جا رہی ہیں، تفصیل کتبِ احادیث و سیر میں موجود ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔

(۱) من رای منکم منکرۃ فلیغیرہ بیده فان لم یستطع فبلسانه، فان لم یستطع فبقلبه و ذلک اضعف الایمان (مسلم)

(ترجمہ) تم سے جو شخص کوئی امر منکر دیکھے تو چاہئے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان سے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے اور یہ ایمانی تقاضے کا سب سے کمزور درجہ ہے"

(۲) افضل الجهاد کلمة عدل عند سلطان جائر (ابوداؤد، ترمذی)

(ترجمہ) "افضل جہاد جابر حکمراں کے سامنے کلمہ انصاف کہہ دینا ہے۔"

(۳) ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ افضل جہاد کیا ہے، آپ

نے فرمایا:۔

كلمة حق عند سلطان جائر (نسائی با سناد صحيح)

(ترجمہ) "ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہہ دینا ہے۔"

(۴)والذی نفسی بيده لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر او ليوشكن الله ان يبعث عليكم عقابامنه، ثم تدعونه فلا يستجاب لكم (ترمذی)

(ترجمہ) "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ، تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور ضرور کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عقاب و عذاب برپا کرے گا، اس کے بعد تم اس سے دعا کرو گے تو تمہاری دعا مستجاب نہ ہوگی۔"

(٥) ان الناس اذاراؤا الظالم فلم ياخذوا علىٰ يديه، اوشک ان يعمهم الله بعقاب منه(ابو داؤد، ترمذی نسائی)

(ترجمہ) "جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑلیں تو قریب ہے کہ اللہ ان سب پر اپنا عام عذاب و عقاب برپا کردے گا۔"

(٦) انه يستعمل عليكم امراء فتعرفون وتنكرون، فمن كره فقد برئ، ومن انكر فقد سلم، ولكن من رضی وتابع قالوا يارسول الله الانقاتلهم؟ قال لاماقاموافيكم الصلوٰة، (مسلم)

(ترجمہ) "خوب سمجھ لو کہ تم لوگوں پر ایسے ایسے امیر و حاکم بنائے جائیں گے جنھیں تم اچھا اور برا سمجھو گے، جو آدمی ان کو ناپسند کرے وہ بری الذمہ ہے، اور جو ان

کا انکار کریگا، سلامت رہے گا، مگر جو ان سے راضی ہو کر ان کا تابع ہوگا، اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم لوگ ایسے امراء وحکام سے جنگ نہ کریں؟ آپ نے کہا، جب تک وہ تم میں رہ کر نماز پڑھیں اس وقت تک جنگ نہ کرنا۔"

(۷) عن عبادة بن الصامت قال با یعنا رسول اللّٰہ علیٰ السمع والطاعة فی العسر، والیسر، والمنشط والمکرہ، وعلیٰ اثرة علینا، وعلیٰ ان لاننازع الامر اھله الا ان تروا کفرا بواحا، عندکم من الله برھان، وعلیٰ ان نقول بالحق اینما کنا لا نخاف فی الله لومة لائم. (بخاری و مسلم)

(ترجمہ) "حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیان کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے ان باتوں پر بیعت کی، تنگی، کشادگی، خوشی، ناخوشی ہر حال میں سمع وطاعت پر اور مستحق کا حق غیر مستحق کو دے دینے پر صبر کرنے پر اور اس بات پر کہ ہم صاحب امر سے جھگڑا نہ کریں گے مگر اس صورت میں کہ تم لوگ کفر صریح دیکھو، اور تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل بھی ہو اور اس بات پر کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے، اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

(۸) من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد (بخاری مسلم)

(ترجمہ) "جو شخص ہمارے امر میں ایسی بات ایجاد کردے جو اس سے نہیں ہے تو اس کا یہ کام مردود ہے۔"

(۹) من عمل عملاً لیس علیه امرنا فھورد (مسلم)

(ترجمہ) "جو شخص ایسا کام کرے جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو اس کا وہ کام مردود ہے

(١٠) حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ عراق کے والی عبیداللہ بن زیاد کے پاس گئے اور کہا.

یا بنی انّی سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول ان شر الرّعاء الحطمة، فایّاک ان تکون منهم

(ترجمہ) " اے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بد ترین حکمران ظالم لوگ ہیں، اس لیے تم اس بات سے بچو کہ ان میں سے ہو۔ صحابی رسول ﷺ کی اس نرم و شیریں بات کو سن کر عبیداللہ بن زیاد نے کہا:۔

قال له اجلس فانما انت نخالة اصحاب محمد ﷺ

(ترجمہ) " بیٹھ جاؤ تم اصحاب محمد ﷺ میں (کھو کھلے) ہو۔"

اس کے اس جملہ کو سن کر حضرت عائذ نے فرمایا:۔

وهل كانت لهم نخالة، انما كانت النخالة بعد هم وفى غير هم (مسلم)

(ترجمہ) "کیا صحابہ میں نخالہ بھی تھے، نخالہ تو ان کے بعد اور ان کے سوا لوگوں میں تھا۔"

ان احادیث و واقعات کو دیکھئے اور سوچئے کہ اگر حسینؓ اور ان کے ہمراہی اس وقت ظلم و فسق کے مقابلہ میں کھڑے نہ ہو جاتے تو امت مسلمہ کا انجام کیا ہوتا اور بات کہاں سے کہاں جا پڑتی۔

یزید کے خلاف اقدام کی شدید ضرورت اور حسین رضی اللہ عنہ کا مقام

جب یزید کا فسق و فجور خلافت و امارت پانے کے بعد اور زیادہ ہو گیا اور وہ علی الاعلان غلط کاریوں میں مبتلا ہوتا رہا، جس کی خبر دور دراز مقامات تک پھیل گئی، تو ایسے وقت میں حضرت حسینؓ اس امام جابر اور خلیفہ غلط کار کے مقابلہ میں دین و دیانت کے خالص جذبہ اور حق و صداقت کی پاکیزہ نیت کے ساتھ نکلے، علامہ ابنِ خلدون مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

واما الحسینؓ فانه لما ظهر فسق یزید عند الکافّة من اهل عصره بعثت شیعة اهل البیت بالکوفه للحسینؓ ان یاتیهم فیقوموا بامره فرأی الحسین، انِ الخروج علیٰ یزید متعین من اجل فسقه لاسیما من له القدرة علیٰ ذالک وظنّهامن نفسه باهلیة و شوکة فاما الاهلیة فکانت کما ظن او زیادة واما الشوکة فغلط یرحمه الله فیها، (مقدمه ابن خلدون طبع مصر ص ۱۸۰)

(ترجمہ) "حسینؓ کا معاملہ یہ ہے کہ جب یزید کا فسق اس کے زمانہ کے تمام لوگوں پر ظاہر ہو گیا تو کوفہ میں اہل بیعت کے طرفداروں نے حسینؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان کے یہاں آجائیں، وہ لوگ اس کے معاملہ کو اٹھائیں گے، اس وقت حسینؓ نے سوچا کہ یزید پر خروج اس کے فسق و فجور کی وجہ سے ضروری ہے خصوصاً اس آدمی کے لیے جسے اس پر قدرت ہے، اور حسینؓ نے اپنی اہلیت اور شوکت کی وجہ سے قدرت و طاقت کا خیال کیا، جہاں تک اہلیت کا تعلق ہے، وہ ان کے گمان کے مطابق بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی مگر شوکت کے بارے میں انہوں نے غلط سوچا اس بارے میں اللہ ان پر رحم کرے۔"

اس کے بعد علامہ ابن خلدون نے شوکت میں غلطی کی وجہ بیان کی ہے کہ قبیلہ مضر

کی عصبیت سمٹ سمٹا کر قریش کے قبیلہ بنی امیہ کے اندر آگئی تھی، مگر اسلام نبوت اور وحی کی برکتوں کی وجہ سے اس پر پردہ پڑ گیا تھا، اور جب نبوت اور وحی کا انقطاع ہو گیا، اور عہد رسالت سے دوری ہو گئی، تو پھر بنو امیہ کی پرانی عصبیت عود کر آئی، مگر شوکت کے بارے میں حضرت حسینؓ کا واقعہ کے خلاف سوچنا کہ وہ بھی میرے ساتھ ہے، اور لوگ دین و دیانت کا ساتھ دے کر اس اقدام میں میری ہمنوائی کریں گے، ان کے لیے کسی صورت میں معیوب و نقصان دہ نہیں ثابت ہوا۔

فقد تبین لک غلط الحسین الا انه فی امر دنیوی لا یضره الغلط فیه، واما الحکم الشرعی فلم یغلط فیه لانه منوط بظنه وکان ظنه القدرة علی ذلک (ص۱۸۱)

(ترجمہ) "اس تفصیل سے تم کو حسینؓ کے اندزہ کی غلطی معلوم ہو گئی، مگر یہ غلطی دنیاوی امر میں ہوئی، اور یہ دنیاوی و سیاسی غلطی ان کے لیے نقصان دہ نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ ان کے اندازہ کی وجہ سے ہوئی، آپ کا اندازہ تھا کہ یزید پر خروج کی قدرت وطاقت ہے۔"

ارباب دین و دیانت کے نزدیک ارباب عزیمت کے اس قسم کے غلط اندازے کسی طرح معیوب و نقصان دہ نہیں ہوتے، مگر اہل حق کے کارناموں پر پردہ ڈالنے والے غلط کار جانبداروں کے نزدیک یہی باتیں عیب جوئی اور بہتان طرازی کے لیے بہانہ بن جاتی ہیں، اور وہ ان کو اپنے مزاج و ماحول کے مطابق رنگ و روغن دے کر پیش کرتے ہیں۔

ان ہی دنوں حضرت حسینؓ نے اہل بصرہ میں سے اپنے طرفداروں کے نام ایک خط لکھا، اور اپنے مولیٰ سلمان کے ہاتھ روانہ کیا، اس خط کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

من الحسین بن علی الی مالک بن مسمع والا حنف بن قیس ، والمنذر ابن الجارود ، و مسعود بن عمرو ، وقیس بن الهیثم سلام علیکم اما بعد فانی ادعوکم الی احیاء معالم الحق واماتة البدع فان تجیبوا تهتدوا سبل الرشاد ، والسلام (الاخبارالطوال ص۲۳۳)

حسین بن علیؓ کی طرف سے مالک بن مسمع، احنف بن قیس، منذر
بن ابی جارود و مسعود بن عمرو، اور قیس بن الہیثم کے نام السلام علیکم
امّا بعد میں تم لوگوں کو معالم حق کے احیاء اور بدعات کو
ختم کرنے کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم لوگوں نے اس دعوت کا
جواب دے کر لبیک کہا تو رشد و ہدایت کی راہ پا کر ہدایت یاب
ہو جاؤ گے "والسلام"

ان مسلّمہ تصریحات سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت حسینؓ کی دعوت یزید کے خلاف سراسر دین و دیانت کی دعوت تھی، اور اس میں کسی قسم کی نسلی یا خاندانی آمیزش نہیں تھی، نہ اس اقدام میں علیؓ کا بیٹا اور رسول ﷺ کا نواسہ ہونے کی وجہ سے استحقاق کا تصوّر تھا، اور نہ ہی حبّ جاہ اور دنیا طلبی کا جذبہ کام کر رہا تھا، نیز اس وقت جو صحابہ حضرت حسینؓ کے ساتھ نہ نکلے، اور نہ ہی ان کے اس اقدام پر نکیر کی وہ بھی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ حضرت حسینؓ کا یزید کے خلاف یہ اقدام صرف اس کے فسق و فجور کے ختم کرنے اور معالم حق کے اجاگر کرنے کے لیے ہے۔ چنانچہ حضرت حسینؓ عین یزید کے معرکہ میں شامی فوجوں کو للکار کر کہتے تھے، کہ میری

دعوت و حیثیت کو تم لوگ ان اجلہ صحابہ سے معلوم کرو جو میرے ساتھ نہ ہونے کے باوجود صورت حال سے اچھی طرح واقف ہیں، اور یزید اور میرے حالات کو جانتے ہیں،

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

وکان الحسین یستشهد بهم وهو یقاتل بکربلاء علیٰ فضله وحقه ویقول سلوا جابر بن عبدالله وابا سعید الخدری وانس بن مالک وسهیل بن سعید وزید بن ارقم وامثالهم (مقدمه ابن خلدون ص۱۸۱)

(ترجمہ) "اور جس وقت حسینؓ کربلا میں جنگ کر رہے تھے، اپنی فضیلت و اہلیت اور برحق ہونے پر ان ہی صحابہ کو گواہ بناتے تھے، اور مقابل فوجیوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ جابر بن عبداللہ، ابو سعید خدری، انس بن مالک، سہیل بن سعید، زید بن ارقم اور ان جیسے دوسرے صحابہ سے پوچھ لو۔"

ان ہی واقعات و حقائق کی روشنی میں علامہ ابنِ خلدون نے نہایت واضح الفاظ میں یزید کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کے اقدام اور خروج کو برحق قرار دے کر ان کو شہید مثاب و قتیل برحق قرار دیا ہے، اور قاضی ابو بکر بن العربی مالکی اندلسی صاحب "العواصم من القواصم" کا شدّومد سے ردّ کر کے ان کی غلطی کو بیان کیا ہے، اور یزید کی کارستانیوں کو اس کے فسق و فجور کے لیے موکد بتایا ہے

بل هی من فعلاته ، الموکدة لفسقه والحسینؓ فیها شهید مثاب وهو علیٰ حق واجتهاد...وقد غلط القاضی ابوبکر بن العربی المالکی فی هذا فقال فی کتابه الذی سماه بالعواصم والقواصم مامعناه ان الحسین قتل بشرع جده ،وهو غلط حملته علیه الغفلة عن

اشتراط الامام العادل ، ومن اعدل من الحسين فی زمانه فی امامته و عدالته فی قتال اھل الآراء(مقدمه ص۱۸۱)

(ترجمہ) "بلکہ حسینؓ سے یزید کی جنگ ان حرکتوں میں سے ہے جو اس کے فسق و فجور کو موکد بناتی ہیں، اور حسینؓ اس میں شہید ہو کر اللہ سے اجرو ثواب کے مستحق ٹھہرے اور وہ حق و اجتہاد پر تھے، اور قاضی ابو بکر بن العربی مالکی نے اس مسئلہ میں غلطی کی اور اپنی کتاب العواصم والقواصم میں لکھ دیا کہ حضرت حسینؓ اپنے نانا کی شریعت کے مطابق قتل کئے گئے، حالانکہ یہ رائے غلط ہے، انھوں نے یہ غلطی اس لیے کی کہ وہ امام عادل کی شرط سے غافل ہوگئے، اور حضرت حسینؓ سے بڑھ کر ان کے زمانہ میں دوسرا کون شخص امامت و عدالت کے اعتبار سے اہل آراء کے قتال کے لیے اعدل و برحق ہو سکتا تھا؟"

اسی طرح امام ابن تیمیہؒ نے حضرت حسینؓ کو نہایت واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں بلند مرتبہ اور پاک نیت تسلیم کیا ہے، حالانکہ انھوں نے یزید یا اس جیسے خلیفہ و امیر کے خلاف خروج کو غلط قرار دیا ہے، کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے، اور عموماً اس کے نتیجہ میں اہل حق پر اہل باطل غالب آجاتے ہیں، پھر بھی علامہ ابن تیمیہؒ نے ایسے مردان حق اور ارباب صدق و صداقت کو خاموش رہنے والوں کے مقابلہ میں ہر اعتبار سے بہتر قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

وھو اعظم قدرا عنداللّٰہ واحسن نیتاً من غیرھم (المنتقی ص۲۸۶)

(ترجمہ)" ایسے لوگوں کی قدرو منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہے، اور دوسروں کے اعتبار سے ان کی نیت بہتر ہے"

علامہ ابن تیمیہ نے حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں یزیدی فوجوں کو ظالم وطاغی قرار

دیتے ہوئے آپ کو شہید مظلوم بتایا ہے، اور یزیدی فوجوں کو ان کے قتل کا مجرم گردانا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

بل تمکن اولئک الظلمة الطغاة من سبط رسول اللہ ﷺ حتی قتلوہ مظلوما شہیدا (المنتقی ص۲۸۷)

(ترجمہ) "بلکہ ان ظالموں سرکشوں نے رسول اللہ ﷺ کے نواسے پر قبضہ پالیا یہاں تک کہ آپ کو ظلماً قتل کرکے شہید مظلوم بنا دیا۔"

آگے چل کر شہادت حسینؓ کو شہادت عثمانؓ کے ہم پلہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وکان قتل الحسین مّما اوجب الفتن کما کان قتل عثمان مّما اوجب الفتن (ص۲۸۷)

(ترجمہ) "اور شہادت حسینؓ کے نتیجہ میں فتنے برپا ہوئے، جس طرح کہ شہادت عثمانؓ کے نتیجہ میں فتنے برپا ہوئے۔"

ایک مقام پر یزیدی فوجوں کی شرارت اور حضرت حسین کی براءت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ آخر میں حضرت حسینؓ نے یزیدی فوجوں سے امن وامان کی بات کی، مگر انھوں نے آپ کو قتل کر ڈالا، ملاحظہ ہو:۔

اراد الرجوع فادرکتہ السریة الظالمة فطلب ان یذھب الیٰ یزید او یذھب الی الثغور اویرجع الی بلدہ فلم یمکنوہ من ذلک حتی یستاسرلھم ولکن ھو رضی اللہ عنہ ابی ان یسلم نفسہ وان ینزل علیٰ عبیداللہ بن زیاد و قاتل حتیٰ قتل شہیداً مظلوماً رضی اللہ عنہ

(المنتقی ص۲٦۸)

(ترجمہ) "آپ نے کربلا سے واپسی کا ارادہ کیا تو ظالم دستہ نے آپ کو پالیا، آپ نے یزید کے پاس جانے کی مہلت طلب کی یا صحرا سرحد کی طرف میں چلے جانے یا پھر اپنے شہر مدینہ میں لوٹ جانے کی پیش کش کی، مگر انھوں نے ان تین باتوں میں سے کسی ایک کو نہ ہونے دیا اور یہ کہ آپ پہلے ان کے قیدی بن جائیں مگر حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے کو ان کے حوالے کرنے سے اور عبیداللہ بن زیاد کے پاس جانے سے انکار فرمایا اور جنگ کی یہاں تک کہ قتل کردیئے گئے، اور شہید مظلوم ہوگئے۔"

علامہ ابنِ خلدون اور علامہ ابن تیمیہؒ کی ان تصریحات کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام خروج اور موقف کی حقیقت سامنے آجاتی ہے اور اس حقیقت پر پردہ ڈالنا آفتاب پر خاک ڈالنے کے مترادف بن جاتا ہے۔

امن و صلح کی کوشش اور اتمام حجت

حضرات حسنینؓ نے پوری زندگی امن و صلح کی بحالی کے لیے قربانیاں دیں حضرت حسنؓ اپنے حق سے حضرت معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہوئے، اور دونوں بھائیوں نے نہایت خوش دلی اور رضامندی سے نباہا، اور ہر طرح ان کا ساتھ دے کر اپنی طرف سے حجت تمام کردی، اور دوسروں کو خلاف امن و صلح سرگرمیوں سے برابر روکا۔

جن لوگوں نے ان حضرات کو ورغلایا، ان کا جواب نہایت سنجیدگی اور صفائی کے ساتھ دیا، چنانچہ جب حجر بن عدی اور عبیدہ بن عمرو نے حضرت حسنؓ کو اس پر ابھار دلایا

اور ورغلایا تو آپ نے ان کو جواب دیا:۔

قد بایعنا وعاھدنا ولاسبیل الی نقض بیعتنا (الاخبار الطوال ص۲۲۳)

(ترجمہ) "ہم معاویہؓ کی بیعت کر کے اس سے عہد کر چکے ہیں، اور ہماری بیعت کے توڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔"

علی بن محمد ہمدانی کا بیان ہے کہ میں اور سفیان بن معاذ دونوں مدینہ میں حسنؓ کے پاس گئے، اس وقت ان کے پاس مسیب بن عتبہ اور عبداللہ بن دواک تمیمی اور سراج بن مالک خثعمی موجود تھے، میں نے کہا السلام علیک یا مُذِلّ المومنین (تم پر سلام ہو اے مومنوں کے ذلیل کرنے والے) حسنؓ نے جواب دیا۔

(و علیک السلام اِجلس لست مذل المؤمنین، ولکنی معزھم ما اردت بمصالحتی معاویہ الا ان ادفع عنکم القتل عند ما رایت من تباطؤ اصحابی من الحرب و نکولھم من القتال واللّٰہلئن سرنا الیہ بالجبال والشجر وما کان بدامن امضاء ھذا الامر الیہ (ص۲۲۳)

(ترجمہ) "وعلیک السلام، بیٹھ جاؤ میں مومنوں کو رسوا کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ ان کو معزز بنانے والا ہوں، میں نے معاویہ سے صلح کر کے اس کے سوا کوئی ارادہ نہیں کیا ہے کہ تم لوگوں سے کشت و خون کو دفع کردوں، کیونکہ میں نے اپنے لوگوں کی جنگ سے سستی اور ان کے اس سے کترانے کو دیکھا خدا کی قسم اگر ہم معاویہؓ کے پاس پہاڑوں اور درختوں کی فوج لے کر جائیں تب بھی اس معاملہ کے جاری کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔"

حسنؓ سے یہ جواب پانے کے بعد ہم لوگ وہاں سے نکل کر حسینؓ کے پاس گئے اور ان کو حسنؓ کے جواب کی خبر دی تو انھوں نے کہا:۔

"صدق ابو محمد فلیکن کل رجل منکم حلسا من احلاس بیته مادام هذا الانسان حیًا." (ص۲۲۳)

(ترجمہ) "ابو محمد (حضرت حسن کی کنیت ہے) نے سچ کہا، تم لوگوں سے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے گھر کا فرش بن جائے، جب تک یہ انسان زندہ ہے۔"

اس کے بعد جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا، اور اہل کوفہ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اس مضمون کا خط لکھا کہ ہمارے یہاں کے شیعہ (طرفداران اہل بیت) آپ کی طرف نظر جمائے ہوئے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر لئے بیٹھے ہیں، وہ آپ کے برابر کسی دوسرے کو نہیں سمجھتے، ان کو آپ کے بھائی حسنؓ کی رائے جنگ کے دفع کرنے کے بارے میں معلوم ہے، اور وہ آپ کی نرمی اپنے دوستوں کے حق میں اور سختی اپنے دشمنوں کے حق میں پہچان چکے ہیں، اگر آپ اس امر خلافت کو طلب کرنا پسند کرتے ہیں تو ہمارے پاس آجائیے، ہم نے آپ کے ساتھ اپنے کو موت کے لیے پوری طرح تیار کر رکھا ہے۔"

اس خط کا جواب حضرت حسینؓ نے ان الفاظ میں دیا:۔

اما اخی فارجو ان یکون اللہ قد وفقه وسدده فیمایاتی، واما انا فلیس رائی الیوم ذاک فالصقوا رحمکم اللہ بالارض، وامکنوا فی البیوت واحترسوا من الفتنة مادام معاویة حیا فان یحدث اللہ به حدثا واناحی کتبت الیکم برائی والسلام (ص۲۲۳،۲۲۴)

(ترجمہ) "میرے بھائی کے بارے میں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی اور درست راہ دکھائی باقی رہا میرا معاملہ تو آج میری یہ رائے نہیں ہے، اللہ تم پر

رحم کرے، تم لوگ زمین سے لپٹ جاؤ اور گھروں میں چھپ رہو، اور جب تک معاویہ زندہ ہیں، فتنے سے بچتے رہو، اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے معاویہ کے سلسلہ میں کوئی نئی بات پیدا فرمادی ہو تو میں زندہ رہا، تو تمہارے پاس بھی اپنی رائے لکھ بھیجوں گا۔"

ان واقعات سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے امن و صلح اور عہد و پیمان کے لیے کیا کیا،

اعتراف و احترام،

خود حضرت معاویہؓ حضرت حسینؓ کی طرف سے ہر طرح مطمئن تھے، اور ان کی بیعت پر پورا پورا اعتماد رکھتے تھے، بلکہ اپنے عمال کو ان کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے روکتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک معاملہ میں کوفہ کے کچھ اعیان واشراف حضرت حسینؓ کے پاس مدینہ منورہ آئے، اور چند دنوں تک رہ کر ان کے پاس آتے جاتے رہے، اس وقت مدینہ کا گورنر مروان بن حکم تھا۔ اس کی خبر شدہ شدہ اس کے پاس پہونچی، اس نے اس صورت حال کو خطرناک سمجھتے ہوئے حضرت معاویہ کو لکھا کہ عراق سے کچھ لوگ یہاں حسین کے پاس آئے ہیں اور وہ ان کے پاس مقیم ہیں، اس بارے میں آپ مجھے مناسب مشورہ دیجیے حضرت معاویہ نے بڑے انشراح اور وثوق و اعتماد کے ساتھ مروان کو لکھا۔

لاتعرض للحسين فی شيئ، فقد بايعنا وليس بنا قض بيعتنا ولا مخفر ذمتنا

(ترجمہ) "تم کسی معاملہ میں حسینؓ سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو کیونکہ انھوں نے ہماری بیعت کر

لی ہے، اور وہ نہ ہماری بیعت توڑنے والے ہیں اور نہ ہمارے عہد کو ذلیل کرنے والے ہیں۔"

حضرت معاویہ نے مروان کو یہ لکھا اور خود حضرت حسینؓ کو یہ خط لکھا ہے:۔

اما بعد فقد انتہت الی امورمنک لست بہا حریًا لان من اعطی صفقۃ یمینہ جدیر بالوفاءِ فاعلم رحمک اللّٰہ انی متی انکرک تستنکرنی ، ومتی تکدنی اکدک فلا یستفزنک السفہاالذین یحبون الفتنۃ والسلام

(ترجمہ) "اما بعد آپ کی طرف سے میرے پاس چند ایسی باتیں پہونچی ہیں جو آپ کے شایان شان نہیں ہیں، کیونکہ جس نے اپنا ہاتھ دے دیا اسے وفاداری کرنی چاہیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت معاویہ کے اس مکتوب کے جواب میں حضرت حسینؓ نے نہایت ہی بلیغ اور جامع جواب لکھا، جس میں اپنی وفاداری اور ذمہ داری کا اعلان فرمایا۔

ما ارید حربک ولا الخلاف علیک(ص۲۲۶)

"میں آپ سے نہ جنگ چاہتا ہوں، اور نہ آپ سے اختلاف کرنا چاہتا ہوں"

اس کے بعد علامہ ابوحنیفہ دینوری نہایت واضح الفاظ میں لکھتے ہیں۔

قال ولم یرا الحسین ولا الحسن طول حیاۃ معاویۃ منہ سوء فی انفسہما ولا مکروہا، ولا قطع عنہما شیاء مما کان شرط لہما ولا تغیر لہما من برِ(ص۲۲۶)

"حسنؓ اور حسینؓ نے معاویہ کی زندگی بھر ان کی طرف سے اپنے بارے میں کوئی

برائی نہیں دیکھی اور نہ معاویہ نے ان دونوں حضرات سے ایسی چیز (وظیفہ وغیرہ) بندکی جس کی ان کے لیے شرط لگائی تھی اور نہ ہی ان حضرات کے ساتھ حسن سلوک میں فرق آنے دیا۔"

حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت وامارت کے پورے زمانہ میں حضرت حسنؓ اور ان کے بعد حضرت حسینؓ کے ساتھ حسنِ سلوک اور محبت و مروت کا رویہ رکھا، اور ان حضرات نے بھی نہایت ذمہ داری سے بیعت صلح کو فرض کے ساتھ نبھایا، اور جب کبھی ان کے طرفداروں نے ورغلایا تو ان کو صاف صاف جواب دیا گیا کہ ہم صلح اور بیعت کے بعد بدعہدی اور بے وفائی نہیں کر سکتے، بھائی کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ نے تمام باتوں کو قائم رکھا، اور ان میں سر مو فرق نہ آنے دیا، اسی طرح حضرت معاویہؓ نے بھی ان کا پورا پورا لحاظ واحترام فرمایا۔

اس کے بعد جب حضرت معاویہؓ ۶۰ھ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اس حالت میں بھی ان کو خاص طور سے حضرت حسینؓ کا خیال رہا، چنانچہ انھوں نے یزید کو وصیت کے لیے یاد فرمایا، مگر وہ اس وقت شہر دمشق سے غائب تھا، اور جب انتظار کے بعد نہ آیا تو اپنے پولیس افسر ضحاک بن قیس فہری اور اپنے محافظ مسلم بن عقبہ کو بلایا، اور ان سے کہا کہ میری یہ باتیں یزید کو پہونچا دینا حضرت معاویہؓ نے جہاں یزید کو اور باتوں کی وصیت کی وہاں یہ بھی فرمایا "یزید کے بارے میں مجھے جن چار آدمیوں کی طرف سے خطرہ ہے ان میں سے ایک حسین بن علیؓ بھی ہیں، مگر بہر حال ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ضروری ہے۔"

فاما الحسين بن علي فاحسب اهل العراق غير تاركيه حتى

يخرجوه فان فعل فظفرت به فاصفح عنه(ص۲۲۷)

(ترجمہ) "رہا حسین بن علیؓ کا معاملہ تو میرا خیال ہے کہ اہل عراق ان کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، پس اگر وہ تمھاری مخالفت بھی کریں اور تم ان پر قابو بھی پاؤ تو ان سے در گذر کرنا۔"

امن و صلح خطرے میں

مگر جب یزید کو تخت امارت مل گیا تو اس نے سب سے پہلا حکم یہی دیا کہ ان چاروں کی بیعت فوراً زبردستی لی جائے، اور اس میں کسی قسم کی رعایت نہ کی جائے اور نہ دیر ہونے پائے۔

فلم تكن ليزيد همة حين ملك الا بيعة هؤلاء الاربعه

(ترجمہ) "جس وقت یزید امارت و خلافت کا مالک ہوا ان چاروں کی بیعت کے علاوہ اس کو کوئی دھن نہیں تھی۔"

چنانچہ اس نے مدینہ کے عامل ولید بن عتبہ بن ابو سفیان (اپنے چچا) کو لکھا۔

ان ياخذهم بالبيعة اخذ اشديدا لا رخصة فيه (ص۲۲۸)

(ترجمہ) "ان چاروں سے سخت قسم کی بیعت لے اس میں ذرا مہلت نہ ہونے پائے۔"

یزید کا یہ تند و تیز اور ناعاقبت اندیشانہ اور باپ کی وصیت کے خلاف خط دیکھ کر ولید بہت گھبرائے، کیونکہ اس سے فتنہ کا ڈر تھا، انھوں نے مروان سے مشورہ کیا، مروان بڑا چالاک تھا، اس نے بھی حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت لینے اور انکار پر قتل کردینے کا مشورہ دیا نیز اس نے کہا

لکن علیک بالحسین بن علیؓ وعبداللّٰه بن الزبیرؓ فابعث الیهما الساعة فان بایعا والا فاضرب اعناقهما قبل ان یعلن الخبر، فینبعث کل واحد منهما ناحیة ویظهر الخلاف (ص۲۲۹)

(ترجمہ) "تم حسین بن علیؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو پکڑو، اور اسی وقت ان کو بلوا بھیجو اگر وہ دونوں بیعت کر لیں تو خیر ورنہ اس سے پہلے ان دونوں کی گردن مار دو کہ معاویہ کے انتقال کی خبر عام ہو، اور ان دونوں میں سے ہر ایک کسی کسی علاقہ میں اُچھل پڑے، اور مخالفت ظاہر کرنے لگے۔"

ولید حضرت معاویہؓ کی پالیسی کے آدمی تھے، طبعاً صلح پسند تھے، اور حضرت حسینؓ کا بڑا احترام کرتے تھے، انھوں نے حضرت حسین کو بلایا، اور دار الامارہ میں مروان کے سامنے یزید کا خط سنا کر بیعت کے بارے میں بات کی، حضرت حسین نے فرمایا۔"

ان مثلی لا یعطی بیعته سراً وانا طوع یدیک فاذا جمعت الناس لذالک حضرت وکنت واحدا منهم (ص۲۲۹)

(ترجمہ) "مجھ جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کرتا، میں تو آپ کے ہاتھ میں ہوں، جب آپ اس کام کے لیے عام لوگوں کو جمع کر لیں گے تو میں حاضر ہو کر ان میں ہو جاؤں گا۔" ولید نے حضرت حسینؓ کی صاف ستھری اور دانشمندانہ بات سن کر کہا کہ اچھا اس وقت جائیے، اور لوگوں کے ساتھ پھر ہمارے پاس آئیے گا، حضرت حسینؓ کے چلے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا کہ تم نے میری بات نہیں مانی، خدا کی قسم اب امکان جاتا رہا، مروان کی ان باتوں کو سن کر ولید نے نہایت صفائی سے کہا۔

"اے مروان! تم پر افسوس ہے، کیا مجھے رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ کے لڑکے

حسینؓ کو قتل کرنے کا اشارہ کرتے ہو، خدا کی قسم جس آدمی کا محاسبہ قیامت کے دن حسینؓ کے خون کے بارے میں ہوگا اس کے اعمال کا ترازو اللہ کے یہاں ہلکا ہوگا۔"
(الاخبار الطوال ص ۲۲۹)

ان بیانات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ کو یزید کی بیعت سے کوئی عذر نہیں تھا، البتہ وہ چار آدمیوں سے خفیہ اور زبردستی بیعت لینے کے خلاف تھے، اور چاہتے تھے کہ یہ بیعت اہل مدینہ اور مہاجرین وانصار کے مجمع میں ہو جیسا کہ اب تک ہی ہوتا رہا ہے، بلکہ علامہ ابنِ خلدون نے لکھا ہے کہ مروان نے عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ کے قتل کرنے کی بات حضرت حسینؓ کے سامنے ہی ولید سے کہی، جس کا آپ نے فوراً جواب دیا، تاریخ ابنِ خلدون میں ہے۔

"مروان بولا، ان کو بغیر بیعت کئے ہوئے نہ جانے دو، ورنہ ان جیسے شخص سے بیعت نہ لے سکو گے جب تک تم میں اور ان میں خون کا دریا نہ رواں ہوگا، اور اگر تم ایسا نہیں کروگے تو میں لپک کر ان کی گردن اڑا دوں گا، اس فقرہ کے تمام ہوتے ہی حسین بن علیؓ نے ڈانٹ کر کہا "تو مجھے قتل کردے گا؟ واللہ تو جھوٹا ہے" مروان یہ سن کر دب گیا، آپ لوٹ کر اپنے مکان پر تشریف لائے، مروان ولید کو ملامت کرنے لگا۔"
(ترجمہ تاریخ ابن خلدون ج ۵ ص ۶۹)

اس یزیدی اور مروانی سیاست کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کی اور حضرت ابن زبیرؓ کی دیانت وامانت اپنے کو ہر طرف سے غیر محفوظ پارہی تھی، جس کی وجہ سے حالات کا رخ بدلنے لگا،

چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی عزت وآبرو اور جان بچانے کی غرض سے

مدینہ منورہ کو خیر باد کہا، انھوں نے ولید سے اس کا اظہار بھی کیا تھا، علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

"باقی رہے عبداللہ بن زبیرؓ وہ اپنے اعزہ واقارب کو مجتمع کرکے اپنے مکان میں چھپ رہے، ولید آدمی پر آدمی بلانے کو بھیجنے لگا، آخر الامر اپنے غلاموں کو ابن الزبیر کے گرفتار کرانے پر متعین کیا، غلاموں نے سخت وست کہا، چاروں طرف سے مکان کو گھیر لیا، ابن الزبیرؓ نے مجبور ہو کر اپنے بھائی جعفر کے ذریعہ ولید کے پاس کہلا بھیجا، تمھارے غلاموں نے میری بے عزتی کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، تم ذرا صبر کرو، میں کل آؤنگا، تم اپنے غلاموں اور آدمیوں کو بلا لو، ولید نے اپنے غلاموں کو واپس بلا لیا۔ (ص ۶۹، ۷۰)

اس کے بعد حضرت ابن زبیرؓ عزت وآبرو اور جان بچانے کے لیے رات کو مکہ روانہ ہوگئے، اور ولید نے ان کے تعاقب میں آدمی روانہ کئے، ان آدمیوں نے ناکام واپس آکر حضرت حسینؓ کے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا، علامہ ابن خلدون کا بیان ہے۔

"تمام دن یہ لوگ حسین بن علیؓ کو تنگ کرتے رہے، ولید بار بار آپ کو بلا بھیجتا تھا، اور آپ نہ جاتے تھے، پھر آپ نے آخر میں کہلا بھیجا، رات کا وقت ہے، اس وقت صبر کرو، صبح ہونے دو، دیکھا جائے گا، (ص ۷۰)

اس طرح ابن زبیرؓ کے نکل جانے کے بعد حضرت حسینؓ پر مشق سیاست ہونے لگی، اور ان کے لیے بھی عزت وآبرو سے اپنے گھر میں بال بچوں کے ساتھ رہنا خطرہ میں پڑ گیا۔

حضرت محمدؓ بن حنفیہؒ کا مشورہ

حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ تمام صورت حال سے اچھی طرح آگاہ تھے، انھوں نے اپنے بھائی حضرت حسینؓ کو مدینہ سے عزت و آبرو کے ساتھ جان بچا کر نکل جانے کا مشورہ دیا، اور حضرت حسینؓ نے ان کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے مکہ کی راہ لی تھی، علامہ ابن خلدون کا بیان ہے۔

"صرف محمد بن الحنفیہ رہ گئے، مکہ معظمہ جانے کی محمد بن الحنفیہ ہی نے رائے دی تھی، کہ تم یزید کی بیعت سے اعراض کرکے کسی دوسرے شہر میں چلے جاؤ اور وہاں سے اپنے دعاۃ کو اطراف و جوانب بلاد اسلامیہ میں روانہ کرو، اگر وہ لوگ تمہاری بیعت منظور کرلیں تو اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا، اور اگر تمہارے سوا انھوں نے متفق ہو کر کسی دوسرے کو امیر بنا لیا تو تم کو اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا، نہ تمہارے دین کو مضرت پہونچے گی، اور نہ تمہاری عقل کو، نہ اس میں تمہاری آبرو ریزی ہوگی، مجھے اندیشہ اس کا ہے کہ کہیں تم ایسے شہر یا ایسی قوم میں نہ چلے جاؤ جس میں سے کچھ لوگ تمہارے ساتھ اور کچھ لوگ تمہارے مخالف ہوں، اور جس سے بدی کی ابتدا تم ہی سے ہو حسین بن علیؓ نے دریافت کیا، اچھا ہم کہاں جائیں، جواب دیا مکہ جاؤ، اگر تم کو انھیں کے ساتھ یہ باتیں وہاں حاصل ہو جائیں تو فبہا ورنہ ریگستان اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں چلے جانا، اور ایک شہر سے دوسرے شہر کا رخ کرنا، یہاں تک کہ کوئی امر لوگوں کے اجتماع و اتفاق سے طے ہو جائے، حسین بن علیؓ

نے اس رائے کو پسند کیا، بھائی سے رخصت ہو کر نہایت سریع السیری کے ساتھ مکہ میں آپہونچے۔ (ص ۷۰)

اس مشورہ کے بعد حضرت حسینؓ نے دوسری رات کو دارو گیر سے بچتے ہوئے اپنے وطن مدینہ منورہ کو خیر باد کہا، جس کے بعد پھر ان کو اس کی طرف واپسی نصیب نہ ہو سکی، علامہ دینوری لکھتے ہیں۔

"جب شام ہو گئی اور رات کی سیاہی چھا گئی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی مکہ مکرمہ کی طرف چلے، ان کے ہمراہ ان کی دو بہنیں ام کلثوم اور زینب اور بھائیوں کے بیٹے ابو بکر، جعفر، عباس، اور آپ کے اہلبیت سے جو لوگ مدینہ میں تھے سب کے سب نکلے، صرف ان کے بھائی محمد بن حنفیہ نہیں نکلے اور وہیں مقیم رہے۔"

(الاخبار الطوال ص ۲۳۰)

حضرت مسلم بن عقیل بھی حضرت حسینؓ کے ہمراہ ہی مدینہ سے مکہ چلے آئے تھے، ادھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ مکہ معظمہ پہونچے، اور ادھر مدینہ منورہ میں وہی تماشا برپا ہو گیا، جس کے خوف سے یہ حضرات نکلے تھے، علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں۔

"ان واقعات کی اطلاع یزید کو ہوئی تو اس نے ولید بن عتبہ کو مدینہ منورہ کی حکومت سے معزول کر کے عمرو بن سعید الاشدق کو مامور کیا، چنانچہ عمرو بن سعید ماہ رمضان المبارک ۶۰ھ میں داخل مدینہ منورہ ہوا، اس نے محکمہ پولیس کی افسری عمرو بن الزبیر کو دی، اس وجہ سے کہ ان میں اور ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر میں کسی وجہ سے ناچاقی و کشیدگی تھی، چنانچہ اس نے اسی وجہ سے مدینہ منورہ کے چند لوگوں کو جو

ہوا خواہ عبداللہ بن زبیر تھے، گرفتار کرا کے چالیس سے پچاس ساٹھ درّے تک پٹوائے، ازانجملہ منذر بن الزبیر، اوران کا لڑکا محمد اور عبدالرحمن بن الاسود بن عبد یغوث، عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزم، محمد بن عمار بن یاسر وغیرہم تھے، بعد اس کے عمرو بن سعید نے سات سو یا اس سے زیادہ آدمیوں کو مکہ کی طرف روانہ کرنے کو مسلح و مرتب کیا، عمرو بن الزبیر سے ان کی افسری کی بابت مشورہ لیا، عمرو بن الزبیر نے جواب دیا، مجھ سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے لیے موزوں نہ ہوگا، پس عمرو بن سعید نے عمرو بن الزبیر کو بسرافسری سات سو جنگ آوروں کے جس میں انیس بن عمرو الاسلمی بھی تھا، مکہ معظمہ کی طرف روانہ کیا۔" (ترجمہ تاریخ ابن خلدون ص ۱۷۲،۷۱-ج ۵)

مکہ پر فوج کشی کو دیکھ کر مروان جیسے سخت قلب انسان کا دل پسیج گیا اور وہ ملامت کر کے کہنے لگا، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بیت اللہ کی حرمت کو حلال نہ کرو، عبداللہ بن الزبیرؓ سے درگذر کرو، ساٹھ برس کی اس کی عمر ہو گئی، وہ کیا اس کی مخالفت کرے گا مروان کی ان ناصحانہ باتوں کو سن کر عمرو بن سعید نے کہا۔

"واللہ میں اس سے عین خانہ کعبہ میں لڑوں گا،" (ص ۷۲)

اس کے بعد عمرو بن سعید اور عمرو بن زبیر نے مکہ معظمہ پر فوج کشی کی، اور عبداللہ بن زبیر سے مقابلہ کیا،

بہر حال حضرت حسینؓ نے بھی مکہ آکر اپنے خاندانی مقام "شعب علیؓ" میں قیام فرمایا، اور لوگ جوق در جوق ان کی زیارت کے لیے آنے لگے، اور اس درمیان میں کوئی ایسی بات نہ حضرت حسینؓ کی طرف سے اور نہ ہی حضرت ابن زبیرؓ کی طرف سے ہوئی

جس میں یزید کی امارت کے خلاف کسی قسم کا خطرہ تھا، مگر یزید نے مکہ مکرمہ کے پرانے عامل کو معزول کر کے اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کیا، علامہ دینوری الاخبار الطوال میں لکھتے ہیں:۔

پھر یزید نے یحییٰ بن صفوان بن امیہ کو مکہ سے معزول کر کے عمرو بن سعید بن عاص بن امیّہ کو وہاں کا عامل بنایا (ص ۲۳۰، ۲۳۱)

یزید کے رجحان اور منشاء کی روشنی میں مدینہ منورہ کے عامل کو بدل دینا اور حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ کے مکہ مکرمہ میں پہونچتے ہی وہاں کی حکومت میں تبدیلی کی وجہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

جب اہل کوفہ کو حضرت حسینؓ کے مکہ چلے جانے کی خبر لگی تو انھوں نے مشورہ کر کے اپنی طرف سے حضرت حسینؓ کے نام ایک خط لکھا جو ۲۰ رمضان کو آپ کو ملا، مگر آپ نے اس خط کو کھولا تک نہیں، اور اسے کوئی اہمیت نہ دی۔

ثم لم یمس الحسین یومہ ذلک (الاخبار الطوال ص۲۳۱)

(ترجمہ) ''حسین نے اس دن ان خطوط کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔''

مگر جب خطوط کے انبار لگ گئے، اور اہل کوفہ کی طرف سے بے حد اصرار ہونے لگا تو آپ نے ان کو جواب دیا جس میں تھا کہ میں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو تحقیق کے لیے روانہ کر رہا ہوں۔

اس کے بعد اس واقعہ کے مبادی شروع ہو گئے، جسے واقعہ کربلا یا شہادت حسینؓ کہا جاتا ہے۔

بحث اسلام صبر و ضبط

مؤلف نے یزید کی سیرت کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کے مقابلہ میں خروج کرنے والے کو قابل گردن زدنی اور جاہلیت کی موت مرنے والا اور حکم رسول سے منحرف قرار دینے کے لیے صفحہ ۶۰ سے ۶۶ تک چند احادیث و آثار کو نقل کیا ہے جن میں اطاعت امیر کا حکم دیا گیا ہے، اور خروج سے ممانعت کی گئی ہے، حالانکہ یہ تمام احادیث اس امیر و خلیفہ کے بارے میں ہیں جو کسی وجہ سے امر خلافت پر قابض و دخیل ہو جائے، اور عامۃ المسلمین مصالح دینیہ کی بنا پر اسے امیر و خلیفہ تسلیم کر لیں۔ یقیناً ایسے امیر و خلیفہ کے خلاف جو فی نفسہ اچھا ہو یا برا مگر جب اسے عامۃ المسلمین نے حالات کے تقاضے کی بنا پر پورے طور سے خلیفہ مان لیا ہو اور اس کی بیعت ہو گئی تو اب خروج کرنا فتنہ کو دعوت دینا ہے، اور امت میں انتشار پیدا کرنا ہے، اس لیے اس کے خلاف خروج کے بجائے ایسی کارروائی کرنی چاہیے جس سے اسلام کا بول بالا رہے۔ اور اپنے کسی اقدام سے اسلام کو نقصان نہ پہونچے چنانچہ ان ہی احادیث پر عمل کرتے ہوئے ان صحابہ کرام نے یزید کے معاملہ میں خاموشی اختیار کی، جن کے نزدیک اس کے خلاف اقدام سے فتنہ کا ڈر تھا۔

اور جن صحابہ کرام نے دیکھا کہ ابھی یزید کی بیعت تام نہیں ہوئی اور وہ عامۃ المسلمین کی طرف سے خلیفہ تسلیم نہیں کیا گیا ہے، وہ اس کے خلاف اٹھے، انھوں نے کسی خلیفہ کے خلاف خروج نہیں کیا بلکہ عین اس وقت جبکہ ایک شخص خلافت پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، انھوں نے بھی بہتر صورت پیدا کرنے کی کوشش

کی، باقی رہا حضرت معاویہ رضؓ کا پہلے ہی سے یزید کو ولی عہد بنا دینا تو یہ ان کا اجتہاد تھا، اور اس سے ان کا منشا بعد میں فتنہ و فساد کو روکنا تھا، مگر فی نفسہ ان کا یہ اقدام کوئی شرعی حجت نہیں تھا، اور نہ مسلمانوں نے اس وقت تک اس طرح اقدام کیا تھا، کہ کسی کو پہلے سے ولی عہد بنا کر بعد میں اس کو ولی عہدی کی بنا پر خلیفہ مان لیا ہو، ان کے نزدیک وامرھم شوریٰ بینھم کا قانون تھا، ولی عہدی کوئی چیز نہیں تھی، اس لیے ان کا یہ اقدام نہ خلیفہ کے خلاف خروج ہوا، نہ اطاعت امیر کے خلاف ہوا، نہ ان کی موت جاہلیت کی طرح انتشار و افتراق کی موت ہوئی اور نہ ہی وہ قابل گردن زدنی تھے۔

ور جن صحابہ نے اس حالت میں صبر و سکون سے کام لیا انھوں نے بحق اسلام "ہر طرح کی اثرہ" اور حق تلفی دیکھتے ہوئے اسلام کی اجتماعیت اور وحدت کے لیے سب کچھ برداشت کیا، اگر اس وقت صحابہ کرام کلی طور سے شامی غلبہ اور مضری عصبیت کے مقابلے پر آجاتے تو خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہو جاتا، اور ایران و روم کی طاقتیں اس سے کیا فائدہ حاصل کر لیتیں، صحابہ کرام نے بنسی، خوشی اور تسلیم و رضا کے طور پر اس نازک زمانہ میں خاموشی اختیار نہیں کی، بلکہ سینے پر پتھر رکھ کر اور رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کر کے اسلام کی عظمت و جمعیت کو باقی رکھا، اس سلسلہ میں چند احادیث و آثار ملاحظہ ہوں،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قال لنا رسول اللّٰہ انکم سترون اثرۃ واموراً تنکرونھا قالوا فما تامرنا یارسول اللّٰہ، قال ادوا الیھم حقھم وسلوا اللّٰہ حقکم (بخاری و مسلم)

(ترجمہ) "ہم سے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ عنقریب اثرہ اور ایسے

معاملات دیکھو گے جن کو ناپسند کرو گے، اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، ایسے زمانہ میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا تم ان کا حق ان کو ادا کرو، اور اپنے حق کو اللہ سے طلب کرو۔"

حافظ ابن حجر نے اثرہ کی مختصر تفسیر یوں کی ہے حاصلھا الاختصاص بحظ دنیوی فتح الباری (ج ۳۔ ص ۴) یعنی اثرہ کا مطلب دنیاوی مفاد کو مخصوص کرنا ہے اور کسی چیز پر ایک آدمی کا حق ثابت ہوتے ہوئے، اسے خود لے لینا یا اپنے اثر و طاقت سے دوسرے کو دے دینا ہے، ایسے زمانہ میں خلفاء کا حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زکوٰۃ ان کو دو، اور ان کے زیر انتظام جہاد میں اگر تم کو جانا پڑے تو جاؤ تاکہ اسلام کی طاقت پر زد نہ پڑے، اور اپنے حقوق کے لیے خدا سے دعا کرو اور ان سے مطالبہ و مقابلہ نہ کرو،

عن اسید بن حضیرؓ ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ استعملت فلانا ولم تستعملنی قال انکم سترون بعدی اثرۃ فاصبروا حتی تلقونی. (بخاری ومسلم)

حضرت اسید بن حضیر سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ، آپ نے فلاں آدمی کو عامل بنایا، اور مجھے عامل نہیں بنایا، آپ نے فرمایا "کہ تم لوگ میرے بعد ترجیح اور حق تلفی دیکھو گے پس صبر کرو، یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔"

حضرت زبیر بن عدیؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حجاج بن یوسف کے مظالم کی شکایت کی، تو انھوں نے سن کر فرمایا:۔

اصبروا فانه لایاتی علیکم زمان الا والذی بعده شر منه حتی تلقوا ربکم سمعته من نبیکم(بخاری کتاب الفتن)

(ترجمہ) "تم لوگ صبر سے کام لو، کیونکہ اب تمھارے سامنے جو زمانہ بھی آئے گا اس کے بعد کا زمانہ اس سے برا ہو گا، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملو، یہ نصیحت میں نے تمھارے نبی ﷺ سے سنی ہے۔"

ان احادیث و آثار میں جس اثرہ اور حق تلفی کی خبر دی گئی ہے، اس کے بارے میں کیا کیا جائے گا، اور خلافت و امامت کی ذمہ داریاں کن کے مناسب تھیں، اور کیسے کیسے لوگ عہدوں پر آئے ان کو چھپایا نہیں جا سکتا، پس اطاعت امیر کا حکم ہر حال میں اس لیے نہیں ہے کہ وہ خواہ کیسے ہی ہوں فی نفسہ مطاع ہیں، بلکہ صرف اسلامی جمعیت اور ملی وحدت کے بقاؤ تحفظ کے لیے اس کا شدت سے حکم دیا گیا ہے، اور بحق اسلام، ہر قسم کے حالات برداشت کرنے اور وحدت اسلامیہ کو برقرار رکھنے کو کہا گیا ہے، اور امیر و خلیفہ کے اچھے برے ہونے سے قطع نظر کر کے اسلامی مفاد کو بچایا گیا ہے۔

یزید کی روش اور عام صحابہؓ اور جمہور امت کا موقف

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطا کار، غلط کار جاہ طلب اور نسل و خاندان پر منصب کا دعویدار بتاتے ہوئے مؤلف نے یزید کو پاک سیرت نیکو کار بتایا ہے اور اس میں کسی ایسی خامی کا وجود نہیں تسلیم کیا، جس کی وجہ سے اس کے خلاف خروج جائز ہو، اور اسے بغاوت و سرکشی سے تعبیر نہ کیا جائے، بلکہ بتانا چاہا ہے کہ صرف حسینؓ اور ان کے چند ہوا خواہ ایسے برگزیدہ اور مسلمہ امیر و خلیفہ کے خلاف علم بغاوت لے کر اٹھے، اور دوسرے تمام صحابہ اور جمہور امت یزید سے راضی اور خوش تھے، اور ان کو اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی تھی، چنانچہ مؤلف لکھتے ہیں:۔

"ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تابعین کرام کی شامل تھی، امیر یزید کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہ آتی تھی، جس کی بنا پر عقد بیعت خلافت ناجائز ٹھہرے، یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج و بغاوت کا جواز نکالا جاسکے۔" (ص ۴۱)

نیز ارشاد ہوتا ہے:۔

"مگر ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسینؓ کا ساتھ کسی طرح نہیں دیا (صفحہ ۸) آگے چل کر لکھتے ہیں۔

کردار خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا (ص ۹۷)

حالانکہ جن مورخوں اور عالموں کو مؤلف نے سند امامت عطا کی ہے اور ان کو

معتبر و مسلم تسلیم کیا ہے، ان ہی کی کتابوں میں یزید کے کردار اور صحابہ کرام اور جمہور امت کے موقف کا بیان نہایت صفائی کے ساتھ موجود ہے، مگر اس کو مؤلف نے حسب عادت چھپا کر ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ مورخین و مولفین بھی حضرت حسینؓ کو باغی اور یزید کو خلیفہ برحق سمجھتے ہیں، یہاں پر ہم صرف علامہ ابنِ خلدون کی تصریحات پیش کرتے ہیں، اور فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔

علامہ ابن خلدون یزید کو ولی عہد بنانے کی مصلح کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں پر چند ایسے معاملات ہیں جن کے بارے میں حق بات بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

الأول منها ما حدث فی یزید من الفسق ایام خلافته فا یّاک ان تظن بمعاویة رضی الله عنه انه علم بذلک من یزید، فانه اعدل من ذالک وافضل بل کان یعذله ایام حیاته فی سماع الغناء وینهاه عنه، وهو اقل من ذلک. (مقدمه ص۱۷۶، ۱۷۷)

(ترجمہ) "پہلا معاملہ یزید کے فسق کا ہے، جو اس کے زمانہ خلافت میں ظاہر ہوا خبردار تم معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان مت کرنا کہ وہ یزید کے فسق و فجور کو جانتے تھے کیونکہ وہ اس سے بالاو بلند تر ہیں کہ یزید کے فسق کو جان کر اسے ولی عہد بنائیں، بلکہ وہ اپنی زندگی میں یزید کو اس کے گانا سننے پر ملامت کرتے تھے، اور اس سے روکتے تھے حالانکہ گانا سننا فسق سے کم درجہ کا تھا،

ویسے تو صحابہ کرام اور اس دور کے لوگوں کے خیالات یزید کے بارے میں پہلے ہی سے مختلف تھے، مگر جب زمانہ امارت و خلافت میں اس کا فسق کھل کر منظر

عام پر آگیا تو تمام صحابہ کرام نے اس کے بارے میں اختلاف کیا، اور یہ اختلاف اس کے فسق و فجور کے بارے میں نہیں تھا، بلکہ اس بارے میں تھا کہ ایسی حالت میں اسے امیر و خلیفہ تسلیم کرنا چاہئے، اور اس کی بیعت کو باقی رکھنا چاہئے یا توڑ دینا چاہئے یہ اسکے اختلاف کا نتیجہ یہ نکلا کہ باہمت اور باعزیمت صحابہ تو اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اور عام صحابہ اور جمہور مسلمین نے اس کے فسق و فجور کے باوجود فتنہ و فساد اور قتل و غارت کے ڈر سے کھل کر خروج نہیں کیا، بلکہ دعا کرتے رہے کہ یا تو اسے ہدایت نصیب ہو، یا پھر اس سے امت کو نجات مل جائے، علامہ ابنِ خلدون صحابہ کے موقف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:-

وكانت مذاهبهم فيه مختلفة ومما حدث فى يزيد ما حدث من الفسق اختلف الصحابة حينئذ فى شانه فمنهم من راى الخروج عليه ونقض بيعته من اجل ذلک كمافعل الحسين و عبدالله بن الزبير رضى الله عنهما ومن اتبعهما، ومنهم من اباه لمافيه من اثارة الفتنة وكثرة القتل مع العجز عن الوفاء، لان شوكة يزيد يومئذ هى عصابة بنى اميه، و جمهور اهل الحل و العقد من قريش، و تتبع عصبية مضراجمع وهى اعظم من كل شوكة ولا تطاق مقاومتهم فاقصروا عن يزيد بسبب ذالک واقاموا على الدعاء بهدايته والراحة منه، وهذا كان شان جمهور المسلمين، (مقدمه ص۱۷۷)

یزید کے بارے میں صحابہ کے خیالات مختلف تھے اور جب یزید میں فسق و فجور ظاہر ہوا تو اس وقت صحابہ نے اس بارے میں اختلاف کیا، پس ایک جماعت یزید کے

فسق و فجور کی وجہ سے اس کے خلاف خروج کرنے اور اس کی بیعت توڑنے کی قائل ہو گئی، جیسا کہ حضرات حسین و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں نے کیا، اور دوسری جماعت یزید کے خلاف خروج و نقض بیعت کی منکر تھی، اس لئے کہ اس سے فتنہ برپا ہوگا، اور قتل کی کثرت ہو گی، اور یہ اقدام کماحقہ کامیاب نہ ہو گا، کیونکہ اس وقت شوکت و طاقت بنوامیہ میں تھی، اور جمہور اہل حل و عقد قریش سے تھے، نیز اسی کے ساتھ پورے قبیلہ مضر کی عصبیت بھی کام کر رہی تھی، جو سب سے بڑی طاقت تھی، اور ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں تھی، اسی وجہ سے دوسری جماعت خاموش رہی اور یزید کی ہدایت یا اس کے شر سے محفوظ ہو جانے کی دعا کرتی رہی، جمہور مسلمانوں کا یہی رویہ تھا۔"

ان تصریحات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جہاں تک یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے صحابہ کرام کے نفرت کرنے کا تعلق ہے، اس میں سب صحابہ متفق تھے، اس میں اختلاف نہیں تھا، البتہ اس کے خلاف خروج کرنے میں ان کا اجتہادی اختلاف تھا،

یزید کے خلاف اقدام نہ کرنے والے صحابہ اور تابعین کے نقطہ نظر کو علامہ ابن خلدون یوں واضح کرتے ہیں:۔

اور حسینؓ کے علاوہ جو صحابہؓ حجاز، عراق، اور یزید کے ساتھ شام میں تھے انھوں نے سوچا کہ یزید اگرچہ فاسق ہے، مگر اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے قتل و غارت اور خون خرابہ ہوگا، یہ سوچ کر وہ لوگ رک گئے، اور حسینؓ کا ساتھ نہ دے سکے، مگر ان حضرات نے حسینؓ کے اس اقدام پر نہ نکیر کی، اور نہ ہی ان کو خطاکار کہا،

ولا انکروا علیه ولا اثموه لانه مجتهد وهو اسوة المجتهدین،

(ترجمہ) "انھوں نے نہ حسینؓ پر کسی قسم کی نکیر کی اور نہ ہی ان کو گناہ گار بتایا کیونکہ وہ مجتہد بلکہ مجتہدوں کے اسوہ تھے،

اور خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کے ساتھ نہ دینے پر کچھ نہیں کہا اور نہ ہی ان پر کسی قسم کی نکیر کی،

ولم ینکر علیهم قعود هم عن نصره ولا تعرض لذلک لعلمه انه عن اجتهاد منهم کما کان فعله عن اجتهاد منه،

حسین رضی اللہ عنہ نے بھی ان حضرات کے اپنی نصرت سے بیٹھ جانے پر

کسی قسم کی کوئی نکیر نہیں کی، اور نہ ہی کوئی تعرض کیا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ بات ان کے اجتہاد کی وجہ سے ہے، جیسا کہ خود حسینؓ نے یہ اقدام اپنے اجتہاد سے کیا تھا،

یہی نہیں، بلکہ امام حسینؓ ان "صادق اللہجہ، اور خالص النیۃ "امن پسند بزرگوں کو پوری طرح اپنا ہمنوا تسلیم کرتے تھے، اور یزید کے مقابلہ میں ان کو اپنا طرفدار اور حامی سمجھتے تھے، چنانچہ عین معرکہ کربلا میں آپ نے شامی فوجوں کے سامنے ان جلیل القدر اور نامی گرامی صحابہ کرام کے نام لے لے کر اور اپنی حقانیت پر ان کو گواہ بنا کر کہا کہ "تم لوگ میرے بارے میں جابر بن عبداللہؓ ابو سعید خدریؓ، انس بن مالک، سہل بن سعدؓ، زید بن ارقمؓ جیسے دیگر اجلہ صحابہ سے پوچھ لو کہ وہ حضرات میرے متعلق کیا فرماتے ہیں، اور ان کی رائے یزید کے بارے میں کیا ہے؟"

اس میں شک نہیں کہ حضرت حسینؓ کو بہت سے صحابہ کرامؓ نے اس اقدام سے منع کیا، اور اس کے خلاف مشورے دیئے، مگر یہ فہمائش اس لئے نہیں تھی کہ یزید خلیفہ عادل اور امام برحق ہے، اس کے خلاف خروج غلطی ہے، بلکہ ان کی تمام تر فہمائش حضرت حسینؓ کو اس بات پر تھی کہ آپ جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے اندر اس اقدام میں کامیابی کی طاقت وشوکت ہے تو آپ کا یہ اندازہ صحیح نہیں ہے کیونکہ پوری طاقت وشوکت سمٹ سمٹا کر بنو امیہ میں آگئی ہے، اور وہ اپنی طاقت کے مقابلہ میں کسی کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے،

وکان ظنّه القدرة علی ذالک، ولقد عذله ابن عباس، وابن الزبیر،

وابن عمرؓ، وابن الحنفیة واخوہ وغیرہ فی سیرہ الی الکوفة و علموا غلطه فی ذالک. (مقدمہ ابن خلدون صف۱۸۱)

(ترجمہ) "آپ کو اندازہ تھا کہ مجھے اس بات کی طاقت ہے، اور ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ ابن عمر اور ان کے بھائی ابن حنفیہ وغیرہ نے ان کے کوفہ جانے پر سخت و سست لہجہ میں سمجھایا کیونکہ انھوں نے اس اندازہ میں ان کی غلطی کو جانا۔"

ان صاف و صریح بیانات کے بعد مؤلفِ خلافت معاویہؓ و یزید کا وہ گھروندا گر جاتا ہے جسے انھوں نے بزرگوں سے جرح و قدح کے عنوان سے ص۹۸ سے ص۱۰۶ تک بتایا ہے، اور جگہ جگہ کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کو غلط اقدام پر صحابہ نے روکا مگر وہ نہ مانے، مذکورہ بالا حضرات اور دوسرے صحابہ نے اگرچہ مصلحتاً یزید کے فسق و فجور کے باوجود اس کے خلاف خروج نہیں کیا لیکن، ان کے نزدیک یزید کے افعال مستحسن اور صحیح نہ تھے، بلکہ وہ ان کو اسی طرح غلط اور ناجائز سمجھتے تھے، جس طرح حضرت حسینؓ سمجھتے تھے،

ولا تقولن ان یزید وان کان فاسقا ولم یجز ھؤلاء الخروج علیه فافعاله عندھم صحیحة واعلم انه انما ینفذ من اعمال الفاسق ماکان مشروعا. (ص۱۸۱)

(ترجمہ) "خبردار تم ہرگز ہرگز یہ نہ کہنا کہ جب یزید فاسق تھا، اور ان حضرات نے اس کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھا تو ان کے نزدیک یزید کے تمام اعمال صحیح تھے، تم کو سمجھنا چاہئے کہ فاسق و فاجر حکمران کے اعمال سے وہ امر و حکم نافذ ہوگا، جو مشروع ہوگا،

اس سے یہ بات بھی بالکل صاف ہو گئی کہ یزید کے خلاف خروج نہ کرنے والے تمام صحابہ بھی اس کے افعال و اعمال کو غلط سمجھتے تھے، البتہ امور شرعیہ مثلاً جہاد، قصاص وغیرہ کو اس کی طرف سے نافذ مانتے تھے، کیونکہ مسئلہ یہی ہے کہ فاسق حکمران کا امر شرعی واجب العمل اور نافذ ہوتا ہے۔ جو حضرات صحابہ، یزید کے فسق و فجور کے قائل ہونے کے باوجود اس کے خلاف خروج کو فتنہ وفساد اور قتل وغارت کا سبب بتا کر حضرت حسینؓ کی نصرت سے الگ رہے مگر دل سے ان کے ساتھ رہے، ان کے بارے میں کسی کو لب کشائی کا حق حاصل نہیں ہے، اور ان پر کسی قسم کا کوئی الزام نہیں رکھا جا سکتا، اسوۂ حسینی بھی ان کے بارے میں یہی ہے، اور شریعت کا حکم بھی یہی ہے۔

ولا یذھب بک الغلط ان تقول بتاثیم ھؤلاء بمخالفة الحسین و قعودھم عن نصرہ، فانھم اکثر الصحابة وکانوا مع یزید، ولم یرواالخروج علیه، (ص۱۹۱)

(ترجمہ) "تم کو غلطی اس بات پر نہ آمادہ کرے کہ تم ان حضرات کو حسینؓ کے خلاف کرنے اور ان کی مدد سے بیٹھ رہنے کی وجہ سے گناہگار کہو، کیونکہ اس نظریہ کے اکثر صحابہ تھے، اور یزید کے ساتھ رہ کر اس کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے۔"

اور چونکہ وہ حضرت حسینؓ کو برحق سمجھتے تھے، اور حسینؓ کربلا کے میدان کارزار میں بھی ان سے اپنے برحق ہونے پر استشہاد کرتے تھے، اس لئے بھی ان کے بارے میں کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔

والكل مجتهدون، ولا ينكر على احد من الفريقين فمقاصدهم في البر وتحري الحق معروفة، وفقنا الله للاقتداء بهم (مقدمہ ابن خلدون ص۱۷۷)

(ترجمہ) "تمام صحابہ مجتہد برحق تھے، اور فریقین میں سے کسی پر نکیر نہیں کی جا سکتی، کیونکہ نیکی، اور جستجوئے حق میں ان کے ارادے اور نیتیں معلوم و مشہور ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اقتداء کی توفیق دے،

علامہ ابنِ خلدون کے اس بیان سے اس بات کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ یزید کے کردار میں کوئی خرابی تھی یا نہیں تھی، صحابہ کرام اور تابعین عظام یزید کے ساتھ تھے یا نہیں تھے، اور اس کے خلاف خروج واقدام کا جواز تھا یا نہیں تھا اور عام صحابہ کرامؓ حضرت حسینؓ کو اور حضرت حسینؓ عام صحابہ کرام کو اس معاملہ میں کیا سمجھتے تھے، مؤلف علامہ ابنِ خلدون کو سب کچھ تسلیم کرتے ہیں، اور علامہ ابنِ خلدون کی یہ تصریحات کیا بتارہی ہیں؟

یزید اور اس کی ولی عہدی و امارت

"فرقہ یزیدیہ" مؤلف نے یزید کو صرف عالم، فاضل، متقی، پرہیزگار، پابند صوم وصلوٰۃ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ متین خادم خلق، حکمرانی، اور سیرت و کردار میں متبع فاروق اعظم وغیرہ قرار دیا ہے،

اور شیعہ دشمنی یا شیعوں کے اکاذیب و اباطیل کے جواب میں یزید کو نبی، رسول نہیں بتایا، ورنہ قدیم زمانہ میں ردّ عمل کے طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور

یزید کو نبی، رسول تک مانا گیا ہے، اور یزید کے نام سے مستقل "فرقہ یزیدیہ" رائج ہو گیا تھا، اور جن گمراہوں نے حضرت علیؓ کو نبوت بلکہ الوہیت تک کا درجہ دیا، یہ فرقہ بھی ان کی مخالفت میں ان ہی کی راہ پر چلا، چنانچہ علامہ مقدسی بشاریؒ (۳۷۵ھ) احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم میں لکھتے ہیں:۔

"بغداد میں غالی لوگ ہیں، جو حبِ معاویہؓ میں بہت زیادتی کرتے ہیں، اسی طرح مشبہ اور بربہاء یہ بھی ہیں میں ایک دن واسط کی جامع مسجد میں تھا، لوگ ایک آدمی کے ارد گرد جمع تھے، میں بھی اس کے پاس گیا، وہ کہہ رہا تھا کہ ہم سے فلاں نے بیان کیا، اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہؓ کو اپنے قریب بلائے گا اور ان کو اپنے پہلو میں بٹھا کر اپنے ہاتھ سے ان کی نقاب کشائی کرے گا، (ویغلفہ بیدھا) پھر ان کو مخلوق کے سامنے عروس کی طرح جلوہ گر کرے گا، میں نے اس آدمی سے پوچھا کہ یہ کیوں ہو گا؟ اے گمراہ! کیا معاویہ کے علی سے جنگ کرنے کی وجہ سے؟ تو نے جھوٹ کہا، یہ سنتے ہی اس نے کہا کہ اس رافضی کو پکڑو پھر لوگ مجھ پر جھپٹ پڑے، مگر بعض معلموں نے میرا تعارف کرایا، اور ان سے مجھ کو بچایا، (احسن التقاسیم ص ۱۲۶ طبع یورپ)

اسی طرح علامہ مقدسی بشاریؒ نے اصفہان کے لوگوں کی حمایت اور افراط و تفریط کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"اصفہان میں ایک آدمی کے بارے میں مجھ سے بیان کیا گیا کہ وہ بڑا عابد زاہد

ہے، یہ سن کر میں نے اس کے یہاں حاضری کا قصد کیا، اور اپنے قافلہ کو پیچھے چھوڑ کر اس کے یہاں رات بسر کی، اور اس سے سوالات کرتا رہا، میں نے کہا کہ "صاحب" کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، یہ سنتے ہی وہ اس پر لعنت بھیج کر کہنے لگا کہ اس نے ہمارے سامنے ایسا مذہب پیش کیا ہے جسے ہم نہیں جانتے میں نے کہا وہ کیا ہے، اس نے کہا "صاحب" کہتا ہے، کہ معاویہ مرسل (رسول) نہیں تھے، میں نے کہا، اور آپ کیا کہتے ہیں، اس نے کہا میں تو وہی کہتا ہوں جو اللہ عزّوجل نے بتایا ہے، لانفرق بین احد من رّسله (ہم اس کے رسولوں میں تفریق نہیں کرتے) ابوبکر مرسل تھے، اور عمر مرسل تھے، یہاں تک کہ اس نے خلفائے اربعہ کا نام لے کر ان سب کو مرسل بتایا، پھر کہا "اور معاویہؓ بھی مرسل تھے" میں نے کہا آپ ایسا نہ کہیں، یہ چاروں حضرات خلفاء تھے، اور معاویہؓ ملک (پادشاہ تھے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے، الخلافة بعدی الی ثلاثین سنة ثم تکون ملکاً (خلافت میرے بعد تیس سال تک ہوگی پھر ملوکیت ہوجائے گی،) یہ سن کر وہ شخص علیؓ پر طعن و تشنیع کرنے لگا، اور میرے بارے میں کہنے لگا کہ یہ آدمی رافضی ہے، اگر میرا قافلہ نہ پہونچ گیا ہوتا تو وہاں کے لوگ مجھے اپنی گرفت میں لے لیتے، اور ان لوگوں کے بارے میں بہت سے قصے مشہور ہیں، (احسن التقاسیم ص ۳۹۹)

یہ حبِ معاویہؓ میں غلوِ بیجا کی مثالیں تھیں، اب خود یزید کے بارے میں بیجا غلو کا بیان علامہ ابن تیمیہؒ کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں،

لم تعتقد انه من الخلفاء الراشدین کما قاله بعض الجهلة من

الاکراد، وکما قیل ھونبی فھولاء نظراء من ادعی نبوۃ علی اوالٰھیتہ، (المنتقی۲۷۹)

(ترجمہ) "ہم یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ یزید خلفائے راشدین میں سے ہے، جیسا کہ بعض جاہل کردوں نے کہا، اور جیسا کہ کہا گیا کہ یزید نبی ہے، پس ایسا کہنے والے ان لوگوں کے مانند ہیں جنھوں نے علیؓ کی نبوت یا ان کی الوہیت کا دعویٰ کیا ہے۔"

محشی نے اس مقام پر لکھا ہے کہ یزید کو خلفائے راشدین میں ماننے والے یہ اکرادِ ہکاریہ تھے، (جن کا مرکز موصل کے اوپر جبال ہکاریہ تھا، ان کے پاس ایک بزرگ شیخ عدی بن حسن (ولادت ۴۶۷ وفات ۵۵۷ھ) آئے، ان کا دل شیعوں کے یزید پر الزامات و مکذوبات سے تنگ ہو گیا تھا، انھوں نے ان کردوں میں اعلان کیا کہ یزید مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام ہے، اور اس کے اخلاق و کردار سے جو منسوب کیا جاتا ہے، اس کی کوئی صحت و سند نہیں ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ عدویہ میں بتایا ہے کہ شیخ عدی کا طریقہ بہتر تھا، ان کے خلفاء میں شیخ حسن نامی ایک بزرگ تھے، جن کو شیعوں نے قتل کر ڈالا اور بڑا فتنہ برپا ہوا، اس کے نتیجہ میں ہکاری کردوں نے شیخ عدی، اور ان کے خلیفہ حسن کے بارے میں غلو کیا، نیز انھوں نے یزید کے بارے میں اس قدر غلو کیا کہ اس کی نبوت کے معتقد ہوگئے، یہ لوگ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے زمانے تک اسی حالت پر رہے آپ نے ان کے لئے "الرسالۃ العدویہ" نامی کتاب لکھی، جس میں بتایا گیا شیخ عدی بن مسافر نیک آدمی تھے، اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کردوں کو اپنے اور یزید کے بارے میں غلوئے بے جا سے منع کرتے، "رسالہ عدویہ"

سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے یزید کی نبوت کے قائل ہونے کے بعد اسے خدا تک مان لیا، ان کو یزیدیہ کہتے ہیں، اور یہ لوگ شمالی عراق کے علاقہ سنجا، اور روس کے علاقہ اردان میں بکثرت آباد ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگ دمشق، بغداد اور حلب کے اطراف میں بھی پائے جاتے ہیں، (حاشیہ ص ۲۷۹ و ۲۸۰)

قاضی تنوخی نے " نشوار المحاضرہ میں لکھا ہے کہ جس زمانہ میں بغداد میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں بحث و مناظرہ جاری تھا، اور لوگ دو رایوں میں منقسم تھے، بغداد کے بھکاری دریائے دجلہ کے پل پر اس طرح کھڑے ہو کر سوال کرتے کہ ایک گروہ پل کے ایک سرے پر حضرت علیؓ کے مناقب و فضائل سناتا اور دوسرا گروہ دوسرے سرے پر حضرت معاویہؓ کے مناقب و فضائل پڑھتا، اور دن بھر کی آمدنی شام کو دونوں گروہ مل کر آپس میں برابر تقسیم کر لیتے،

"خلافت معاویہ و یزید نامی کتاب بھی آج علیؓ و حسینؓ اور معاویہؓ و یزید کی بحثوں کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان کے ناشروں اور کتب فروشوں کے لئے کمائی کا اچھا خاصا ذریعہ بن گئی ہے، اور مؤلف کو شہرت جو ملی وہ الگ رہی،

مؤلف کے خیالات

یزید کی مدح و منقبت میں مؤلف یوں رطب اللسان ہیں:-

" علم و فضل، تقویٰ و پرہیز گاری، پابندیٔ صوم و صلوٰۃ کے ساتھ امیر یزید حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھے، ایک عیسائی رومی

مورخ نے ان کی سیرت کے بارے میں ان کے ہم عصر کا بیان ان الفاظ میں لکھا ہے الخ۔" (ص ۴۹)

مؤلف کی قصیدہ خوانی کی حقیقت جلد ہی آنے والے بیانات سے ظاہر ہوگی، اور عیسائی رومی مورخ کی یزید کی مدح و منقبت کا راز کربلا کے پس منظر کے بیان میں کھلے گا، مزید ارشاد ہے:۔

"حکمرانی و فرمان روائی سے مطلب و مقصد امیر یزید کے نزدیک خدمتِ خلق تھا اور اس خدمت کا آیڈیل و مطمح نظر امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عادلانہ و صالح حکومت و سیاست تھی، (ص ۵۰)

مؤلف کا مطلب شاید یہ ہے کہ یزید کی حکومت خلافت فاروقی کے ہم پلّہ تھی، حالانکہ کہاں فاروق اعظم عمر بن خطابؓ اور کہاں یزید بن معاویہ؟ اسی صفحہ پر مزید تاکید و توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"امیر یزید کو حکومت و سیاسی امور میں ہی حضرت فاروق اعظمؓ کی پیروی کا اہتمام نہ تھا، بلکہ طرز معاشرت میں بھی ان کی مثال سامنے رکھتے (ص ۵۰)

یعنی یزید کی حکومت و سیاست اور کردار و سیرت سب کچھ فاروق اعظم کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی،

یہ چند مثالیں ہیں جن میں مؤلف نے یزید سازی کا مظاہرہ کیا ہے،

اور جہاں تک مؤلف کی ان تحریروں کے غلط ہونے کا تعلق ہے، علمائے محققین اور جرح و تعدیل اور حضرات محدثین و مورخین کی تصریحات اس کے لئے کافی ہیں، نیز ہم ان کو علامہ ابنِ خلدون جیسے بالغ نظر و محتاط اور ناقد و مبصر مورخ کی تصریحات کے ذریعہ اسی کتاب میں ضمناً بیان کر چکے ہیں، علامہ ابن خلدون کے بیان کے بعد پھر کسی اور مورخ و امام کے بیان کی ضرورت نہیں رہ جاتی، اور مؤلف کو بھی علامہ ابن خلدون کی بات ماننی ہی پڑے گی، ان کے لئے اس میں کسی طرح انکار و اِباء کی گنجائش نہیں ہے،

حضرت حسینؓ کو گرانا اور یزید کو بڑھانا

مؤلف نے اپنی کتاب میں یزید کے فضائل اور مناقب میں وہ طومار باندھا کہ تلبیس و تزویر اور تصدیق و تحقیق کو ایک کر دیا، قاتل حسینؓ عمر بن سعد کو تابعی پھر صحابی ثابت کرنے کے لیے اسماء الرجال و حدیث کو حسب منشأ استعمال کیا مروان بن حکم کے فضائل کی لمبی چوڑی داستان سنائی، ابن زیاد کے مناقب میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے، مگر اسی کے ساتھ حضرات حسنینؓ کو صحابیت تک سے محروم کرنے کی تدبیر کی، ملاحظہ ہو ارشاد ہوتا ہے:۔

"ان حقائق کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ جیسا کہ ذکر ہو چکا سن و سال میں حضرت ابن جعفر سے کئی سال چھوٹے مثل برادر خورد کے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت صرف پانچ برس کی عمر کے تھے،

ادرک الحسین من حیاۃ النبی ﷺ خمس سنین اونحوھا
(ص۱۵۰ج۸ البدایہ والنہایہ)

نبی کریم ﷺ کی حیات میں حسین نے پانچ سال کا زمانہ پایا تھا یا اس کے قریب اتنی چھوٹی سی عمر میں تمیز نہیں ہوتی، بعض ائمہ نے توان کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کو جو ان سے سال بھر کے قریب بڑے تھے زمرۂ صحابہ کے بجائے تابعین میں شامل کیا ہے۔

وقد روی صالح بن احمد بن حنبل عن ابیہ انہ قال فی الحسن بن علیؓ انہ تابعی ثقۃ و ھذا غریب فلان یقول فی الحسینؓ انہ تابعی بطریق الاولی (ص۱۵۰) (البدایہ والنہایہ)

امام احمد بن حنبل کے فرزند صالح نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ حسن بن علیؓ ثقہ تابعی تھے یہ قول غریب ہے، تاہم حسینؓ کے بارے میں بدرجہ اولیٰ کہا جائے گا کہ وہ تابعی تھے زمرہ صحابہ میں شامل نہ تھے، (ص۱۴۶ کی اردو عربی عبارت اور ترجمہ ختم ہوا)۔

مؤلف نے اس عبارت میں دجل و فریب صرف اس لئے کیا ہے کہ حضرات حسنینؓ کو صحابی کے بجائے تابعی ثابت کرکے ان کے مرتبہ کو گھٹائیں، اور ان کے مقابلہ میں یزید، عمر بن سعد، مروان، ابن زیاد وغیرہ کو افضل و برتر ثابت کریں، مؤلف نے حسب عادت اس کے لئے علامہ ابن کثیر کی عبارت میں قطع و برید کی، اور ترجمہ غلط کیا، اس سے اوپر عبارت یہ ہے:۔

وقد ادرک الحسین من حیاۃ النبیؐ خمس سنین اونحوھا، و روی عنہ احادیث وقال مسلم بن الحجاج لہ روایۃ عن النبی ﷺ.

(ترجمہ) "حسینؓ نے نبی ﷺ کی زندگی کے پانچ سال پائے یا اس کے قریب اور انھوں نے آپ سے کئی احادیث نقل کیں، اور امام مسلم بن حجاج نے کہا ہے کہ نبی ﷺ سے ان کی روایت ثابت ہے۔"

اس کے بعد علامہ ابن کثیر نے وہ عبارت لکھی ہے جسے مؤلف نے درج کیا ہے، اور اپنے ذوق کے مطابق ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے، "یہ قول غریب ہے، تاہم حسین کے بارے میں بدرجہ اولیٰ کہا جائے گا" اس ترجمہ میں مؤلف نے دو حرکتیں کی ہیں ایک تو یہ قول غریب ہے، کہہ کر تلبیس کی ہے، لغت میں "قولِ غریب" انکار و تعجب کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کا ترجمہ ایسے لفظ سے کرنا چاہیئے جو انکار و تعجب کو ظاہر کر سکے، "قولِ غریب" کہہ دینا قارئین کو دھوکہ میں رکھنے کے مرادف ہے، دوسرے " فلان یقول" کا ترجمہ " تاہم کہا جائیگا" غلط ہے، اس کا یہ مفہوم نہیں ہے، علامہ ابن کثیر کا مقصد یہ ہے کہ اگر حضرت حسنؓ کے متعلق جو کہ حضرت حسینؓ سے بڑے تھے، تابعی کے غریب و منکر قول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت حسین کو بدرجہ اولیٰ تابعین میں شمار کرنا پڑے گا، حالانکہ یہ قول ہی سرے سے نادر و منکر ہے،

مؤلف نے حضرت حسینؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کو ایک جگہ یوں گرایا ہے،

ملاحظہ ہو،

"اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفات نبوی کے وقت پانچ برس کے قریب تھی، اور ابن زبیرؓ کی نو دس برس کی، اس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کر لیا ہے، مگر ان کبار صحابہ کے مقابلہ میں ان حضرات کو نہیں رکھا جا سکتا جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ برسہا برس گذار دیئے، اور دین قائم کرنے میں آپ کے زیر تربیت ہر قسم کی ظاہری اور باطنی قربانیاں دیں تا آنکہ بارگاہ خداوندی سے انھیں بشارت مل گئی کہ وہ سب خلاصہ کائنات اور خیر الامم ہیں، (ص ۴۷)

مؤلف نے حضرت حسینؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کو صحابہ کے طبقہ سے نکالنے کی کوشش کی، اور طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کر لیا ہے، کہہ کر ان کی صحابیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی اور اس کے مقابلہ میں یزید کو کیا کیا برتری دینے کی کوشش کرتے ہیں، فرماتے ہیں۔

"امیر یزید کبار تابعین میں تھے، اپنے محترم والد ماجد کے علاوہ بعض اجلّہ صحابہ سے فیض صحبت اٹھایا، یعنی حضرت دحیہ الکلبی سے جو جلیل القدر صحابی ہونے کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر بھی رہے تھے، ان کی حقیقی بہن سیّدہ شراف بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح کیا تھا وہ امیر یزید کے رشتہ میں ماموں بھی ہوتے تھے، نیز حضرت ابو الدرداء اور حب رسول اللہ حضرت اسامہ بن زید اور دیگر متعدد صحابہ کرام سے استفادہ کیا، حضرت ابوایوب انصاری (ص ۴۴) اور دوسرے صحابہ اور اپنے والد ماجد سے حدیث کی روایت کی، الخ (ص ۴۵)

پھر مؤلف نے صفحہ ۲۸۶ سے یزید کی تعلیم و تربیت اور جوانی کو نہایت رنگین انداز میں تفصیل سے بیان کیا ہے، اور ان کو حضرت حسینؓ سے بدرجہا بہتر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،

اندازہ لگائیے کہ ان حرکتوں کا کیا مطلب ہے، اور اس سے کس ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ پر الزام

کتاب کے صفحہ ۴ سے خاص طور سے کردارِ یزید کا عنوان شروع ہوتا ہے، جس میں آخر تک جگہ جگہ علمی خیانتوں کا مظاہرہ کرکے یزید کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، ہم اس قسم کی چند خیانتوں کو مثال کے طور پر بیان کرتے ہیں، مؤلف لکھتے ہیں:۔

" تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی المتوفیٰ ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات" یعنی ثقہ راویان حدیث میں شمار کرتے تھے، مراسیل ابو داؤد میں ان کی مرویات ہیں، (ص ۴۵)

امام ابن حجر عسقلانیؒ پر پہلا بہتان یہ رکھا کہ انھوں نے " یزید کا ذکر رواۃ حدیث میں کیا ہے حالانکہ انہوں نے یزید کو تہذیب التہذیب میں بیان کی وجہ اسی کے تذکرہ میں یہ لکھ دی ہے۔

ذکرته للتمیز بینه و بین النخعی (ج ۱۱ ص ۳۶۱)

(ترجمہ)" میں نے یزید بن معاویہ کا ذکر اس میں اور یزید نخعی میں فرق کرنے کے لئے کیا ہے۔"

امام ابن حجرؒ نے یزید بن معاویہ سے پہلے یزید بن معاویہ نخعی کوفی عابدؒ کا تذکرہ کیا، جو نہایت متقی اور عابد و زاہد راوی حدیث ہیں، ان کے بعد یزید بن معاویہ کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بعض کارناموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ دونوں کا نام یزید ہے، اور دونوں کی ولدیت معاویہ ہے، مگر دونوں میں فرق ہے، اور فرق کی یہ یہ باتیں ہیں، اس تصریح کے بعد بھی ان کے سر تھوپنا کہ انھوں نے یزید کو احادیث کے راویوں میں شمار کیا ہے، یزید سازی کے سوا کیا ہو سکتا ہے، پھر ابن حجر نے اس کے ذکر میں یہ بھی تصریح کر دی ہے۔

ولیست له روایة تعتمد(ج۱۱ ص۳۶۱)

(ترجمہ) "اور یزید کی کوئی ایسی روایت نہیں ہے، جو قابل اعتبار ہو۔"

اس تصریح کے بعد اسے رواۃ حدیث میں شمار کرنے کا الزام ابن حجرؒ پر رکھا، پھر بڑی جرأت کے ساتھ یحییٰ بن عبدالملک کی صفت "احد الثقات" کو یزید پر چسپاں کرنے کی کوشش کی، اور اسے یحییٰ بن عبدالملک کا قول قرار دے کر حافظ ابن حجرؒ پر اس کے نقل کرنے کا الزام دھرا۔ یہ بھی سراسر جھوٹ ہے کہ مراسیل ابو داؤد میں یزید کی مرویات ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ابوداؤد میں یزید کی صرف ایک مرسل روایت ہے، جس پر میں نے اپنی کتاب "الاستدراک علی الاطراف" میں تنبیہ کر دی ہے، تہذیب التہذیب کی پوری عبارت یہ ہے۔

"ولیست له روایة تعتمد و قال یحیی بن عبدالملک بن ابی عتبة احد الثقات، ثنانوفل بن ابی عقرب ثقة، قال کنت عند عمر بن عبدالعزیز فذکر رجل یزید بن معاویه فقال قال امیر المومنین یزید

فقال عمر تقول امیرالمومنین یزید،وامر به فضرب عشرین سوطاً، ذکرته للتمییز بینه وبین النخعی ثم وجدت له روایة فی مراسیل ابی داؤد وقد نبّهت علیها فی الاستدرک علی الاطراف"

(تہذیب التہذیب ج۱۱ ص۳۶۱)

(ترجمہ) "اور یزید کی کوئی قابل اعتماد روایت نہیں ہے، اور یحییٰ بن عبدالملک بن ابی عتبہ جو ایک ثقہ راوی ہیں، انھوں نے کہا کہ ہم سے بیان کیا نوفل بن ابی عقرب نے جو کہ ثقہ راوی ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھا کہ ایک آدمی نے کہا، "امیر المؤمنین یزید نے کہا یہ سن کر حضرت عمر نے کہا تم امیر المؤمنین یزید کہتے ہو یہ کہہ کر اس کی سزا کا حکم دیا، چنانچہ اس کو بیس کوڑے مارے گئے، میں نے یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ یزید بن معاویہ نخعی کوفی عابد ہیں اور اس میں فرق ہو جائے پھر میں نے یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کی ایک روایت سنن ابو داؤد کے مراسیل میں پائی ہے، جس پر "استدراک علی الاطراف" میں تنبیہ کر دی ہے۔" مؤلف نے کس طرح محدثین پر بہتان تراشی کر کے یزید نوازی کرنی چاہی ہے بات تو جب تھی کہ اس حرکت کے بغیر یزید کی فضیلت بیان کرتے۔

علامہ ابن کثیرؒ پر الزامات

آگے چل کر مؤلف کا بیان ہے "امیر یزید نے زمانہ طالب علمی ہی سے احادیث نبوی کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اور اہل علم میں ان کو بصیرت خاص حاصل تھی، اس زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ مورخین نے لکھا ہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں یہاں (ص ۴۵) نقل کرتا ہوں،

وفی روایة ان یزید لما قال له ابو ہ سلنی حاجتک قال له یزید اعتقنی من النار اعتق اللہ رقبتک منہا، قال وکیف قال لانی وجدت فی الاثار انہ من تقلد امر الامة ثلاثة ایام حرمہ اللہ علی النار (ص۲۲۷ ج۸ البدایة والنہایة)

(ترجمہ) "اور روایت ہے کہ یزید سے جب ان کے والد نے کہا کہ جو بات و خواہش تمہاری ہو، مجھ سے کہو، تو یزید نے ان سے کہا مجھے نار دوزخ سے بچا لیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کی گردن کو اس سے آزاد رکھے (معاویہ) نے پوچھا وہ کیونکر (یزید) نے کہا، میں نے احادیث میں پایا ہے کہ جس کو تین دن کے لئے امت کا امر (خلافت) سونپا جائے، اللہ تعالیٰ اس پر نار دوزخ کو حرام فرمادیگا۔

مؤلف کی کتاب کے صفحہ ۴۵، ۴۶ سے عربی عبارت اور اس کا ترجمہ ہم نے نقل کر دیا ہے جس دلچسپ واقعہ کی طرف مؤلف نے اشارہ کیا ہے، ہمیں افسوس ہے کہ اسے کچھ تفصیل کے ساتھ نقل کرنا پڑ رہا ہے، اس واقعہ کے نقل کرنے، اور عربی کی پوری عبارت درج کر دینے سے مؤلف کا خانہ کذب وافتراء گر جائے گا۔

اس دلچسپ قصہ کا ماحصل یہ ہے کہ یزید کو بچپن ہی میں اس کی والدہ میسون نے کنگھی کی، اور اسے سنوارا یہ دیکھ کر حضرت معاویہؓ کی دوسری بیوی فاختہ بنت قرظہ کو یزید پر رشک ہوا، اور انھوں نے اس کے بارے میں ایک آدھ جملہ کسا، حضرت معاویہؓ نے اپنے لڑکے عبداللہ کو جو فاختہ کے بطن سے تھا، بلایا، اور کہا کہ تمہاری جو خواہش ہو بیان کرو، میں پوری کردوں گا، وہ بیوقوف تھا، اس نے کہا میرے لئے ایک موٹا تازہ

کتا اور ایک موٹا تازہ گدھا خرید دو، اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے یزید کو بلایا اور کہا کہ تمہاری جو حاجت ہو مجھ سے کہو میں پوری کروں گا، یہ سن کر یزید سجدے میں گر گیا، اور سر اٹھا کر بولا، اللہ کا شکر ہے، کہ اس نے امیر المومنین کو اس ارادے تک پہونچا دیا ہے، اور ان کو میرے بارے میں ایسا ارادہ کرا دیا ہے، پھر یزید نے کہا۔

حاجتی ان تعقدلی العهد من بعدک وتولینی العام صائفة المسلمین"

میری حاجت یہ ہے کہ آپ اپنے بعد مجھے ولی عہد بنائیں، اور اس سال مسلمانوں کے موسم گرما کی فوج کا امیر بنائیں۔

نیز جب میں واپس آجاؤں تو آپ مجھے حج کی اجازت دیں، اور موسم حج کی امارت میرے سپرد کریں، اور اہل شام میں ہر ایک کے وظیفہ میں دس دینار کا اضافہ میری سفارش سے کریں، اور بنی جمح، بنی سہم اور بنی عدی کے یتیموں کے لئے وظیفہ مقرر کریں"۔اس کے بعد حضرت معاویہؓ اور یزید میں مزید گفتگو ہوئی آخر میں حضرت معاویہ نے فرمایا۔

قد فعلت ذالک کله وقبل وجهه

(ترجمہ) "میں نے یہ سب کر دیا، یہ کہہ کر انھوں نے اس کے چہرے کو بوسہ دیا۔ پھر اپنی بیوی فاختہ بنت قرظہ سے کہا کہ تو نے اپنے بیٹے عبداللہ کے مقابلہ میں یزید کو کیسا پایا۔

اس دلچسپ واقعہ کے ختم ہوجانے پر لکھا ہے کہ۔

وفی روایة ان یزید لما قال له ابوه سلنی حاجتک قال یزید الخ.

مصنف نے پورا واقعہ حذف کرکے اس آخری ٹکڑے کو لیا ہے، جسے صرف ایک روایت کے بموجب صاحب البدایہ والنہایہ نے نقل کر دیا ہے، پھر مؤلف نے خیانت کرتے ہوئے اس عبارت کا آخری ٹکڑا حسب عادت حذف کر دیا ہے۔ اور ادھوری عبارت نقل کر دی ہے، حالانکہ پوری عبارت یوں ہے۔

حرمه الله علی النار فاعهد الی بالامر من بعدک ففعل (البدایه والنهایه ، ج۸ ص۲۲۸)

یعنی یزید نے حدیث کا حوالہ دینے کے بعد حضرت معاویہؓ سے کہا کہ آپ اپنے بعد مجھے ولی عہد بنا دیجئے تو انھوں نے ایسا کر دیا۔

اس قصے سے یزید کی حدیث دانی اور پرہیزگاری ثابت کرنے کے لئے مؤلف نے جو ناقص عبارت نقل کی، اس کے پورا ہو جانے سے مطلب ہی بدل گیا ہے۔ اور حضرت معاویہؓ پر الزام آتا ہے. نیز مؤلف نے آگے چل کر صفحہ ۱۱۳ پر یزید کی حرارت دینیہ و خدمات ملیہ کے ماتحت اس قصہ کا یہ ایک ٹکڑا نقل کیا ہے:۔

تولینی العام صائفة المسلمین

(ترجمہ) "اس سال کی عسکری مہم مسلمانان پر مجھے تعینات کیا جائے۔"

حالانکہ اس عبارت کو بھی نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، اور اس کہانی کے ان نامکمل ٹکڑوں کے بغیر کام چل سکتا تھا، مؤلف نے لکھا ہے:۔

علامہ ابن کثیر نے انکے (یزید) بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں، لکھتے ہیں:۔

وقد كان فيه خصال محمودة من الكرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأی فی الملک وکان ذاجمال حسن المعاشرة

(ترجمہ) " اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات رحم و کرم، فصاحت و شعر گوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں، نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے، اور وہ خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔"

صفحہ ۹۴ سے مؤلف کی بیان کردہ عربی عبارت اور ان کا ہی کیا ہوا ترجمہ ختم ہوا علامہ ابن کثیر کی اس عبارت میں اپنی عام عبارات کے مطابق مؤلف نے تقصیر کی ہے پوری عبارت یہ ہے:۔

"....حسن المعاشرة وكان فيه ايضاً اقبال على الشهوات وترک بعض الصلوٰت فی بعض الاوقات واماتتها فی غالب الاوقات(البدايه والنهايه ج۸ ص۲۲)

---- یزید خوش سیرت تھا، نیز اس کے اندر شہوتوں پر توجہ دینا، اور بعض نمازوں کا چھوڑنا بعض اوقات میں اور اکثر اوقات میں نمازوں کا قضا کر دینا بھی تھا۔

مؤلف نے علامہ ابن کثیرؒ کے پورے جملہ کی یہ آخری عبارت نقل نہیں کی اور یہ باور کرانا چاہا کہ انہوں نے یزید کے نیک ہونے کی شہادت دی ہے۔

حالانکہ علامہ ابن کثیر نے اسی عبارت سے متصل اپنے منشاء کی تائید میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے:۔

سمعت رسول اللهؐ يقول يكون خلف من بعد ستين سنة اضاعوا

الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیًا ثم یکون خلف یقروؤن القران لایتجاوز تراقیھم ویقرأ القرآن ثلثۃ مومن و منافق و فاجر (البدایہ و النھایہ ج۸ صف۲۳۰)

(ترجمہ) "میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ساٹھ سال کے بعد سے کچھ لوگ نماز کو ضائع کرینگے، اور خواہشوں کے پیچھے پڑیں گے، پس گمراہی میں پڑ جائینگے پھر اس کے بعد کے کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے جو ان کی پسلیوں سے آگے نہیں بڑھے گا، اور قرآن کو تین قسم کے لوگ پڑھتے ہیں مومن اور منافق اور بد کار۔"

علامہ ابن کثیرؒ کے اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد آخری عبارت کی تصدیق و توثیق ہے، اور یہ ان کی غایت دیانتداری ہے کہ وہ یزید کے بارے میں محامد اور معائب دونوں بیان کرتے ہیں، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا، وہ اس بارے میں بڑے ہی محتاط ہیں، اور یزید سے بہتان دور کرنے کی راہ سوچتے ہیں۔

مؤلف نے صفحہ ۲۹۶ پر علامہ ابن کثیر کے حوالے سے حضرت معاویہؓ کی وصیت کا ترجمہ بیان کیا ہے، جس میں آپ نے یزید کو اچھی باتوں کی نصیحت فرمائی ہے، ترجمہ کا آغاز یوں ہے:۔

"اے یزید! اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا، یہ امر (خلافت) تمھیں تفویض ہوا ہے، اور تم اب اس کام کے با اختیار ہو، جس کا میں بھی تھا، تم نے اگر اس کو خوش اسلوبی سے انجام دیا مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی، اور اگر اس کے خلاف کیا تو دکھ ہوگا، الخ"

اس کے بعد تقریباً دو صفحے میں وصیت کا ترجمہ دیا گیا ہے، اوپر کے اقتباس کی اصل عبارت اور اس کا ترجمہ یوں ہے:۔

یا یزید اتق اللّٰہ فقد وطات لک ھذا الامر وو لیت من ذالک ماولیت فان یک خیراً اسعد بہ وان کان غیر ذالک شقیت بہ، (البدایہ و النہایہ ج۸ ص۲۲۸)

(ترجمہ) "اے یزید! تم اللہ سے ڈرو کیونکہ میں نے تمہارے لئے اس امر یعنی خلافت کو ہموار کر دیا ہے، اور میں جس چیز کا والی تھا، تمھیں بھی اس کا والی بنا دیا ہے، اگر میرا یہ کام بہتر ہو گا تو اس سے خوش قسمت ثابت ہونگا، اور اگر یہ کام اس کے علاوہ ہوا تو پھر میں اس کی وجہ سے ناکام و بد نصیب ثابت ہوں گا۔

مؤلف نے ترجمہ ایسا کیا ہے کہ اس سے یہ پتہ نہ چلے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد بنایا، اور خلافت کے معاملے کو اس کے لئے ہموار کیا، اس بات کے ظاہر کرنے میں کون سا ڈر ہے جبکہ خود حضرت معاویہؓ اسے ظاہر فرماتے ہیں، اور مؤلف نے اپنی اس کتاب میں جگہ جگہ یہ ثابت کیا ہے کہ یزید کی بیعت عام تھی، اور تمام صحابہ اور تابعین نے برضا و رغبت بیعت کی، پھر یہ جو اوپر عبارت اور ترجمہ دیا گیا ہے اس سے تو حضرت معاویہؓ کے حسن نیت اور اخلاص کا پتہ چلتا ہے، اور ان کے یزید کو ولی عہد بنانے میں جو ملی اور دینی جذبہ کار فرما تھا، اس کی ترجمانی ہو رہی ہے، اس عبارت کو پیش کر کے ہم اس سے حضرت معاویہؓ کی پاک نیتی اور دیانتداری کو ثابت کر سکتے ہیں،

کتاب فضل یزید کی حقیقت

مؤلف نے "کتاب فضل یزید" کے بیان میں ابن کثیر کے حوالہ سے شیخ عبداللہ عبدالمغیث بن زہیر عربی حنبلیؒ کی اس کتاب کا ذکر یوں کیا ہے:۔

"انھوں نے امیر یزید کے حسن سیرت اور اوصاف پر مفصل تصنیف کی،"

وله مصنف فی فضل یزید بن معاویه اتی فیه بالغرائب والعجائب
(ص۳۲۸ ج۱۲ البدایه والنهایه)

(ترجمہ) "اور ان کی (شیخ عبدالمغیث کی) تصنیف سے فضل یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے، جس میں بہت سے عجیب و غریب حالات بیان کئے گئے ہیں۔"

مؤلف کی یہ عبارت (ص۵۶) سے مع عربی عبارت اور ان ہی کے ترجمہ پر ختم ہوئی اس عبارت کے نقل کرنے اور اس کا ترجمہ کرنے میں حسب عادت انھوں نے اپنے دونوں کام کئے، علامہ ابن کثیر کی عبارت ادھوری نقل کی، اور ترجمہ میں غلطی کی، پوری عبارت اور اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے:۔

"وله مصنف فی فضل یزید بن معاویه اتیٰ فیه بالغرائب والعجائب وقد ردّعلیه ابوالفرج ابن جوزیؒ فاجاد واصاب"(ص۳۲۸ ج۱۲ البدایه والنهایه)

(ترجمہ) "اور ان کی (شیخ عبدالمغیث کی) یزید بن معاویہ کی فضیلت کے بارے میں ایک تصنیف ہے، جس میں انھوں نے ان جانی اور تعجب خیز باتیں بیان

کی ہیں، اور علامہ ابو الفرج ابن جوزیؒ نے اس کا رد لکھا ہے، اور اچھا اور درست و صحیح کام کیا ہے۔"

اولاً مؤلف نے "الغرائب و العجائب" کا ترجمہ "بہت سے عجیب و غریب حالات" کرکے قارئین کو دھوکہ دینا چاہا ہے کہ اس میں بہت اچھی اچھی اور کام کی باتیں درج ہیں، حالانکہ "غرائب اور عجائب" کا اطلاق عربی قاعدہ میں ایسی چیزوں اور باتوں پر ہوتا ہے جو غیر معروف اور غیر مشہور ہوں، اور ان کو سن کر اس لئے تعجب ہو کہ وہ بالکل نئی ہوتی ہیں دوسرے مؤلف نے علامہ ابن کثیر کی آخری عبارت حذف کرکے اس عبارت کی روح ختم کرنی چاہی اور علامہ ابن کثیر نے اس کتاب کے اوپر جو رائے ظاہر کی ہے اسے چھپا کر شیخ عبدالمغیث کی واہی تباہی والی کتاب کو اہمیت دینی چاہی ہے، مؤلف نے (ص ۷۵۶) ہی پر "کتاب فضل یزید" کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس کی شہرت ہوئی تو خلیفہ وقت الناصر شیخ کی خدمت میں تبدیلی ہیئت کرکے آئے، شیخ نے پہچان لیا، مگر اس کا اظہار نہ کیا، خلیفہ الناصر نے امیر یزید کے بارے میں شیخ سے سوال کیا، اور شیخ نے جواب دیا:-

فسالہ الخلیفۃ عن یزید ایلعن ام لا فقال لا اسوغ لعنہ لانی لو فتحت ھذا الباب ، لافضی الناس الی لعن خلیفتنا ، فقال الخلیفۃ ولم، قال لانہ یفعل اشیاء منکرۃ کثیرۃ منھا کذا وکذا ثم شرع بعدد علی الخلیفۃ افعالہ القبیحۃ وما یقع منہ من المنکر لینزجر منھا فترکہ الخلیفۃ و خرج من عندہ وقد اثر کلامہ فیہ وانتفع بہ"

(ترجمہ) "خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کی جائے یا

نہیں، انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجود خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے، خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں شیخ نے کہا کہ وہ بہت سی منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ یہ امور ہیں، انھوں نے خلیفہ کے برے افعال گنانے شروع کئے نیز جو منکرات سرزد ہوئے تھے، خلیفہ نے گفتگو ترک کردی، اور ان کے پاس سے اٹھ آئے، لیکن ان کے کلام کا اثر ان کے دل پر ہوا، اور اس سے ان کو نفع ہوا۔"

(ص ۵۱۹) کی عربی عبارت اور اس کا ترجمہ مؤلف کے مطابق ختم ہوا، معلوم نہیں اس پوری عبارت سے یزید پر لعن کرنے نہ کرنے کا کیا تعلق ہے، اس سے تو شیخ عبدالمغیث کی حق گوئی اور خلیفہ کے سامنے اس کے معائب و منکرات کی نشاندہی کا پتہ چلتا ہے، جو ہمارے علماء کی امتیازی شان رہی ہے، ساتھ ہی اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر افعال قبیحہ اور منکرات کے سرزد ہونے کی وجہ سے یزید پر لعن جائز ہو جائے تو پھر خلیفہ وقت پر اس کا جواز نکل آئے گا، کیونکہ یہ بھی فلاں فلاں قبیح افعال اور غیر شرعی کام کرتا ہے، اس میں صرف یزید مستحق ملامت و لعنت کیوں ٹھہرے، خلیفہ وقت بھی اس کا سزاوار ہوگا، اس واقعہ سے تو یزید کے افعال قبیحہ اور منکرات کا پتہ چلتا ہے نہ کہ فضیلت و بزرگی ثابت ہوتی ہے، معلوم نہیں مؤلف طرفداری کے کس عالم میں اس واقعہ کو لکھ گئے، نیز مؤلف نے شیخ عبدالمغیث کے "قول لا اسوغ لعنہ لانی لو فتحت ھذا الباب" کا ترجمہ غلط کیا ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "میں اس پر لعن کی اجازت نہیں دیتا ہوں، کیونکہ اگر میں لعن کا یہ دروازہ کھول دیتا ہوں تو ـــ"

نہیں، انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجود خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے، خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں شیخ نے کہا کہ وہ بہت سی منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ یہ امور ہیں، انھوں نے خلیفہ کے برے افعال گنانے شروع کئے نیز جو منکرات سرزد ہوئے تھے، خلیفہ نے گفتگو ترک کردی، اور ان کے پاس سے اٹھ آئے، لیکن ان کے کلام کا اثر ان کے دل پر ہوا، اور اس سے ان کو نفع ہوا۔"

(ص ۵۱۹) کی عربی عبارت اور اس کا ترجمہ مؤلف کے مطابق ختم ہوا، معلوم نہیں اس پوری عبارت سے یزید پر لعن کرنے نہ کرنے کا کیا تعلق ہے، اس سے تو شیخ عبدالمغیث کی حق گوئی اور خلیفہ کے سامنے اس کے معائب و منکرات کی نشاندہی کا پتہ چلتا ہے، جو ہمارے علماء کی امتیازی شان رہی ہے، ساتھ ہی اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر افعال قبیحہ اور منکرات کے سرزد ہونے کی وجہ سے یزید پر لعن جائز ہو جائے تو پھر خلیفہ وقت پر اس کا جواز نکل آئے گا، کیونکہ یہ بھی فلاں فلاں قبیح افعال اور غیر شرعی کام کرتا ہے، اس میں صرف یزید مستحق ملامت و لعنت کیوں ٹھہرے ، خلیفہ وقت بھی اس کا سزاوار ہوگا، اس واقعہ سے تو یزید کے افعال قبیحہ اور منکرات کا پتہ چلتا ہے نہ کہ فضیلت و بزرگی ثابت ہوتی ہے، معلوم نہیں مؤلف طرفداری کے کس عالم میں اس واقعہ کو لکھ گئے، نیز مؤلف نے شیخ عبدالمغیث کے "قول لااسوغ لعنہ لانی لو فتحت ھذا الباب" کا ترجمہ غلط کیا ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "میں اس پر لعن کی اجازت نہیں دیتا ہوں، کیونکہ اگر میں لعن کا یہ دروازہ کھول دیتا ہوں تو۔۔۔"

مؤلف نے اس مقولہ کو عام حکم بنا کر یہ ترجمہ فرمادیا ہے، "لعن کرنا ہرگز جائز نہیں "، اور" لعن کا دروازہ کھول دیا جاسے تو، ترجمہ میں ذرا ذرا سی تبدیلی کرکے بات کہیں سے کہیں لے جانے میں مؤلف بہت ماہر ہیں،

یزید کی ولی عہدی کی داستان

مؤلف نے لکھا ہے:۔

"الغرض امیر یزید کا ولی عہد اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا پوری امت کی رضامندی سے ہوا تھا، یہ رضامندی مصلحت ملیہ کے تقاضہ کی بنا پر تھی، نہ کسی خوف کے تحت اور نہ لالچ کی وجہ سے، ان کا انتخاب کسی اندرونی اختلاف کا ثمر اور وقتی حادثہ نہ تھا، بلکہ ان کے بہترین زمانہ میں جب جذبات میں کوئی ہیجان نہ تھا، اجلہ صحابہ کرام کی تحریک و تائید سے ہوا، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقا اور آپ کے آل البیت اس پر مستقیم رہے۔" (ص ۴۰)

اس عبارت میں یزید کی بیعت و خلافت کو جس انداز میں پیش کیا گیا ہے اور جو شاندار الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، وہ ایک طرف اگر یزید کی شان کو دوبالا کرتے ہیں تو دوسری طرف حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، اور ایک ایک لفظ میں حضرت علیؓ پر چوٹ اور تعریض ہے،

یزید کی بیعت ولی عہدی کے ہمہ گیر ہونے کو مؤلف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"عالم اسلام کے ہر ہر علاقہ میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی تھی، اور

ہر جگہ کے وفود توکید بیعت کے لئے امیر یزید کے پاس حاضر ہوئے تھے، فاتسقت البیعة لیزید فی سائرالبلاد ،و وفدت الوفود من سائر الا قالیم الی یزید (ص۸۰ ج۸ البدایہ والنہایہ) امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی، کہ مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لئے وفود آئے ہوں، اور ہر علاقہ سے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو، جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات عالیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا، (ص ۴۰)

یزید کی ولی عہدی کے جواز کا مقام بہت ہی کٹھن تھا، اس کے بعد پھر تمام منزل آسان ہو جاتی ہے، اسی لئے مؤلف نے یزید کی منقبت میں نہایت موٹے موٹے الفاظ استعمال کرکے اسے بیعت کے اعتبار سے حضرات خلفائے راشدین سے بھی بلند مرتبہ قرار دیدیا ہے، اور یزید کی صلاحیتوں اور "جذبات ملی کے کارہائے نمایاں" کی بنیاد پر اس کی محبوبیت کا قصر قائم کرکے پورے عالم سے اس کی زیارت کرائی ہے، اور اپنی عادت کے مطابق علامہ ابن کثیرؒ کی عبارت میں خیانت کرکے دھوکہ دیا ہے، ملاحظہ ہو:۔

علامہ ابن کثیرؒ بیان کرتے ہیں کہ یزید کی بیعت کے لئے وفود بلائے گئے، اور ان کے سامنے حضرت معاویہؓ نے تقریر کی، اس کے بعد یزید کی بیعت ہونے لگی، اور آئے ہوئے لوگ دھمکی کی وجہ سے لب کشائی نہ کرسکے، اس طرح یزید کی بیعت چل پڑی، پوری عبارت یہ ہے:۔

ثم خطب معاوية، وهؤلاء حضور تحت منبره و بايع الناس ليزيد وهم قعود، ولم يوافقوا ولم يظهروا اخلافا لما تهددهم وتوعدهم فاتسقت البيعة ليزيد فى سائر البلاد (البدايه و النهايه ج۸ صف۸۰)

(ترجمہ) "پھر معاویہ نے خطبہ دیا، یہ لوگ ان کے منبر کے نیچے موجود تھے، عام لوگوں نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی، اور یہ لوگ بیٹھے رہے، نہ موافقت کی، نہ مخالفت کی، کیونکہ ان کو ڈرایا دھمکایا تھا، پس یزید کی ولی عہدی کی بیعت تمام شہروں میں چل پڑی۔

اصل اور پوری عبارت سامنے آجانے کے بعد فیصلہ آسان ہے، کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کس حال میں کس طرح ہوئی، اور مؤلف نے اپنے خیال کو ثابت کرنے کے لئے کیا حرکت کی ہے، مؤلف خلافت معاویہ و یزید کیا اس واقعہ کا انکار کرکے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک ہزار درہم بطور نذر کے بھیجے گئے، جسے انھوں نے قبول کرلیا، اس کے بعد یزید کی ولی عہدی کے لئے ان سے بیعت کا تذکرہ کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ "میں اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت نہیں کرونگا، معاویہؓ نے کیا ایک ہزار درہم پر میرا دین خریدنے کا قصد کیا ہے؟ یہ کہہ کر رقم واپس کردی، اور یزید کی بیعت سے انکار کردیا، اور کیا صحاح ستہ میں مذکور اس واقعہ سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ، مروان نے مدینہ منورہ کے لوگوں کو جمع کرکے یزید کی بیعت کا خط سنایا، تو عبدالرحمن بن ابو بکرؓ نے اٹھ کر کہا کہ تم لوگ خلافت کو ہرقلی حکومت بنانا چاہتے ہو کہ جب ایک ہرقل مرجائے تو اس کی جگہ دوسرا ہرقل قائم ہو، پھر

حضرت حسین بن علیؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی تصدیق و تائید کی، اور جلسہ بیعت درہم برہم ہو گیا، اور اس کے بعد یزید کی تعریف و منقبت میں تمام بلاد و امصار میں خطوط لکھے گئے اور اس کی اہلیت اور بزرگی کا پروپگینڈہ کیا گیا،

حضرت حسینؓ کے اس موقع پر بیعت کر کے یزید کی ولی عہدی کو تسلیم کر لینے کے لئے کیا یزید کا ایک شعر پیش کر کے اس کا اپنے ذوق کے مطابق بیان کر دینا کافی ہے، جیسا کہ مؤلف نے ص ۷۵ پر کیا ہے،

مؤلف نے ص ۳۸ اور ص ۳۹ پر علامہ ابن خلدون کے شہرۂ آفاق مقدمہ کی ایک طویل عبارت کا ترجمہ درج کیا ہے، اور دیگر خیانتوں کے ساتھ ایک زبردست خیانت یہ کی ہے، کہ اس بحث کا سب سے آخری پیرا اپنی عادت کے مطابق حذف کر دیا ہے، اور اس عبارت کا ترجمہ نہیں کیا ہے، وہ عبارت یہ ہے. وفرار عبداللہ بن عمر من ذالک انما هو محمول علی تورعه من الدخول فی شیئی من الامور مباحاً کان اومحظورا، کماهو معروف عنه الخ مقدمه (صف ۷۶)

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے،" اور عبداللہ بن عمرؓ کا یزید کی ولی عہدی کی بیعت سے بھاگ جانا، ان کی شدت احتیاط کی وجہ سے تھا، کسی بھی معاملہ میں خواہ وہ جائز یا ناجائز جیسا کہ ان کے بارے میں مشہور ہے۔"

اگر مؤلف اس جملہ کو نقل کرتے تو ان کا وہ دعویٰ باطل ہو جاتا جو کتاب میں جگہ

جگہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے یزید کے طرفدار ہونے کے بارے میں کیا گیا ہے، اس لئے انھوں نے اسے حذف کر کے علامہ ابن خلدون کی عبارت میں خیانت کی، اور بتانا چاہا کہ وہ بھی میری ہی طرح حق پوش و جانبدار ہیں،

ولی عہد بنانے کی وجہ

مؤلف نے یزید کے ولی عہد اور پھر خلیفہ بنانے کی وجہ نہایت والہانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے یزید کی صلاحیت و قابلیت اور اس کی دوراندیشی و دیانتداری وغیرہ کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا، مگر مورخین و وقائع نگار حتیٰ کہ علامہ ابنِ خلدون یزید کے بارے میں ان باتوں کے ہرگز قائل نہیں ہیں، اور نہ اسے اس اعتبار سے امامت و خلافت کا اہل مانتے ہیں، بلکہ حضرت معاویہؓ کے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد اور اپنا قائم مقام بنانے کی وجہ کچھ اور ہی بیان کرتے ہیں، ملاحظہ ہو، علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

والذی دعا معاویة لایثار ابنه یزید بالعهد دون من سواه انما هو مراعاة المصلحة فی اجتماع الناس واتفاق اهوائهم باتفاق اهل الحل والعقد علیه حینئذ من بنی امیة اذبنوامیة یومئذ لا یرضون سواهم وهم عصابة قریش واهل الملة اجمع، واهل الغلب منهم فآثره بذالک دون غیره ممن یظن انه اولی بها وعدل الفاضل الی المفضول حرصاً علی الاتفاق واجتماع الاهواء الذی شانه اهم عند الشارع (مقدمه ص۱۷۵، ۱۷٦)

اور جس بات نے معاویہؓ کو کسی دوسرے کو نہیں بلکہ اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کی دعوت دی، وہ صرف اس مصلحت کی رعایت تھی کہ اس وقت بنو امیہ کے اہل حل و عقد کے یزید پر اتفاق کرنے سے لوگوں کا اجتماع اور ان کے خیالات کا اتفاق ہو جائے گا، کیونکہ اس وقت بنی امیہ اپنے ان اھل حل و عقد کے علاوہ کسی کے ماننے پر راضی نہیں تھے، اور بنو امیہ ہی قریش اور پورے اہل ملت کے سر گروہ تھے، اور اہل غلبہ ان میں سے تھے، اسی وجہ سے معاویہؓ نے یزید کو دوسرے پر ترجیح دی، جس کے متعلق گمان تھا کہ وہ ولایت و خلافت کے لئے زیادہ موزوں و بہتر ہے، اور انھوں نے فاضل و بہتر سے ہٹ کر مفضول و نامناسب کو ولی عہد بنایا، وہ بھی اس خیال سے کہ اتفاق باقی رہے، اور لوگوں کے خیالات مجتمع رہیں، اس لئے کہ اتفاق و اجتماع شارع کے نزدیک بہت اہم چیز ہے۔

نیز حضرت معاویہؓ کے حسن نیت اور حرص علی الاجتماع کو یزید کے ولی عہد بنانے کی وجہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ماحدث فی یزید من الفسق ایام خلافته فایاک ان تظن معاویة رضی الله عنه انه علم بذالک فانه، اعدل من ذالک" وافضل بل کان یعذله ایام حیاته فی سماع الغناء وینهاه عنه وهو اقل من ذالک (مقدمه صف۱۷۶، ۱۷۷)

(ترجمہ) "یزید کے اندر اس کی خلافت کے زمانہ میں جو فسق و فجور پیدا ہوا، خبردار تم ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اسے جانتے تھے، کیونکہ وہ اس سے اعلیٰ و افضل ہیں، بلکہ وہ تو اپنی زندگی میں یزید کو گانا سننے پر ملامت کرتے تھے، اور روکتے تھے، حالانکہ غناء فسق سے کم درجہ کا گناہ ہے۔"

ان تصریحات سے حضرت معاویہؓ کے اجتہاد و نیت اور یزید کے حالات کا بخوبی علم ہوجاتا ہے، اور یہ سوال حل ہو جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو کیوں اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا، اور خلافت کے امر کو مسلمانوں کے فیصلے پر کیوں نہیں چھوڑدیا۔

یزید کی امارت و خلافت کس معنی میں تھی؟

یزید کی امارت و خلافت نہ علیٰ منہاج النبوۃ تھی اور نہ خلافت راشدہ تھی، بلکہ اس کی حیثیت ایک عام حکومت و سلطنت کی تھی جو غلبہ و اقتدار کے بعد ہو جاتی ہے، اور چونکہ شرعاً دینی امور کے نفوذ اور واجب العمل ہونے میں حاکم و سلطان کے نیک و بد ہونے کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ جس طرح نیک امیر کا حکم جہاد و قصاص، عزل و نصب میں مانا جائے گا، اسی طرح بدکار امیر و حاکم کا حکم ان میں نافذ ہوگا، اس لئے یزید کے اعمالِ قبیحہ کے ساتھ ساتھ اس نے جو شرعی احکام جاری کئے ان پر عمل درآمد کیا گیا، اور وہ صحیح تھے،

اس مسئلہ میں ہم امام ابن تیمیہؒ کی صاف و صائب رائے کو پیش کرتے ہیں اور یہی اہل حق کا مسلک و موقف ہے،

یزید اور اس کی امارت و خلافت کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

لم نعتقد انه من الخلفاء الراشدین کما قاله بعض الجهلة من الاکراد وکما قیل هو نبی، فهولاء نظرآء من ادعی نبوة علی او الهیته (المنتقی ص۲۷۹)

(ترجمہ) "ہم یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ یزید خلفائے راشدین میں سے ہے، جیسا کہ بعض جاہل کردوں نے کہا، اور جیسا کہ کہا گیا ہے، کہ یزید نبی ہے ایسا کہنے والے اس شخص کے مانند ہیں جس نے حضرت علیؓ کی نبوّت یا ان کی الوہیت کا دعویٰ کیا۔"

امام ابن تیمیہؒ کا یہ بیان بالکل واضح ہے، اس کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے،

اس کے آگے یزید کی امارت کی حیثیت یوں بیان فرماتے ہیں:۔

ونحن نقول خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم صار ملكاً كماورد فى الحديث وان عنيت باعتقاد امامة يزيد انه كان ملك وقته و صاحب السيف كامثاله من المروانية والعباسية فهذا متيقن، وحكم يزيد على جوزة الاسلام سوى مكة فانه غلب عليها ابن الزبير وامتنع عن بيعة يزيد، ولم يدع الى نفسه حتى بلغه موت يزيد(ص١٨١)فكون الواحد من هولاء اماما بمعنى انه كان له سلطان ومعه السيف يولى ويعزل ويعطى ويحرم ويحكم و ينفذ و يقم الحدود ويجاهد الكفار ويقسم الاموال، امر مشهور متواتر لايمكن جحده وهذا مع كونه اماما و خليفة وسلطاناً كما ان امام الصلوٰة هو الذى يصلى بالناس فاذا راينا رجلا يصلى بالناس كان القول بانه امام امرا مشهودا محسوسا لا تمكن المكابرة فيه اما كونه برا او فاجرا، مطيعـا او عاصياً فذاک امر اخر، فاهل السنة اذا اعتقدوا امامة الواحد من هولاء يزيد اوعبد الملک اوالمنصور اوغيرهم كان بهذا الاعتبار (المنتقى ص١٨١تا١٨٢)

(ترجمہ) "اور ہم کہتے ہیں کہ خلافتِ نبوۃ تیس سال تک ہے پھر ملوکیت ہو گئی

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، اور اگر تم یزید کی امامت و خلافت کے اعتقاد سے یہ مراد لیتے ہو کہ وہ اپنے وقت کا ملک اور صاحبِ سیف تھا، جیسے مروانی اور عباسی حکمران تو یہ بات یقینی ہے، اور یزید نے سوائے مکہ کے پورے عالم اسلام پر حکومت کی، البتہ مکہ پر ابن زبیرؓ غالب رہے، اور یزید کی بیعت سے رکے رہے اور اپنی طرف لوگوں کو دعوت نہ دی یہاں تک کہ ان کو یزید کی موت کی خبر پہونچی، (پس یزید اور مروانی و عباسی حکمرانوں میں سے) کسی کا امام ہونا اس معنی میں ہے کہ اس کے لئے سلطنت تھی، اور اس کے ساتھ تلوار تھی، وہ والی بناتا تھا، اور معزول کرتا تھا، اور عطیہ دیتا تھا اور محروم کرتا تھا، اور حکم دیتا تھا اور اسے نافذ کرتا تھا، اور حدود قائم کرتا تھا، اور کفار سے جہاد کرتا تھا، اور اموال تقسیم کرتا تھا، مشہور و متواتر بات ہے، اس کا انکار ممکن نہیں ہے اور یہی مطلب ہے یزید کے امام اور خلیفہ و سلطان ہونے کا، جس طرح نماز کا امام وہ شخص ہے جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے، پس جب ہم کسی کو دیکھیں گے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہے تو یہ کہنا کہ وہ امام ہے، دیکھی جانی ہوئی بات ہوگی، اس میں مکابرہ و انکار ممکن نہیں ہوگا، اور اس کا نیک و بد ہونا مطیع یا عاصی ہونا یہ ایک دوسری بات ہے، اہل سنت جب یزید، یا عبدالملک یا منصور وغیرہم میں سے کسی کی امامت و خلافت کا اعتقاد رکھتے ہیں تو ان کا یہ اعتقاد اسی اعتبار سے اور اسی معنیٰ میں ہوتا ہے۔"

علامہ ابن تیمیہؒ کے اس صاف و صریح بیان کے باوجود مؤلف نے اپنی عادت کے مطابق اپنی کتاب ص ۲۲۹ اور ص ۲۳۰ پر علامہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے اسی

عبارت کے درمیان سے ایک ٹکڑا لے لیا، اور آگے پیچھے حذف کر کے اپنے مطلب کے مطابق بات بنانی چاہی ہے، اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یزید کی خلافت و امارت بھی ایسی ہی تھی جیسے حضرات ابوبکر و عمرؓ کی خلافت تھی حالانکہ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یزید کی خلافت و امارت اس معنی میں ہے کہ وہ صاحب اقتدار بن گیا تھا، اور عزل و نصب وغیرہ اس کے اختیار میں تھا جیسے حضرت ابوبکر و عمرؓ یا جیسے قیصر و کسریٰ صاحب اقتدار حکمران تھے، مگر اس کی امارت و خلافت راشدہ نہیں تھی، بلکہ وہ تو تیس سال کے بعد ختم ہو گئی، اور خلافت پر امارت اور بادشاہت کا قبضہ ہو گیا۔

تین المناک واقعات

واقعہ کربلا عراق، واقعہ حرّہ مدینہ منوّرہ اور محاصرہ مکّہ مکرمہ

جب کوئی نئی حکومت و سلطنت قائم ہوتی ہے تو ابتداء میں اسے طرح طرح کے حالات و واقعات سے گذرنا پڑتا ہے، اور اس کے قیام و استحکام کے سلسلے میں وہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے جو اس کے بانیوں کے بس میں ہوتا ہے، اس دور میں زمانہ جنگ کی طرح اخلاق، قوانین، اور نتائج سے آنکھ بند کر کے صرف ایک ہی کام ہوتا ہے، یعنی ہر ممکن طریقہ سے نئی دولت کا قیام و استحکام۔

"خلافتِ راشدہ کے بعد خلافتِ اموی کا قیام بھی اسی اصول کے مطابق ہوا اور اس کے قائم کرنے والوں نے وہ سب کچھ کیا جو ایک نئی حکومت کے قیام کے لئے کرنا چاہیے، یزید، مروان، عبیداللہ بن زیاد، اور عمر بن سعد وغیرہ نے خلافت راشدہ کی بنیاد پر (ملک عضوض) کو استوار و مستحکم کرنے کے لیے ان تمام ناسازگار حالات کا جم کر مقابلہ کیا جو خلافت راشدہ کے اثرات سے تھے، اور نئی حکومت کے قیام میں آڑے آرہے تھے، نیز انھوں نے ایسے حالات پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جو ایک نئی دولت کو پروان چڑھا سکیں، چونکہ اس سلسلہ میں نسلی عصبیت اور خاندانی طاقت و شوکت کا عنصر غالب تھا، اس لئے تمام کاموں میں ہر طرف سے آنکھ بند کر کے صرف غلبہ و استیلاء ہی مطمح نظر رہا، اور اس میں دین و اخلاق اور عقیدہ و عمل کی بلندیوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔"

ظاہر ہے کہ جس دولت کے قیام کے لئے یہ نظریہ کام کرتا ہو، اس کے نزدیک ہر طاقت خواہ وہ اپنے کیف و کم کے اعتبار سے کتنی ہی مقدس ہو، اور اپنے اصول اور مقصد کے لحاظ سے کتنی ہی بلند ہو، ناقابل معافی مجرم ہوگی، اور اس کا فرو کرنا ضروری ہوگا، چنانچہ دولت اموی کے بانیوں نے ایسے تمام حالات کا مقابلہ کرکے ان کا خاتمہ کیا، جو خواہ کسی نام پر تھے، مگر ان کے مقصد کے خلاف تھے،

خلافت اموی کے پہلے حکمران یزید کے دور (تین سال نو ماہ) میں اس قسم کے تین واقعات رونما ہوئے، جن میں اس حکومت کو کامیابی ہوئی، اور اس کے مقابل ناکام ہوئے، پہلا واقعہ حادثہ کربلا کا ہے جو یزید کے تخت نشین ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد پیش آیا، اور دو واقعات اس کی زندگی کے آخری دور کے ہیں، ایک واقعہ حرہ مدینہ منورہ اور دوسرا محاصرہ مکہ مکرمہ، یہ تینوں حادثے دولت اموی کے ابتداء میں نہایت سنگین قسم کے واقع ہوئے، مگر چونکہ واقعہ کربلا کو ایک فرقہ نے اپنی دعوت کا محور بنایا، اور اسے خوب خوب شہرت دی، اس لئے وہ اتنا مشہور ہوا کہ بعد کے دونوں واقعات اس کے مقابلہ میں زیادہ مشہور نہ ہوسکے واقعہ کربلا اس شہرت میں افسانوی رنگ اختیار کرگیا، اور یاروں نے اسے حقیقت سے نکال کر اس درجہ افسانہ بنادیا کہ اب بعض لوگ اسے تحقیق اور ریسرچ کے نام پر پیش کرتے ہیں،

تو اس کی واقعیت کو دوسرے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور دونوں حال میں اس کی افسانویت ختم نہیں ہو رہی ہے:۔

مؤلف کربلا کے واقعات کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت حسینؓ کو اگر اس بات کا پورا یقین ہو جاتا۔ کہ کوفہ کے انتظامی حالات میں کیا انقلاب رونما ہو گیا ہے، وہ ادھر کا رخ نہ کرتے یا راستے ہی سے پلٹ جاتے، ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر سابق گورنر کوفہ جب باغیانہ سرگرمیوں کو کچلنے میں ناکام رہے تھے، عبیداللہ بن زیاد عامل بصرہ کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لیے بھیجا گیا،" (ص ۱۷۰)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"بیان ہو چکا ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کے انتظام کے لئے عارضی طور سے بصرہ سے یہاں بھیجا گیا تھا،" (ص ۲۰۳)

اس جگہ نہایت معصومانہ انداز میں یہ نوٹ لکھا گیا ہے:۔

"وضعی روایتوں میں یہ لغو بات بھی کہی گئی ہے کہ امیر المومنین یزید نے اپنے والد کے غلام سرجون رومی سے کوفیوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال سن کر وہاں کے انتظام کا مشورہ کیا، اس نے عبیداللہ کے وہاں بھیجنے کا مشورہ دیا، یہ سرجون جس کا صحیح نام سرجس تھا، محکمہ مالیات کا کارکن تھا، شاید ایک عیسائی رومی سے اسلامی مملکت کے انتظامی امور میں مشورہ کرنا بطور تنقیص کے بیان ہو، امیر المومنین جو اپنے دہ سالہ زمانہ ولی عہدی میں مہمات جہاد کے علاوہ کاروبارِ خلافت کا کلی تجربہ رکھتے تھے، عمال خلافت کی اہلیت اور کارکردگی کی قابلیت سے بذات خود واقف تھے ان کو محکمہ مالیات کے عیسائی کارکن سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی، وہ اگر مشورہ

کرتے تو حضرت ضحاک بن قیسؓ الفہری جیسے صحابی وعامل دمشق جیسے اعیان سے کرتے نہ کہ صیغۂ مالیات کے عیسائی کارکن سے" (ص ۲۰۴)

یہاں مؤلف پر بری طرح ذہنی دباؤ پڑرہا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اپنی اس بات میں وزن نہیں محسوس کررہے ہیں حالانکہ واقعہ کربلا کا اصل تخیل اسی نقطہ سے شروع ہوتا ہے، اور سرجون نصرانی کی رائے کے مطابق کوفہ کے انتظامات میں وہ سخت گیر قسم کا انقلاب رونما ہوا جس نے حضرت حسینؓ اور ان کے خاندان کی آخری پیش کش کو ٹھکرا کر قتل وغارت کا مظاہرہ کیا، اور وہ سب کچھ ہوا جو ایک سخت ترین سیاست کا کام ہوسکتا ہے، اگر سرجون نصرانی کے مشورہ کے مطابق عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا انتظام نہ دیا گیا ہوتا، اور کوئی صلح پسند اور نرم دل آدمی وہاں کا گورنر بنا ہوتا تو شاید یہ حادثہ پیش نہ آتا، اور حضرت حسینؓ کی پیش کش کا خوش گوار اثر ظاہر ہوتا، اور حضرت حسنؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی خون خرابہ سے بچنے کی راہ نکالتے:۔

مناسب ہے کہ اس مقام پر مؤلف اور ان کے آزاد محققین و مستشرقین نے جو بے لاگ تحقیق کی ہے، اور مؤلف اسے واقعہ کربلا کے لئے آخری حجت بتارہے ہیں۔ ہم اس کا پس منظر ناظرین کی خدمت میں پیش کردیں، تاکہ اس سلسلہ کی ساری مسیحی تحقیق کی نوعیت ذہن میں آجائے، اور معلوم ہوجائے کہ مسیحی مؤرخین اور مستشرقین شامی فوجوں کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے حضرت حسینؓ اور حسینی قافلہ ہی کو کیوں مجرم وخطاکار قرار دیتے ہیں صورت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے شام کا پورا علاقہ رومی امپائر کے زیرنگیں تھا، اور اس کے حکام شام میں تھے، خود شام کے غساسنہ

(شاہان غسان) رومی شہنشاہیت کی نمائندگی کرتے تھے، اور چونکہ شام اور بیت المقدس کا سارا علاقہ عیسائیوں کے لئے مقدس تھا، اس لئے یورپ کی تمام مسیحی طاقتیں وہاں نظر جمائے رکھتی تھیں، اور وہ مسیحیوں کا دینی اور قومی ہی مرکز نہ تھا، بلکہ ان کی سیاست و حکومت اور تہذیب و تمدن کا بھی مشرقی گہوارہ تھا۔

خلافتِ راشدہ میں جب شام کا علاقہ فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں کا انتظام حضرت معاویہؓ کے سپرد کیا، جو اسلام کی سیاسی دور اندیشی سے رومی اور مسیحی سیاست کا کاٹ کر سکتے تھے، چنانچہ حضرت معاویہؓ نے رومیوں کا پورا مقابلہ کیا، عہد فاروقی میں ان سے بحری جنگ کی اجازت طلب کی اور عہد عثمانی میں قبرص وغیرہ پر چڑھائی کرکے بار بار فتح حاصل کی، اور پھر جب شام پر ان کا اقتدار و قبضہ ہوا تو رومی ممالک پر مسلسل حملے کئے اور قسطنطنیہ تک ان کی فوجی طاقت کو سخت دھکا پہونچایا اور شام کی نصرانی تہذیب کو اسلامی ثقافت سے بدل دیا، حضرت معاویہؓ رومیوں کے معاملہ میں نہایت سخت تھے، اور پوری طاقت سے ان کی حرکت کا مقابلہ کرتے رہے، چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ اندرونی مشاجرات میں تھے، شاہِ روم نے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا، تو حضرت معاویہؓ کو بڑی تشویش ہوئی، اور آپ نے نہایت سخت جواب دیا، اور لکھا کہ اگر تو ہمارے آپس کے مشاجرات سے فائدہ اٹھا کر ہمارے ملک پر حملہ آور ہوگا تو میں اور علیؓ دونوں ساتھ مل کر تیرا مقابلہ کریں گے، اور میں آگے آگے ہوں گا،

مگر افسوس کہ حضرت معاویہؓ کی آنکھ بند ہوتے ہی شام کی طرف سے ہر قلیت اور

رومی طرز سیاست اسلام پر حملہ آور ہوئی اور ان اغیلمہ کے اثر و اقتدار کے دوش پر اسے پروان چڑھنے کا زرّیں موقع ہاتھ آگیا، جو بنوامیہ کی نئی حکومت کے قیام و بقا کے لئے یزید، مروان عبیداللہ بن زیاد، عمر بن سعد کی طرح مسیحی سیاست دانوں کو بھی کام میں لائے جس کا نہایت مکروہ ظہور واقعہ کربلا کی شکل میں ہوا اور مسیحیت نے وہ کام کیا کہ آج تک اسلامی دنیا دست و گریبان نظر آرہی ہے۔ بنوامیّہ کا مستقر شام کا شہر دمشق تھا، جو پہلے سے شامی بازنطینی تہذیب وفکر کا مرکز اور مسیحیت کا گہوارہ تھا، اور یہاں رومی طرز حکومت کی حکمرانی تھی، ہنگامی ضرورت کی وجہ سے حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں دیوان خراج میں کام کرنے کے لئے بعض نصرانی منصرموں اور کاتبوں کی خدمات حاصل کیں، چنانچہ شہر حمص کے خراج کی وصولی کے لئے ابن اثال نصرانی کو رکھا، نیز سرجون بن منصور رومی مسیحی حضرت معاویہؓ کے دیوان خراج کا کاتب تھا یہ شخص حضرت معاویہ، یزید، معاویہ بن یزید، مروان بن حکم، اور عبدالملک بن مروان کے زمانہ تک شام کے دیوان خراج کا منتظم اعلیٰ رہا، (کتاب الوزرا جہشیاری) اور اس کے ماتحت نصرانی عملہ کی ایک بڑی جماعت تھی، اس لئے اس کا اثر و رسوخ بڑھا اور یزید کا مشیر بھی بن گیا، اور وہ اپنے عمّال و امراء کے عزل و نصب میں اس سے مشورہ کرنے لگا، یہ قدیم رومی حکومت کا زمانہ دیکھنے والا کاتب اپنے مذہب پر قائم تھا، اور بظاہر مسلمان حکومت کا ملازم بن کر بباطن روم کی مسیحی حکومت کا طرفدار تھا، اور ان رومی ممالک پر اسلامی فتوحات سے راضی نہ تھا، ایسا آدمی کب صحیح مشورہ دے سکتا تھا اور اسلامی معاملات خصوصاً مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی میں امن و صلح کی بات کیسے کر

سکتا تھا، وہ توڑاؤ اور حکومت کرو کی قدیم رومی پالیسی کا آدمی تھا، چنانچہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے ایسے موقع کو غنیمت سمجھا، جس میں ایک طرف عرب کی سب سے بڑی طاقت (بنوامیہ) ہو، اور دوسری طرف خاندان رسالت اور اس کے طرفدار دینی جذبہ کے ساتھ ہوں، اور جب یزید نے اس سے مشورہ کیا تو اس نے ایسا مشورہ دیا جو اس کی مسیحی پالیسی کے عین مناسب تھا، اور جس کی ایک بے دین نصرانی سے توقع تھی، علامہ جہشیاری کی مشہور و معتبر کتاب الوزراء والکتاب میں ہے:۔

ولما اتصل بیزید مسیر الحسین رضی الله عنه الی الکوفه شاور سرجون بن منصور فیمن یولی العراق" (کتاب الوزراء والکتّاب طبع مصر ص ۳۱)

(ترجمہ) "اور جب حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ پہونچ جانے کی خبر یزید کے پاس پہونچی تو اس نے سرجون بن منصور رومی سے مشورہ کیا، کہ کس شخص کو عراق کا گورنر بنائے۔"

اس تصریح کے بعد یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حادثہ کربلا میں یزید نے کس فکر و ذہن کے مشورہ پر عمل کیا، اور اسے کس نے ایسے آدمی کو عراق کی گورنری کا مشورہ دیا جو پہلے ہی سے عصبیت و طرفداری میں مشہور تھا، اور اس معاملہ میں کسی شخصیت یا جماعت یا دیانت کی پروا نہیں کرتا تھا، اگر نصرانیت کی یہ چال کامیاب نہ ہو گئی ہوتی تو شاید یہ سانحہ پیش نہ آتا، اور آج تک عیسائی مصنفین اور مسیحی مورخین

حضرت حسینؓ اور ان کے ہمراہیوں کو غلط کار و خطاکار ثابت کرکے
یزید کی حکومت اور اس کے عمال کو نہ سراہتے، جس نے
سرجون بن منصور نصرانی اور اس جیسے دوسرے اپنے عیسائی اہل کاروں کے مشورہ سے
یہ کام کیا، مغربی محققوں کی بے لاگ تحقیق اسی نصرانی مشورہ کی تصحیح و تصدیق
کے لئے ہے جو اسلام میں ہمیشہ کے لئے افتراق و انشقاق پیدا کرنے کی غرض سے
دیا گیا تھا، اموی دربار پر نصرانیوں کے تسلط کو عیسائی مورخین و مستشرقین نہایت
فخر و مباہات اور اہمیت کے ساتھ بیان کرکے اسلامی افکار و خیالات پر مسیحی علم و فلسفہ
کے اثرات کو ثابت کرتے ہیں، چنانچہ ایک مسیحی مستشرق جان کریمر نے
لکھا ہے:۔

"عیش و عشرت کی مشغولیت کی بنا پر اکثر اموی خلفاء نے عیسائیوں اور دیگر غیر
مسلم اقوام کے ساتھ بہت زیادہ رواداری برتی، نہ صرف یہ کہ عیسائیوں کو خلفاء کے
دربار میں آزادی کے ساتھ داخلہ کی اجازت تھی، بلکہ انھیں اکثر اہم ترین ذمہ داری کے
عہدے بھی دیئے جاتے تھے، سرجون جو یوحنائے دمشقی کا باپ تھا عبدالملک کے
دربار میں مشیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھا، اور اس کی وفات پر یہ عہدہ اس کے
بیٹے کو تفویض ہوا، یہانتک کہ دربار کا ملک الشعراء ایک عیسائی اخطل ہی تھا،
عیسائیوں کی حالت ایسی اچھی تھی کہ انھیں مساجد میں بے روک ٹوک جانے کی اور عام
مجمعوں میں طلائی صلیب کے ساتھ چلنے پھرنے کی اجازت تھی۔" الخ
نکلسن نے اس کی مزید توضیح یوں بیان کی ہے:۔

"عیسائیوں کو اموی خلفاء کے دربار میں آزادی کے ساتھ نقل و حرکت کی اجازت تھی، نصرانی شاعر اخطل دربار کا ملک الشعراء تھا، اور اس کے ہم مذہب حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، مسلمان اور عیسائی دوستانہ گفتگو نیز مذہبی مناظروں میں تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے،" (۱)

جس مسیحی یلغار کو بنوامیہ کے ابتدائی جوشیلے نوخیزوں نے دعوت دی تھی، اور یزیدی اور مروانی دور میں جس نے اسلام دشمنی کے بڑے بڑے کام کئے اور حکمرانوں کو غلط مشورے دے کر بدلہ لیا، بعد کے اموی خلفاء نے اس کا سدِ باب کیا، اور یونانی جدلیات و مناظرہ اور باز نطینی افکار و خیالات اور رومی سیاست و انتظام کے بر خلاف اسلامی علوم و فنون اور عربی زندگی کو فروغ دیا، اور حتیٰ الامکان عجمی اثرات سے اسلامی تعلیمات اور عربی طبائع کو دور رکھا، اسی لئے بنوامیہ اپنے اوصاف میں بنو عباسیہ سے ممتاز مانے جاتے ہیں، حضرت معاویہؓ کے بعد نصرانیت اور رومیت کی جو رو چل پڑی تھی، اگر بعد کے دور اندیش اموی خلفاء اس کا مقابلہ کر کے شکست نہ دیتے تو یہ نصاریٰ اسی زمانہ میں اسلام کی سیاسی قوت کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا دینی اور فکری سرمایہ بھی ختم کر دیتے ہوتے۔

واقعات کربلا کے سلسلے میں بڑی سنجیدگی سے ان حقائق کو پیش نظر رکھئے۔ تاکہ اس پس منظر سے واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو، اور مؤلف کی پیدا کردہ الجھنیں دور ہوں،

۱- ہم نے یہ اقتباسات جناب محترم شبیر احمد خاں صاحب غوری، ایم، اے ایل ایل بی، بی ٹی رجسٹرار امتحانات یو، پی کے ایک مقالہ مندرجہ برہان دہلی دسمبر ۱۹۵۹ سے لئے ہیں،

مؤلف اور ان کے نصرانی محققین کی تحقیق

مؤلف "خلافت معاویہؓ و یزید" کی سب سے بڑی ناکامی یہ ہے، کہ انھوں نے جس واقعہ کو الٹ دینے کے لئے یہ کتاب لکھی، اور جس کے لئے ان کو سب کچھ کرنا پڑا، اس میں ایک دلیل بھی کسی ثقہ یا غیر ثقہ اسلامی مورخ کے پاس نہ پا سکے، اور اپنے مفروضہ کے تمام تر دلائل ان اسلام کے دشمن مسیحیوں کی کتابوں سے بیان کئے جن کے آباء و اجداد نے یزید کے ذریعہ یہ کھیل کھیلا تھا، اور جن کو شاباش دینے کے لئے آج تک مسیحی مورخ حضرت حسینؓ کو غلط کار بتاتے ہیں،

واقعہ کربلا کا سارا الزام مؤلف نے قافلہ حسینی پر رکھا ہے، اور ان ہی کو حملہ آور قرار دے کر ان کی موت و شہادت کو ان کی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو، عمر بن سعد کی مساعی جمیلہ کو سراہنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

"اس مطالبہ نے برادرانِ مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوش انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے، مشتعل کر دیا، نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے، اور جنھیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آرہی تھی، یہ موقع ہاتھ آگیا، انھوں نے اپنے پیش رووں کی تقلید میں، جنھوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا، اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی ناعاقبت اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا، انھوں نے اپنے سپاہیوں کو جوابی حملہ یا جارحانہ اقدام سے روکے رکھا مدافعانہ پہلو سے آگے نہ بڑھنے دیا" الخ (ص ۲۱۹)

اس مفروضہ کی دلیل آپ کو کسی اسلامی مورخ و مصنف کے یہاں نہ مل سکی تو آپ نے حسب عادت ان الفاظ میں اسلام کے دشمن اور شربت زہر دینے والے مسیحی مورخوں کا حوالہ دیا:۔

"آزاد محققین و مستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ محزون پیش آیا، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے (ص ۲۱۱) لکھا ہے کہ۔۔۔۔۔۔"

اتنے بڑے دعویٰ کے لئے کسی بھی مسلمان مصنف کا قول نہ نقل کیا اور مسیحیوں کی اسلامی تاریخ نوازی پر اعتماد کرنا مؤلف "خلافت معاویہؓ ویزید" جیسے محقق کا کام تو ہوسکتا ہے، مگر کوئی غیرت مند مسلمان تو اسے گوارا نہیں کرسکتا اور نہ ہم ان کی اس بات کو تسلیم کرسکتے ہیں، مسیحیوں کا قول ہمارے لئے ہرگز حجت نہیں ہے آپ اور آپ کے معتمد مستشرقین کی تحقیق کی رو سے سرکاری فوج نے کچھ نہیں کیا، بلکہ برادران مسلم اور کوفیوں نے امن پسند، صلح جو بہادروں پر خود حملہ کردیا، پھر بھی اس پر عمر بن سعد کی مساعی جمیلہ سے اس کے فوجیوں نے جوابی کارروائی نہیں کی، بلکہ مدافعت کے لئے آگے بڑھنے کی جرات بھی نہ کی، مگر حسینی قافلہ کے ناعاقبت اندیش آگے بڑھتے رہے، اور بھیڑ کی طرح اپنے کو کٹواتے رہے، حتیٰ کہ حضرت حسینؓ نے بھی یہی کام کیا اور حادثہ کربلا واقع ہوگیا، وہ بھی صرف آدھ گھنٹے تک جاری رہ کر ختم ہوگیا، مؤلف فرماتے ہیں:۔

" برادران مسلم اور ساٹھ پینسٹھ کوفیوں کی ناعاقبت اندیشانہ طور سے فوجی دستہ کے

سپاہیوں پر اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ محزون یکایک اور غیر متوقع پیش آ کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا۔" (ص ۲۲۳)

بھلا کوئی سمجھ دار آدمی باور کر سکتا ہے کہ ۶۰، ۶۵ کوفی اور خاندان حسینؓ کے چند افراد ایسی فوج پر حملہ کر سکتے ہیں، جو بقول مؤلف جنگ آزمودہ اور حرب و ضرب میں کافی شہرت رکھنے والی تھی، اس حال میں کہ بقول مؤلف یہ لوگ جنگ آزمودہ بھی نہیں تھے، اس کے باوجود ان ناعاقبت اندیش ناتجربہ کار قافلہ حسینی نے ان تجربہ کار اور جنگ آزمودہ فوجیوں کے اسی بہادروں کو اسی وقت مار ڈالا، اور خود ۷۲ کی تعداد میں مقتول ہوئے،

مؤلف کا کہنا ہے کہ،

"لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت کے پہلو پر (عمر بن سعد نے) قائم رکھا، جس کا بیّن ثبوت خود ان ہی راویوں کے بیان سے ملتا ہے، جہاں انھوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلہ کے بہتر مقتول ہوئے، جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے، اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؓ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔" (ص ۲۱۳)

شاید دنیا کی تاریخ جنگ میں امیر عمر بن سعد کی فوج سے زیادہ امن پسند، صلح جو فوج نہیں گذری ہو گی، اور قافلہ حسینی سے زیادہ ناعاقبت اندیش حملہ آور دنیا میں نہیں گذرے ہوں گے، اگر مؤلف کا یہ زعم کسی درجہ میں صحیح مان لیا جائے تو کیا

وہ بتا سکتے ہیں کہ وہ فوجیں کس کی تھیں، جنھوں نے مکہ مکرمہ میں کشتوں کے پشتے لگادیے تھے، جبل ابو قیس پر منجنیق نسب کرکے بیت اللہ پر گولہ باری کی، غلاف کعبہ کو آگ لگائی گئی، اور اللہ کے حرم کی حرمت کو ختم کرکے انسانی خون کی ہولی کھیلی گئی کیا مؤلف بتا سکتے ہیں کہ وہ کون فوجی تھے جنھوں نے واقعہ حرہ برپا کرکے مدینۃ الرسول ﷺ کو لوٹا، تین رات دن تک مدینہ منورہ کو مباح کردیا تھا، اور انصار ومہاجرین کے خون کی نہریں جاری کی تھیں، انسانی عزت وعصمت پر ڈاکے ڈالے تھے، اور اللہ کے رسول کی مسجد کو تین دن تک بلا اذان و اقامت کے خالی رکھا تھا، یہ کون سورما تھے، نیز اس طرح کے متعدد خونی معرکوں میں کون لوگ تھے، جنھوں نے بہادری و جوانمردی دکھائی تھی؟ کربلا کا صرف ایک ہی واقعہ ان کا کارنامہ نہیں ہے جسے مؤلف مسیحی مورخوں کی مدد سے چھپانے میں کامیاب ہوجائیں گے، ان اس کی فوجوں کے یہ بڑے بڑے کارنامے کہاں جائیں گے، جو آپ حادثۂ کربلا کے معمولی واقعہ کو چھپا کر ان کو خدا ترس اور امن پسند ثابت کرتے ہیں، جن بہادروں نے حرم الٰہی کو لوٹا، اور حرم نبوی کو قتل وغارت کا بازار بنایا، اور خون ریزی اور خون آشامی کا بد ترین ثبوت پیش کیا، ان کے لئے تو یہ بات بہت معمولی تھی، کہ قافلہ حسینی کے مٹھی بھر انسانوں کو دم کے دم میں بھون کر رکھ دیں، اور ان چند جنگ ناآزمودہ مردوں، بچوں، اور عورتوں کو چشم زدن میں چٹ کرجائیں، اور مردانگی، اور جوانمردی کا وہ ثبوت پیش کریں جو کائنات کی تاریخ جنگ میں اپنی مثال آپ ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ آپ ہی کے بیان کی روشنی میں ہم بتاتے ہیں سنئے،

شمر کی رپورٹ

مؤلف کا ارشاد ہے۔

"حالانکہ طبری ودیگر مورخین نے ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کے مطابق بیان کیا ہے کہ یہ حادثہ بس اتنی ہی دیر میں ختم ہو گیا جتنی دیر قیلولہ میں آنکھ جھپک جائے، یعنی کم و بیش آدھ گھنٹے میں۔" (صفحہ ۲۲۳)

مؤلف نے جیسا کہ بار بار اپنی کتاب میں کہا ہے، اس جگہ بھی پڑھنے والوں کو یقین دلانے کی کوشش کی ہے، کہ یہ طبری اور دیگر مورخین کا بیان ہے، حالانکہ ان بےچاروں نے اپنی کتابوں میں شمر بن ذی الجوشن کی وہ تقریر نقل کی ہے، جو اس نے حادثہ کربلا کے بعد یزید کے سامنے کی تھی، اور اس میں یزیدی فوج کی بہادری اور جنگی مہارت کو فخر یہ بیان کیا تھا، جیسا کہ فاتح فوجوں کی رپورٹیں اپنی حکومتوں کے سامنے ہوا کرتی ہیں، مگر مؤلف نے اسے مورخوں کا قول بنا دینے کی کوشش کی یہاں پر ہم قدیم ترین مؤرخ ابو حنیفہ دینوری کی کتاب "الاخبار الطوال" سے شمر کی پوری رپورٹ درج کرتے ہیں، جسے مؤلف بھی ثقہ تسلیم کرتے ہیں،

مؤرخ ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں، کہ واقعہ کربلا کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کے صاحبزادے علی بن حسین کو اور ان کے ہمراہ جو عورتیں تھیں، ان کو یزید کے پاس زجر بن قیس او محقن بن ثعلبہ اور شمر بن ذی الجوشن کے ساتھ روانہ کیا، یہ لوگ دمشق پہونچ کر یزید کے دربار میں داخل ہوئے، ان ہی کے ساتھ حضرت حسینؓ کا سر بھی داخل کیا گیا، اور یزید کے سامنے ڈال دیا گیا، پھر شمر ذی الجوشن نے گفتگو کی، اور کہا،

یا امیر المومنین ورد علینا هذا فی ثمانیة عشر رجلا من اهل بیته وستین رجلا من شیعته فسرنا الیهم فسالناهم النزول علی حکم امیرنا عبید الله بن زیاد اوالقتال فغذونا علیهم عند شروق الشمس فأحطنا بهم من کل جنب فلما اخذت السیوف منهم ماخذها جعلوا یلوذون الی غیر وزر لوذان الحمام من الصقور فما کان الامقدار خرز خراز اونوم قائل حتی اتینافی اخرهم فهاتیک اجساد هم مجردة وثیابهم مرملة وخدودهم معفرة تسفی علیهم الریاح زاورهم العقبان ووفودهم الرخم (صفحہ ۲۵۷، ۲۵۸)

اے امیر المومنین! یہ شخص (حسین) اپنے اہل بیت سے اٹھارہ آدمیوں کو اور اپنے مددگاران (شیعہ) سے ساٹھ آدمیوں کو لے کر ہمارے پاس آیا، تو ہم ان سب کی طرف چلے، اور ان سے کہا کہ یا تو ہمارے امیر عبید اللہ بن زیاد کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ یا جنگ کرو، پھر صبح کو آفتاب کے نکلتے نکلتے، ہم نے ان پر دھاوا بول دیا، اور ان کو ہر جانب سے گھیرے میں لے لیا، اور ہماری تلواروں نے ان سے اپنی جگہ پکڑنی شروع کی، تو وہ بے پناہ کی پناہ ڈھونڈ کر ادھر ادھر ہونے لگے، جیسے کبوتر، باز سے پناہ ڈھونڈتے ہیں، پس صرف اتنی مقدار گذری جتنی میں موچی جوتا درست کر لے، یا قیلولہ کرنے والے کو نیند آجائے، کہ ہم نے ان کا صفایا کر دیا، دیکھئے، یہ ان کے ننگے جسم ہیں ریگ میں اٹے ہوئے کپڑے ہیں، اور دھول میں پڑے ہوئے رخسار ہیں، ہوا ان پر چل رہی ہے ان کی زیارت کرنے والے عقاب ہیں، اور ان کے پاس آنے والے وفود گدھ ہیں۔"

مردان کارزار تو یزید کے سامنے اپنی جوان مردی اور بہادری کی روئداد ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں، اور آپ ہیں کہ ان کو بزدل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں آپ کی یہ کوشش نصرانیت کی تائید کے باوجود ہر طرح بے کار ہے،

مؤلف نے کمال بے انصافی کا ثبوت یہ بھی دیا ہے کہ حادثہ کربلا میں قافلہ حسینی اور حضرت حسینؓ کو ناعاقبت اندیشانہ طور پر حملہ آور قرار دیتے ہوئے عمر بن سعد اور اس کی فوجوں کی معصومیت اور امن پسندی و صلح جوئی کو اس قدر بلند کیا ہے کہ مساعی صلح و مصالحت میں عمر بن سعد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھا دیا ہے، اور اس قسم کا مقابلہ و موازنہ کرکے اپنی بد نیتی کا کھلا ثبوت پیش کیا ہے، ملاحظہ ہو:

"عمر بن سعد اس موقع پر اس سے بھی زیادہ بے بس ہوگئے، جیسے کہ جنگ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ تھے، کہ قرآن دکھا دکھا کر فریقین کو برادر کشی سے روکتے رہے مگر بے سود" (ص ۲۲۰)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے موقع پر فریقین میں صلح و مصالحت کرانے کی کوشش کی، مگر عمر بن سعد کی کوشش صلح حضرت علیؓ کی کوشش سے زیادہ تھی، اور قافلہ حسینی کی ضد اور ہٹ دھرمی سے عمر بن سعد کو اس سے زیادہ بے بس ہو جانا پڑا جس قدر کہ حضرت علیؓ جنگ جمل میں فریقین کی ضد سے بے بس ہوگئے تھے،

ہم نے مانا کہ واقعہ کربلا کی جزئیات میں مبالغہ آمیزی ہے، اور شیعوں نے اسے

خوب خوب رنگ دیا ہے، بہت سے غیر شیعہ لوگوں نے محبت اہل بیت یا بنوامیہ کی دشمنی میں اس واقعہ کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تمام مسلمان مورخوں اور سوانح نگاروں کو کذاب و مفتری قرار دے کر نصاریٰ کو اس معاملہ میں ثقہ معتبر قرار دیا جائے، اور ان دشمنان اسلام کی بکواسوں کو واقعہ کربلا کے لئے معیار بنایا جائے۔

مؤلف کا سب سے زیادہ کمزور پہلو یہی ہے، کہ انھوں نے واقعہ کربلا کو اپنے منشا کے مطابق بنانے کے لئے صرف مغربی مسیحیوں کو حکم اور فصل مانا ہے، ہمیں بحیثیت مسلمان ہونے کے ان کا فیصلہ ان معاملات میں کیا، اسلام کے کسی معاملہ میں ہرگز ہرگز تسلیم نہیں ہے، جسے ہمارے مورخین محدثین اور علماء بقول مؤلف صحیح بیان نہ کر سکے، اسے متعصب عیسائی مورخ اور مقالہ نگار صحیح طور پر کیا بیان کر سکتے ہیں، اور ان کو معلومات کہاں سے فراہم ہو سکتی ہے،

حضرت ابن عمر اور قاتلین حسینؓ

مؤلف کے مزعومات و مفروضات کا تقاضا تو یہ ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد وہ صحابہ جن کو یزید کا ہم نوا اور حضرت حسین کا مخالف سمجھتے ہیں، وہ حضرت حسین اور ان کے خاندان کے قتل کو ان حضرات کی غلطی کے رنگ میں پیش کریں اور اسے ان کے خروج کی سزا قرار دے کر یزیدی فوجوں کی امن پسندی و شرافت اور حسن عمل کی تعریف کریں، اور موقع بہ موقع ان کو شاباش دیتے ہوئے حضرت حسینؓ کی غلط

روش پر افسوس کر کے، ان ہی کو ان کے قتل کا سبب ثابت کریں، مگر واقعہ کربلا کے بعد فضا اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے، اور اجلہ صحابہ جن کو یزید کا طرفدار بتایا جا رہا ہے، قاتلین حسینؓ کو مجرم گردانتے ہیں اور ان کی دیانت و تقویٰ کی باتوں کو ریاء و نمائش پر محمول کرتے ہیں، اور صاف لفظوں میں موسم حج کے لاکھوں کے مجمع میں ان کو قاتلین حسینؓ کہتے ہیں اور سارا قصور ان کے سر ڈالتے ہیں چنانچہ "بخاری باب مناقب الحسن والحسین میں" ہے کہ عراق کے ایک شخص نے آکر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ کسی محرم کا بحالت احرام مکھی مارنا کیسا ہے اس پر حضرت ابن عمر نے فرمایا:-

فقال اهل العراق يسئلونى عن قتل الذباب ، وقد قتلوا ابن بنت رسول اللهؐ وقال النبیؐ هماریحانتا ى من الدنيا . (بخاری)

(ترجمہ) "عراق والے مجھ سے مکھی مارنے کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں حالانکہ ان ہی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کے بیٹے کو قتل کیا ہے، اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ دونوں (حسنؓ و حسینؓ) میرے لئے دنیا سے خوشبو ہیں"

یہ عراق کے لوگ کس کے آدمی تھے، یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو کہاں کا گورنر اپنے مسیحی رومی سرجون بن منصور مشیر کے مشورہ سے بنایا تھا؟ اور یہ حضرت ابن عمرؓ کس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کل کے قاتلین حسینؓ آج مکھی مارنے کا مسئلہ دریافت کرتے ہیں، اور اپنے کو نیکوں کے نیک اور متقیوں کے متقی سمجھنے اور سمجھانے کی ترکیب نکال رہے ہیں۔

مؤلف اپنے مسیحی متعصب مستشرقوں اور مورخوں کی تحقیق پر اعتماد کر کے جو چاہیں ثابت کریں کرائیں، مگر ہم امام بخاری اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو معتبر و معتمد سمجھتے ہیں، اور ان کے مقابلہ میں نصرانی محققوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔

راس الحسینؓ

حضرت حسینؓ کا سر آپ کے نزدیک نہ کاٹا گیا، نہ کہیں اسے لے جایا گیا، اور اس کی روایتیں وضعی ہیں، ان کا کسی سے تعلق نہیں ہے، امام بخاری نے باب مناقب الحسن والحسینؓ میں یہ روایت درج فرمائی ہے۔

عن انس بن مالک قال آتی عبیداللّٰہ بن زیاد براس الحسین فجعل فی طشت فجعل ینکت وقال فی حسنہ شیأً فقال انس کان اشبھھم برسول اللّٰہؐ وکان مخضوبا بالوشمۃ (بخاری)

(ترجمہ) "حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس حضرت حسینؓ کا سر لایا گیا اور ایک طشت میں رکھا گیا، اور عبیداللہ بن زیاد اسے لکڑی یا کسی چیز سے مارنے لگا، اور اس نے ان کے حسن و خوبی کے بارے میں کچھ نامناسب بات کہی تو حضرت انسؓ نے کہا کہ حسینؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے، اور ان کا سر اس وقت وشمہ سے خضاب کیا ہوا تھا"

اگر امام حسینؓ کا سر نہیں کاٹا گیا، اور کربلا سے دوسری جگہ نہیں لے جایا گیا تو کیا کربلا اور کوفہ جہاں عبیداللہ بن زیاد کی گورنری تھی، دونوں ایک ہی جگہ کا نام ہے اور طشت میں کیا رکھا گیا تھا، یہ درست ہے کہ سر ایک جگہ ہی دفن ہوا، مگر تن سے جدا

ہوا یا نہیں؟ اگر ہمت ہے تو بخاری کی اس حدیث کو بھی موضوع قرار دیجئے، آپ نے اس موقع پر علامہ ابن کثیرؒ کو حجت بنا کر اپنے مطلب کے لئے استعمال کیا ہے (صفحہ ۲۶۴، ۲۶۵) حالانکہ آپ ان کو بھی ان ہی مورخین میں شامل کر چکے ہیں، جو کذاب و مفتری ہیں، فرمائیے اب تاریخ ابن کثیرؒ کی روایت معتبر ہوگی، یا بخاری شریف کی روایت؟

واقعہ حرّہ مدینہ منورہ

یزید کے ان کارناموں میں جن کا تعلق اس کی ذات سے نہیں، بلکہ اس کی خلافت و امارت اور امامة المسلمین سے ہے، دو کام نہایت مشہور ہیں، ایک، حادثہ کربلا، اور دوسرا حادثہ حرّہ، یہ المیہ کربلا کے بعد نہایت ہی بری صورت میں پیش آیا، اور نقصان کے اعتبار سے بہت ہی مکروہ ثابت ہوا، مؤلف نے (صفحہ ۲۶۹: ۲۷۲) تک حرّہ کے واقعہ کو نہایت اختصار کے ساتھ اپنے خاص رنگ میں بیان کیا ہے، اور واقعہ کربلا کی طرح یہاں بھی ان کا یہ کمزور پہلو نمایاں رہا ہے کہ یزید اور اس کے کارناموں کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اجلّہ صحابہ اور پاک نیت بزرگوں پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں، اور ان کی برائی پر یزید کی نیکی کی بنیاد رکھی ہے، ملاحظہ ہو فتنہ حرّہ کے عنوان کے بعد لکھتے ہیں:۔

> "حادثہ کربلا کے بعد تین سال کے عرصہ تک کسی قسم کا کوئی ہنگامہ یا شورش نہیں ہوئی، ہر طرف امن و امان اور خوش حالی (صفحہ ۲۶۸) کا دور دورہ رہا، تمام امور مملکت بحسن وخوبی انجام پاتے رہے، صرف ایک کانٹا

تھا، اور وہ حضرت ابن زبیرؓ کا مکہ معظمہ میں قیام، اور حکومت وقت کے خلاف پروپگینڈا۔ اس پروپگینڈے میں بھی خود انھوں نے یا ان کے ایجنٹوں نے کربلا کے فرضی مظالم کا اشارۃً یا کنایۃً مطلق ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس وقت تک خیالی مظالم کی روایتیں یا داستانیں وضع نہیں ہوئی تھیں، یہ حضرات تو خلیفہ وقت کے ذاتی مثالب ومعائب جو محض بے بنیاد تھے، بیان کر کے ناواقف مسلمانوں کو برافروختہ کر رہے تھے، پروپگینڈا جب حد سے بڑھنے لگا تو مدینہ ہی کے بزرگوں نے جو امیر المومنین کے ذاتی حالات سے کماحقہ واقفیت رکھتے تھے، ان بہتانات کی تردیدیں کیں، بہتان تراشنے والوں کو جھڑکا ان سے بحثیں کیں، سمجھایا بجھایا، (ص ۲۶۹)

اس تمہیدی تحریر میں مؤلف نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے طرفدار صحابہ و تابعین کی شان میں جو گستاخی کی ہے، اور ان کو مفتری و بہتان طراز بتایا ہے، اور پرامن فضا میں فساد برپا کرنے کا ان پر الزام لگایا ہے، وہ صرف اس لئے کہ یزید اور اس کی فوج نے، حادثہ حرّہ میں جو جو حرام کاری و سیاہ کاری کی اسے جائز قرار دے کر اپنا مقصد ثابت کیا جائے حادثہ کربلا اور حادثہ حرّہ کے درمیانی زمانہ کو امن و امان اور خوش حالی کی سند اس لئے دی گئی ہے، کہ اس دوران میں یزید اور اس کی فوج کو اور کوئی ایسا اہم کارنامہ دکھانے کا موقع نہیں مل سکا، جس میں "ملک عضوض" کی برکتیں ظاہر ہو سکیں اور مسلمان بڑے صبر و ضبط اور تحمل کے ساتھ خاموش رہ کر اندر ہی اندر گھل رہے تھے، اور یزید اور شامی فوجوں کے حق میں دعائے خیر یا ان سے راحت پاجانے کی دعا کر رہے تھے،

مکہ مکرمہ پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا قبضہ تھا، مگر مدینہ منورہ کلیتہً یزیدی سیاست کا مرکز تھا، اور اسے عضو ضیعت نے دمشق کے بعد اپنا دوسرا مقام بنا رکھا تھا، ایسی صورت میں ابن زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں سے اہل مدینہ کا متاثر ہونا اور یزید کی بیعت توڑ کر اپنے لئے دوسرا والی مقرر کر لینا مؤلف کی سمجھ میں آسکتا ہے، مگر کسی سنجیدہ آدمی کے لیئے اس کا سمجھنا محال ہے، جو مدینہ حسینؓ اور ابن زبیرؓ اور ان جیسے بزرگوں کیلئے تنگ ہو گیا، اور جس کے ایک ایک آدمی کی نقل و حرکت پر شامی فوج اور پولیس کڑی نگرانی کرتی تھی، وہاں کے لوگوں کا خارجی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر عبداللہ بن زبیرؓ کی ہمنوائی کرنا مؤلف کے بیان کا کرشمہ ہے، اسے واقعات و حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

مؤلف نے غالباً حادثہ حرّہ جیسے مکروہ حادثہ پر اس لیئے زیادہ روشنی نہیں ڈالی کہ اس کی عام مسلمانوں میں وہ شہرت نہیں ہے جو کربلا کو حاصل ہے، مگر واقعہ کربلا کی وجہ بقول مؤلف اگر صرف حضرت حسینؓ اور ان کے چند اہل بیت تھے تو واقعہ حرّہ کی وجہ پورے اہل مدینہ تھے جنھوں نے تحقیق و تفتیش کے بعد یزید کی بیعت کو توڑ کر اپنے لئے دوسرا حاکم منتخب کیا، جس کی پاداش میں مدینہ تین دنوں تک شامی فوجوں کے حوالہ رہا، اور انھوں نے اس حرم پاک میں وہ سب کچھ کیا جسے کوئی وحشی سے وحشی تر فوج بھی اپنے مقبوضہ علاقہ میں نہیں کر سکتی، کئی ہزار صحابہ اور تابعین کو یزیدی سیاست کی تلوار کھا گئی، حرم رسول کی عزت و حرمت ختم کر دی گئی، صحابہ اور تابعین کے گھروں کو لوٹا گیا، ان کی حرم سراؤں کی عفت و عصمت لوٹی گئی، اور

مسجد نبوی شریف میں اذان و اقامت کی نوبت نہ آئی، اور اس اقدام کے چند دنوں کے بعد ہی دنیائے اسلام کو یزید کی طرف سے سکون مل گیا، اور اللہ تعالیٰ نے امت کی دعا قبول فرمائی۔

محاصرہ مکہ مکرمہ

مؤلف نے یزیدی دور کے تین مکروہ ترین واقعات میں واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ پر اپنے مفروضہ کے ماتحت خامہ فرسائی کی مگر محاصرہ مکہ مکرمہ کا تذکرہ نہیں کیا جس سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حرمین شریفین پر اس دور میں جو بقول مؤلف فاروق اعظمؓ کے دور خلافت کا مثیل تھا، کیا بیتی؟ اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوسیوں پر یزیدی سیاست نے کیا کیا عنایت کی؟ مناسب ہے کہ یہاں پر اس المیہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے، آخری ذوالحجہ ۶۳ھ میں شامی فوج کے امیر مسلم بن عقبہ مدینۃ الرسول کی لوٹ مار سے فارغ ہو کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے جنگ کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف چلا، مدینہ منورہ کو فتح کرنے والی فوج اس کے ساتھ چلی مگر مسلم بن عقبہؓ "ابواء" پر پہونچ کر بیمار ہو گیا، اور اس فاتح مدینہ کو مکہ تک پہونچنا نصیب نہ ہو سکا، بلکہ وہیں اس کی وفات ہو گئی، اس نے مرنے سے پہلے حصین بن نمیر کو شامی فوج کا امیر مقرر کیا، اور اس لشکر کو آگے بڑھنے کی ترکیب کر کے خود ابواء میں سپرد خاک ہوا، حصین ۲۶ محرم ۶۴ھ کو مکہ کے قریب پہونچا، اور اہل مکہ سے یزید کی بیعت کے لئے کہا، طرفین سے مقابلہ کی تیاری ہوئی، شامی فوج نے اپنے امیر کی سرکردگی میں جبل ابو قبیس اور جبل قیقعان پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر اس طرح سنگ باری کرنے لگی کہ

کوئی آدمی بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتا تھا، اسی حال میں صفر کا پورا مہینہ گذر گیا، اور تیسری ربیع الاوّل کو شامی فوجوں نے خانہ کعبہ پر آگ برسائی، چھت اور پردے جل کر گیاہ ہو گئے، اور ۱۴ ربیع الاوّل ۶۴ھ کو جبکہ مکہ میں جانبین سے جنگ جاری تھی، اور شامی فوجیں بڑھ بڑھ کر حرم رسول کے بعد حرم خدا کی حرمت لوٹ رہی تھیں، یزید کی موت واقع ہو گئی،

یہ تین واقعات یزیدی دور کے نہایت اہم ہیں اور ان میں سے ہر ایک بجائے خود نہایت ہی سنگین ہے، مگر واقعہ کربلا کو ایک گروہ نے اپنی سیاست کے لئے مذہبی نشان بنایا، اور اس میں رنگ آمیزی کی، اور دو واقعات کتابوں کے اوراق میں دفن ہیں۔

چند متفرق اور اہم مباحث

قاتل حسینؓ عمر بن سعد

مؤلف لکھتے ہیں "عمر بن سعد کو قتل حسین سے جب متہم کیا جانے لگا تو متاخرین میں سے بعض کو ان کی مروی حدیث لینے میں تامل ہوا، علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ فی نفسہ تو غیر متہم تھے، لیکن قتال الحسین علیہ السلام میں حصہ لیا تھا، اس لئے وہ کیسے ثقہ سمجھے جائیں، (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۵۸) علامہ ذہبیؒ کا زمانہ ان کے زمانہ سے تقریباً سات سو برس بعد کا زمانہ ہے، جب ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کی اشاعت سے حادثہ کربلا کی صورت کا ذبہ عام طور سے لوگوں کے ذہن نشین ہو چکی تھی، اور کسی مورخ کو ان وضعی روایات کی تنقید کرنے کی توفیق نہیں ہوئی جو صحیح حالات کا انکشاف ہو جاتا، غالباً سوائے ابن خلدون کے جن کی کتاب کے دو تین ورق جو حادثہ کربلا کے بارے میں ہیں ایسے غائب ہوئے کہ تقریباً پانچسو برس کی مدت گزر جانے پر بھی آج تک کسی کو دستیاب نہ ہو سکے، (ص ۲۱۵)

حسب معمول مؤلف نے ان باتوں کو لکھتے وقت ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کی کہ اگر کوئی اس بات کی تحقیق کر بیٹھے اور اصل سے مقابلہ کرے تو کیا حال ہوگا!! اسی بیان سے ایک سطر اوپر مؤلف نے "تہذیب التہذیب" کی عبارت کو نقل کیا، جس کا آخری پیرا اور اس کا ترجمہ آپ کی زبان میں یہ ہے:۔

وقال العجلی کان یروی عن ابیه احادیث وهو تابعی ثقة

(تہذیب التہذیب ص ۴۵۰)

(ترجمہ) "اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ (عمر بن سعد) نے اپنے باپ سے حدیث کی روایت کی ہے، اور ان سے بہت سے لوگوں نے اور وہ خود ثقہ تابعی تھے"

اس میں "اور ان سے بہت سے لوگوں نے" کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ اس تحریفی ترجمہ کی کیا ضرورت تھی جبکہ امام عجلی کی عبارت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے، یہ تو یوں ہی ایک بات تھی، اس میں اصل بد دیانتی یہ ہے کہ اس کے بعد والی عبارت کو نقل نہیں کیا، اور امام عجلی کی آدھی عبارت نقل کر کے اپنا تعصب نکالنا چاہا ہے، پورا فقرہ یہ ہے،

وهو تابعی ثقة وهو الذی قتل الحسین

(ترجمہ) "وہ ثقہ تابعی ہے اور وہی ہے جس نے حسین کو قتل کیا"

اس کے بعد یہ عبارت ہے،

وذكر ابن ابی خیثمه بسند له ان ابن زیاد بعث عمر بن سعد علی جیش لقتال الحسین وبعث شمر بن ذی الجوشن وقال له اذهب معه فان قتله والا فاقتله وانت علی الناس وقال ابن ابی خیثمه عن ابن معین کیف یکون من قتل الحسین ثقة (ص۴۵۱) قال عمرو بن علی سمعت یحیی بن سعید یقول ثنا اسمعیل ثنا العیزار عن عمر بن سعد، فقال له موسی رجل من بنی ضبیعة یا ابا سعید هذا قاتل

الحسین فسکت فقال له عن قاتل الحسین تحدثنا فسکت، وروی ابن خراش عن عمر و بن علی نحو ذالک وقال فقال له رجل اما تخاف الله تروی عن عمر بن سعد فبکیٰ وقال لا اعود وقال الحمیدی ثنا سفیان عن سالم قال قال عمر بن سعد للحسین ان قوما من السفهاء یزعمون انی اقتلک فقال الحسین لیسوا سفهاء ثم قال والله انت لاتاکل برالعراق الا قلیلاً (تہذیب التہذیب ص ۴۵۰)

(ترجمہ) " اور محدث ابن ابی خیثمہ نے اپنی سند سے بیان کیا کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو امیر لشکر بنا کر حسینؓ سے قتال کے لئے بھیجا اور شمر بن ذی الجوشن کو اس کے ساتھ یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر عمر بن سعد ان کو قتل نہ کرے تو تم ان کو قتل کرنا اور ان لوگوں کے امیر ہو گے، اور محدث ابن ابی خیثمہ نے امام یحیی بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ جس آدمی نے حسینؓ کو قتل کیا ہے وہ ثقہ کیسے ہو سکتا ہے؟ محدث عمرو بن علی کا بیان ہے کہ میں نے محدث یحییٰ بن سعید سے سنا ہے انھوں نے کہا کہ ہم سے اسمٰعیل نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم سے عیزار نے عمر بن سعد سے حدیث بیان کی ہے اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ بنی ضبیعہ کے ایک آدمی موسیٰ نامی نے عیزار سے کہا اے ابو سعید (عیزار کی کنیت) یہ عمر بن سعد جس سے آپ روایت کر رہے ہیں قاتل حسینؓ ہے، یہ سن کر عیزار خاموش ہو گیا، اس آدمی نے کہا آپ قاتل حسینؓ سے ہم سے حدیث بیان کرتے ہیں، یہ سن کر وہ رونے لگے، اور کہنے لگے میں پھر ایسا نہیں کرونگا (امام بخاری کے استاد) امام حمیدی نے کہا کہ ہم سے سفیان نے

بیان کیا حضرت سالم سے (جو کہ حضرت عمر کے پوتے ہیں) انھوں نے کہا کہ عمر بن سعد نے حسینؓ سے کہا کہ کچھ کمینے لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں آپ کو قتل کر دوں گا، یہ سن کر حسینؓ نے کہا وہ لوگ کمینے اور بیوقوف نہیں ہیں، پھر آپ نے فرمایا خدا کی قسم تم عراق کا گیہوں بہت دن تک نہ کھا سکو گے۔"

امام ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ نے "کتاب الجرح والتعدیل" میں عمر بن سعد کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ عمر بن سعد بن ابی وقاص زہری کوفی نے اپنے والد سے روایت کی ہے، اور اس سے عیزار بن حریث، ابو اسحاق ہمدانی، ابو بکر بن حفص، یزید بن ابی حبیب، مطلب بن عبداللہ بن حنطب اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لبیبہ نے روایت کی ہے اور اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

حدثنا عبدالرحمن اخبرنا ابو بکر بن ابی خیثمه فیما کتب الیٰ قال سالت یحییٰ بن معین عن عمر بن سعد ثقة هو فقال (ص۱۱۱) کیف یکون من قتل الحسین بن علی رضی الله عنه ثقة (کتاب الجرح والتعدیل ج۳ ص۱۱۲ قسم اول)

(ترجمہ) "ہم سے عبدالرحمٰن نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں امام ابو بکر بن ابی خیثمہ نے خبر دی ہے کہ میں نے خود امام یحییٰ بن معین سے عمر بن سعد کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ ثقہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے وہ ثقہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

مؤلف کتاب نے بڑی دلیری سے "تہذیب التہذیب" سے محدث عجلی کی آدھی

عبارت "وهو الذی قتل الحسین" کو چھپایا، اس کے بعد امام یحییٰ بن معین کے قول کو جو "تہذیب التہذیب" کے اُسی صفحہ پر ہے چھپایا اور عمر بن سعد کے غیر ثقہ ہونے کی تصریح کو متاخرین میں سے بعض کے تامل سے تعبیر کرکے امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ کا قول نقل کیا، اور سات سو برس کا زمانہ بیچ میں لا کر ان کو اور دوسرے تمام محدثین کو تنقید کی توفیق سے محروم قرار دیا۔

عمر بن سعد کو غیر ثقہ اور قاتل حسینؓ بنانے والوں میں حضرت ابن معین کا قول سب سے اہم ہے، اور متعدد محدثین نے اسے نقل کیا ہے، امام یحییٰ بن معین کی وفات ۲۳۳ھ میں ہوئی، اور "کتاب الجرح والتعدیل" میں ابن معین کا یہ قول صرف دو واسطوں سے مروی ہے، مصنف ابن ابی حاتم رازی اور ابن معین کے درمیان محدث عبدالرحمن اور محدث ابن ابی خیثمہ دو حضرات ہیں، اور یہ سب کے سب اسماء الرجال اور علم الجرح والتعدیل کے مسلّم امام ہیں،

عمر بن سعد کو مختار ثقفی نے ۶۷ھ یا ۶۶ھ میں قتل کیا، امام یحییٰ بن معین نے ۲۳۳ھ میں وفات پائی، اور کتاب الجرح والتعدیل کے مصنف امام ابن ابی رازی ۳۲۷ھ میں فوت ہوئے،

مؤلف کا کہنا ہے کہ سات سو برس کے بعد ذہبی نے میزان الاعتدال میں عمر بن سعد کو غیر ثقہ بنایا ہے، انھوں نے "تہذیب التہذیب" اور "الجرح والتعدیل" سے فن جرح و تعدیل کے امام ابن معین کے قول کو چھپایا جو عمر بن سعد کے قتل کے تقریباً پونے دو سو برس بعد فوت ہوئے،

علامہ ابن تیمیہؒ ایک مقام پر مختار بن ابی عبید ثقفی اور عمر بن سعد میں مقابلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ مختار جس نے حضرت حسینؓ کی طرفداری ظاہر کرکے قاتلین حسینؓ سے بدلہ لیا دعویٰ کرتا تھا، کہ میرے پاس وحی آتی ہے، اس لئے وہ عمر بن سعد قاتل حسینؓ سے برا ہے،

ومن معلوم ان عمر بن سعد، امیرالسریة التی قتلت الحسین، مع ظلمه و تقدیمه الدنیا علی الدین لم یصل فی المعصیة الی فعل المختار بن ابی عبید الذی اظهر الا نتصار للحسین وقتل قاتله
(المنتقی ص ۷۵)

(ترجمہ) "یہ بات معلوم ہے کہ حسینؓ کے قاتل فوجی دستہ کا افسر عمر بن سعد باوجود اپنے علم اور دین پر دنیا کو مقدم کرنے کے معصیت میں مختار بن ابی عبید کے درجہ کو نہیں پہونچا، جس نے حسینؓ کی نصرت کو ظاہر کیا، اور ان کے قاتل عمر بن سعد کو قتل کیا"

اس سے پہلے اسی بحث کے ضمن میں علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

ان عمر بن سعدکان طالباً للریاسة مقدماً علی المحرم معروفا بذالک
(ص۷۳)

(ترجمہ) "عمر بن سعد ریاست کا طالب اور حرام پر جری تھا، اور اس میں مشہور تھا"

یقیناً مختار ثقفی اللہ ورسول پر افترا کرنے اور اپنے لئے دعویٰ وحی کرنے کی وجہ سے جرم و معصیت میں عمر بن سعد سے کہیں آگے تھا، مگر علامہ ابن تیمیہ کے بیان کی رو سے بھی عمر بن سعد قاتل حسینؓ بایں معنیٰ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ حسینؓ کے قتل

کرنے والے فوجی دستہ کا افسر تھا، اور اسی کی کمان میں شہادت حسینؓ واقع ہوئی، نیز علامہ ابن تیمیہ کے بیان کی رو سے وہ طالبِ جاہ وریاست تھا، اور حرام کام کرنے میں آگے تھا، اور اس معاملہ میں مشہور ومعروف تھا، اگر سات سو برس کے بعد ذہبیؒ نے عمر بن سعد کو غیر ثقہ بتایا ہے تو ابن تیمیہ نے کتنے برس بعد عمر بن سعد کو "کان طالبا للریاسته مقدماً علی المحرم معروفاً بذالک" قرار دیا ہے، امام ابن تیمیہ کے اس بیان کی روشنی میں عمر بن سعد کو عبید اللہ بن زیاد کے علاقہ سے پیش کرنے کا واقعہ بھی سمجھا جا سکتا ہے، جسے مصنف نے ص ۲۰۲ اور ص ۲۰۳ پر غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس طالبِ جاہ اور محرمات پر جرات دکھانے والے سے یہ کیا بعید ہے بلکہ عین ممکن ہے۔

واضح رہے کہ یہ مورخوں کے بیانات نہیں ہیں، بلکہ ان حضرات محدثین کرام کی تصریحات ہیں اور ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال افعال اور مرضیات کو جمع کرنے کے لئے پانچ لاکھ سے زائد راویوں کے حالات جمع کئے ہیں، اور ہر راوی کی عدالت و ثقاہت یا ضعف و مجروحیت کو مخفی سے مخفی گوشوں سے تلاش کر کے کتابوں میں جمع کر دیا ہے، عمر بن سعد کو قاتل حسینؓ ہونے کی وجہ سے غیر ثقہ قرار دینے والے حضرت ابن معین رحمہ اللہ علیہ فن جرح و تعدیل کے مسلم امام ہیں، اور اس معاملہ میں ان کا فیصلہ ہے کہ جن حضرات کے بارے میں ہمیں یقین ہوتا ہے کہ وہ اتنے بزرگ ہیں کہ انکی زندگی ہی میں ان کے خیمے جنت میں لگ جاتے ہیں، جب ہم حدیث رسول کے معاملہ میں جرح و تعدیل کی کسوٹی پر ان کو

گھستے ہیں اور وہ ہمارے اصولوں پر پورے نہیں اترتے تو صاف لفظوں میں ہم ان کو کذاب و دجال کہہ دیتے ہیں،

ان ائمۂ حدیث پر یہ الزام کہ انھوں نے تحقیق نہیں کی، اور وضعی روایات کو آنکھ بند کرکے نقل کردیا جرأت و بے باکی کی انتہا ہے

حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں جو فوج تھی، اس کا سپہ سالار عمر بن سعد کا ہونا مؤلف کو بھی تسلیم ہے، مگر اس کا قاتل حسینؓ ہونا تسلیم نہیں ہے، اور جن محدثین نے اسے قاتل حسینؓ بتایا ہے، انکی عبارت میں تحریف کی یا اسے نقل ہی نہیں کیا، ان کو چاہیے تھا کہ اس کے قاتلِ حسینؓ نہ ہونے کی کوئی عبارت نقل کرتے مگر مسلمانوں کے یہاں سے کوئی ایسی عبارت نہ مل سکی، اور مستشرقین یورپ کے اقوال نقل کرنے پڑے، کیا خوب بات ہے کہ جس بات کو اسلامی مورخین آپ کے زعم میں صحیح نہ بیان کر سکے اسے آج کل کے عیسائی مورخ صحیح بیان کرتے ہیں، مسلمانوں کے مقابلہ میں عیسائی مورخوں سے استدلال آپ کی روشن خیالی اور ریسرچ کا نمایاں پہلو ہے، اور آپ کے نزدیک مسلمانوں کے داخلی معاملات اور فتنوں کے مستند مورخ مغربی مسیحی ٹھہرے ہیں، گویا وہ مسلمان مورخوں سے زیادہ ثقہ و معتبر ہیں، اور وہ مسلمانوں کی تاریخ کے محقق ہیں،

ظاہر ہے کہ امام حسینؓ کا قاتل کوئی جن یا فرشتہ نہیں تھا، اور نہ مؤلف ان کے قتل کو ان کے خاندان کے کسی فرد کا کام بتاتے ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ امام حسینؓ کے جو لوگ مقابل تھے، ان ہی میں سے کسی نے یہ کام کیا ہے، آخر کسی کا نام تو

لینا ہی پڑے گا اور یہ واقعہ ہے کہ عمر بن سعد نے خود حضرت حسینؓ سے مقابلہ نہیں کیا، بلکہ اس کی فوج کے لوگوں نے یہ کام کیا، درحقیقت حضرت حسینؓ کو اس کے آدمیوں نے قتل کیا، جو اسی کی کمان میں لڑ رہے تھے، اس لئے قتلِ حسینؓ کی نسبت اس کی طرف کی گئی، مؤلف نے اس بحث میں مورخ ابو حنیفہ دینوری متوفیٰ ۲۸۱ھ یا ۲۸۲ھ یا ۲۹۰ھ کا قول اس تمہید کے ساتھ نقل کیا ہے"

"قدیم ترین مورخ (صاحب اخبار الطوال) لکھتے ہیں، (ص ۲۱۳)"

ہم اسی قدیم ترین مورخ کے بیان کے کچھ ٹکڑے اس کی کتاب الاخبار الطوال سے نقل کرتے ہیں جو عین قتال کے موقع سے تعلق رکھتے ہیں، ملاحظہ ہو

فنادیٰ عمر بن سعد فی اصحابه ان انهدو ا الی القوم فحفض الیهم عشیة الخمیس ولیلة الجمعته لتسع لیال خلون من المحرم (ص ۱۵۳ الا خبار الطوال)

(ترجمہ) "عمر بن سعد نے اپنے لشکر میں ندا کی کہ قوم (حسین اور ان کے طرفداروں) پر حملہ کرو، چنانچہ اس کے لشکری ان کی طرف بڑھے، یہ واقعہ جمعرات کی شام اور جمعہ کی رات ۹ محرم کا ہے، (حسینؓ نے صبح تک مہلت چاہی تو مہلت دے دی گئی) چند سطروں کے بعد یہ قدیم ترین مورخ لکھتے ہیں:-

ولما صلی عمر بن سعد الغداة فحفض باصحابه وعلی میمنة عمر و بن الحجاج وعلی میسره شمر بن ذی الجوشن الخ (ص ۱۵۳)

(ترجمہ) "جب صبح کی نماز عمر بن سعد نے پڑھ لی تو اپنے لشکریوں کو تیار کیا

میمنہ پر عمرو بن حجاج اور میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن تھا،"

ونادیٰ عمر بن سعد مولاہ زیداً ان قدم الرایة فتقدم بها وسبت الحرب (ص۲۵۴)

(ترجمہ) "اور عمر بن سعد نے اپنے غلام زید کو پکارا کہ جھنڈا لے کر آگے بڑھ وہ آگے بڑھا اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی"

پھر واقعہ کربلا ہو جانے کے بعد اسی سپہ سالار کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وبعث عمر بن سعد براس الحسین من ساعته الی عبید الله بن زیاد مع خولی بن یزید الا صبحی و اقام عمر بن سعد بکر بلاء بعد مقتل الحسین یومین، ثم اذن فی الناس بالرحیل (الخ۷ص۲۵۶)

(ترجمہ) "اور عمر بن سعد نے اسی وقت حسینؓ کے سر کو عبیداللہ بن زیاد کے پاس خولی بن یزید اصبحی کے ہمراہ روانہ کیا، اور خود عمر بن سعد کربلا میں قتلِ حسینؓ کے بعد دو دن تک ٹھہرا رہا، پھر لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔"

مورخ ابو حنیفہ الدینوری قدیم ترین مورخ ہیں، اور ان کے یہاں ابو مخنف جیسے رطب ویابس بیان کرنے والوں کا نام و نشان نہیں ہے، ان کی ان عبارتوں سے کیا واضح ہوتا ہے، اس کا فیصلہ مشکل نہیں، مگر ایک اور قدیم مورخ کے بیانات ملاحظہ فرمائیے جسے مؤلف نے کذاب و مفتری نہیں کہا، بلکہ اپنی کتاب میں جگہ جگہ اس کی کتاب کے حوالے نقل کئے ہیں، یہ دوسرے قدیم و ثقہ مورخ علامہ ابن قتیبہ دینوری ۲۷۶ھ میں فوت ہوئے ہیں، اور ابو حنیفہ دینوری کے ہم وطن اور معاصر

ہیں، ان کی "کتاب المعارف" انتساب کی مشہور و معتبر کتاب ہے، اور مؤلف نے اس کتاب سے جگہ جگہ استناد کیا ہے۔

علامہ ابن قیتبہ دینوری حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اولاد کے ذکر میں فرماتے ہیں،

فاما عمر بن سعد فهوقاتل الحسين بن على رضى الله عنهما وكان عبيدالله بن زياد وجهه لقتاله فلما كان ايام المختار بعث الى عمر بن سعد ابا عمرة مولى بحيلة فقتله وحمل راسه اليه(كتاب المعارف ص۱۰۷طبع مصر)

(ترجمہ) "عمر بن سعد حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا قاتل ہے، اور عبید اللہ بن زیاد نے اسے حسین سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا، اور جب مختار ثقفی کا زمانہ آیا تو اس نے بحیلہ کے غلام ابو عمرہ کو عمر بن سعد کے پاس بھیجا، اس نے عمر کو قتل کر کے اس کا سر مختار ثقفی کے پاس بھیجا"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں حضرت حسینؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فخرج يزيد الكوفة فوجد اليه عبيدالله بن زياد عمر بن سعد بن ابى وقاص فقتله سنان بن ابى انس النخعى (ص۹۳)

(ترجمہ) "حسینؓ کوفہ کا ارادہ کر کے نکلے، تو عبید اللہ بن زیاد نے ان کی طرف عمر بن سعد بن ابی وقاص کو روانہ کیا، اور ان کو سنان بن ابوانس نخعی نے قتل کیا،"

یزید کے ذکر میں لکھتے ہیں،

واقبل الحسين بن علی رضی اللّٰہ عنہما ، یرید الکوفۃ وعلیہ عبیداللّٰہ بن زیاد من قبل یزیدفوجہ الیہ عبیداللّٰہ عمر بن سعد بن ابی وقاص فقاتلہ فقتل الحسینؓ رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ و ورضوانہ (ص۵۳۴)

(ترجمہ) "اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ کوفہ کے ارادے سے نکلے، اس وقت کوفہ پر یزید کی طرف سے عبیداللہ بن زیاد گورنر تھا، اور اس نے حسین سے جنگ کی، اس نے حسین کی طرف عمر بن سعد بن ابی وقاص کو بھیجا، اور اس نے حسین سے جنگ کی، اور حسینؓ کو قتل کر دیا

مؤلف نے ص۲۰۸ سے ص ۲۱۲ تک کردار عمر بن سعد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اور اس کے کارناموں کو شمار کیا، وہ سب اسی قبیل سے ہیں تا کہ وہ واقعی اس کام سے دور بھاگتا تھا، مگر اس پر اس قدر سختی ہوئی کہ مجبوراً ایسا کرنا پڑا اور یہ ڈیوٹی بجا لانے کے بعد بھی اسے حد درجہ خدشہ رہا، صاحب اخبار الطوال نے لکھا ہے کہ حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ میں عمر بن سعد کا دوست تھا جب وہ قتال حسینؓ سے واپس ہوا تو میں نے جا کر اس سے خیرت دریافت کی اس نے کہا

لاتسئال عن حالی فانہ ما رجع غائب الی منزلہ بشر مما رجعت بہ قطعت القرابۃ القریبۃ وار تکبت الامر العظیم(ص۲۵۷)

(ترجمہ) "یہ حال نہ پوچھو کیونکہ کوئی غائب ہونے والا اپنے گھر کی طرف اس سے بڑی برائی لے کر نہیں لوٹا جتنی بڑی برائی لے کر میں لوٹا ہوں میں نے بہت ہی قریبی قرابت کو کاٹ دیا اور بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہو گیا"

مورخوں نے ان تمام باتوں کو دیانتداری سے بیان کر دیا ہے اگر ان کی اسی غیر جانبداری اور ذمہ داری پر مؤلف جگہ جگہ حرف رکھتے ہیں کہ یہ مورخین عمر بن سعد کے بارے میں یہ بھی لکھتے اور قاتل حسینؓ بھی بتاتے ہیں۔

ساتھ ہی سب مورخین نے نہایت واضح طور پر بیان کیا ہے کہ عمر بن سعد کسی قیمت پر حضرت حسینؓ سے جنگ کرنے کے لئے تیار نہ تھا، اس نے انتہائی دباؤ سے یہ کام کیا، اور واپسی پر اس حادثہ پر بڑے دردانگیز لہجہ میں اپنے تاثرات بیان کئے اور اہل بیت کو جو بچ گئے تھے بڑے احترام کے ساتھ یزید کے پاس روانہ کیا۔

کہا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ یزید نے اہل قبرص سے ایک بہت بڑی رقم رشوت لے کر قبرص کی مسلمانوں کی فوج کو واپس بلالیا، اور جب وہ لوگ واپس چلے آئے تو قبرص کے باشندوں نے ان کا شہر اور ان کی مسجدیں منہدم کر دیں۔"

اب آیئے یزید کی صاحبزادگی کے زمانہ میں جہاد قسطنطنیہ میں زبردستی بھیجے جانے یا خود جانے کی داستان بھی سنئے، اور "حدیث مغفور لہم" میں اس کے شامل کئے جانے کی کیفیت معلوم کر لیجئے، علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

امیر معاویہؓ نے ۵۰ھ میں ایک بہت بڑا لشکر بسر افسری سفیان بن عوف بلادِ روم کی طرف روانہ کیا اور اپنے لڑکے یزید کو بھی ان کے ہمراہ جانے کا حکم دیا، لیکن یزید نے جانا پسند نہ کیا، معذرت کی۔ اس پر امیر معاویہؓ نے اس کی (یزید کی) روانگی ملتوی کر دی، اتفاق سے مجاہدین کو اس لڑائی میں اکثر مصائب کا سامنا ہوا، غلہ کی کمی، مرض کی زیادتی سے بہت لوگ تلف ہو گئے، یزید کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بے ساختہ اشعار ذیل پڑھنے لگا:۔

مالی اُبالی بما لاقت ماجموعهم بالفرقدونة من حمیٰ و من شوم

(ترجمہ) "مجھ کو اس کی مطلق پروا نہیں ہے کہ ان کے لشکر کو فرقدونہ میں سختی اور بدبختی کا سامنا ہوا۔"

اذا اتكات على الانماط مرتفعاً بدير مران عندی ام كلثوم

"جبکہ میں نے بلند ہو کر رنگ برنگ قالینوں پر تکیہ لگایا دیر مران میں اور میرے پاس (میری بیوی) ام کلثوم ہے"

کیا دلچسپ بات ہے کہ مؤلف نے بعض لوگوں کو پروپگینڈے کا شکار بنا کر عمر بن سعد کی صحابیت میں شبہات ظاہر کرنے کا الزام دیا ہے، اور خود اسے تابعی مان کر "طبقات ابن سعد" اور "تہذیب التہذیب" کا حوالہ دیا ہے۔

کیا کوئی ایسا طبقہ بھی آپ نے تلاش کیا ہے جو بیک وقت تابعی بھی ہو اور صحابی بھی، یا عمر بن سعد کے واسطے یہ نیا نظریہ ظاہر کیا ہے؟

مؤلف نے عمر بن سعد کو صحابی ثابت کرنے کے لئے بڑے بڑے محدثین، ائمہ جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کے ماہرین پر الزام لگایا ہے، اور ان کی عبارتوں میں نہایت بے باکی سے تحریف کی ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

> "محدث ابو بکر بن فتحون مالکی کی روایت سے اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے، یہ بزرگوار محدثین کی اس جماعت میں شامل تھے جس نے صحابہ کرام کے حالات کی معتبر کتاب "الاستیعاب" کا ذیل لکھا تھا چنانچہ وہ ابن اسحٰق کی سند سے یہ روایت لکھتے ہیں کہ عمر بن سعد عہد فاروقی کے مجاہدین میں کب اور کیونکر شامل ہوئے۔" (ص ۲۱۴)

اس کے بعد آپ نے حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابہ ص ۱۷۳ سے ابن فتحون کی وہ عبارت نقل کی ہے، جس میں عمر بن سعد کے عہد فاروقی کے مجاہدین میں شامل ہونے کی جھوٹی کہانی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں چار قسمیں مقرر کی ہیں، چوتھی قسم میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جن کو غلطی سے صحابہ میں شمار کیا گیا ہے اور وہ صحابہ

میں سے نہیں ہیں، امام ابن حجرؒ ایسے لوگوں کے نام لکھ کر وہ غلط روایت بیان کرتے ہیں، جو ان کے صحابی ہونے کے لئے وضع کی گئی یا بیان کی گئی ہے پھر اس کی غلطی کو بیان کرتے ہیں، چنانچہ "باب السمین" میں آخری قسم کا عنوان بھی بیان کیا ہے "القسم الرابع فیمن ذکر منھم غلطا و بیانہ" یعنی چوتھی قسم ان لوگوں کے بیان میں جو غلطی سے صحابہ کی جماعت میں شمار کئے گئے، اور اس غلطی کا بیان، اس قسم میں عمر بن سعد کا نام لکھ کر ابن فتحون کی وہی روایت "ذکرہ ابن فتحون فی الذیل" یعنی اس کا ذکر ابن فتحون نے "الاستیعاب" کے "ذیل" میں کیا ہے، لکھ کر پوری عبارت نقل کردی اور اس کے بعد اپنا فیصلہ یوں سنایا:۔

قلت قد جزم امام المحدثین یحییٰ بن معین بان عمر بن سعد ولد فی السنة اللتی مات فیھا عمر بن الخطاب،ذکر ذالک ابن ابی خیثمہ فی تاریخہ" (الاصابہ طبع جدید مصر ص ۱۶۷، ج ۳)

(ترجمہ) "میں کہتا ہوں کہ امام المحدثین یحییٰ بن معین نے نہایت وثوق سے بیان کیا ہے کہ عمر بن سعد اس سال پیدا ہوا جس میں حضرت عمر بن الخطاب کا انتقال ہوا یہ ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے"۔

مؤلف نے انتہائی خیانت سے کام لیتے ہوئے "الاصابہ" کا حوالہ دے کر ابن فتحون کی غلط روایت سے عمر بن سعد کو صحابی ثابت کرنے کی کوشش کی اور ابن حجرؒ پر الزام لگانا چاہا کہ انھوں نے اسے "الاصابہ" میں بیان فرمایا ہے اور جو غلط روایت اس نے نقل کی کہ عمر بن سعد کو کس طرح صحابی بنانے کی روایت بنائی گئی ہے، مؤلف

نے اسی روایت کو ابن حجرؒ کے نام سے نقل کر دیا، اوران کی تصحیح روایت اور اصلاح کو چھپایا:۔

اب ذرا ان کی اس کتاب کو بھی دیکھئے، جس سے مؤلف نے پہلے عمر بن سعد کی تابعیت ثابت کی ہے اس "تہذیب التہذیب" میں اسی بیان میں یہ عبارت موجود ہے:۔

"وقال غيره (اى عمر و بن على) ولد فى عصرالنبیؐ وقال ابن ابى خيثمه عن ابن معين ولد عام مات عمر رضى الله عنه " (تہذیب التہذیب ج۷ص۴۵۱)

(ترجمہ)" اور عمر و بن علی کے علاوہ نے کہا کہ عمر بن سعد نبی ﷺ کے عہد میں پیدا ہوا اور ابن ابی خیثمہ نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے وہ اس سال پیدا ہوا جس سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے"۔

یہاں پر عمرو بن علی کے علاوہ سے مراد غالباً وہی ابن فتحون مالکی ہیں، جنھوں نے حافظ ابن عبدالبر اندلسیؒ کی الاستیعاب کے ذیل میں عمر بن سعد کے مولود فی عہد النبی ہونے کی ایک روایت بیان کی ہے۔ اور اسے شیخ الاسلام ابن حجر نے "الاصابہ" میں غلط قرار دے کر امام المحدثین ابن معین کے جزم و یقین والا بیان درج کیا ہے، ابن حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" میں یہ بھی فرمایا ہے:۔

قلت اغرب ابن فتحون فذكره فى الصحابه معتمدا علىٰ مانقله عن الفتوح وان اباه امره على جيش فى فتوح العراق(تہذیب التہذیب ج۷ ص۴۵۱)

(ترجمہ) "میں کہتا ہوں کہ ابن فتحون نے تعجب خیز وغریب کام یہ کیا کہ عمر بن سعد کو صحابہ میں ذکر کیا، اور اس پر اعتماد کیا کہ وہ فتوح میں موجود تھا، اور اس کے والد نے عراق کی فتوحات میں اسے امیر لشکر بنایا تھا۔"

مؤلف کو اتنا بھی خیال نہیں رہا کہ اگر کسی نے "الاصابہ" اور "تہذیب التہذیب" اٹھا کر دیکھ لیا تو وہ اسے بد دیانتی قرار دے گا یا تحقیق اور ریسرچ کہے گا۔

صحیحین کی حدیث پر بیجا کلام

مؤلف نے عمر بن سعد کو تابعی تسلیم کرکے پھر صحابی ثابت کرنے کے لئے صرف یہی نہیں کیا کہ ابن فتحون کی غلط روایت نقل کی، اور ابن حجرؒ پر الزام لگایا کہ انھوں نے "الاصابہ" میں اس کی صحابیت کو بیان کیا ہے نیز "تہذیب التہذیب" کی تصریح کو چھپایا، بلکہ انھوں نے بخاری اور مسلم کی ایک صحیح اور بے غبار حدیث پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی ہے، اور اسے محلِ نظر قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

"صحیحین کی ایک حدیث میں البتہ یہ بیان ہے کہ حضرت سعدؓ علیل تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عیادت کے لئے تشریف لے گئے، انھوں نے عرض کیا میں مالدار ہوں سوائے ایک بیٹی کے میرے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ یا تو حجۃ الوداع کے وقت کا ہے یا فتح مکہ کے زمانہ کا، اس سے بعض لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ عمر بن سعد کی ولادت عہد نبوی میں نہیں ہوئی تھی، کسی نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ وہ عہدِ نبوی کے نہیں، عہدِ فاروقی کے مولود تھے"۔ (ص ۲۱۷)

"اس حدیث سے بعض لوگ تو یہ مطلب نکالتے ہیں" آپ نے پہلے کس سے یہ

مطلب نکالا تھا، کہ عمر بن سعد تابعی ہے، جیسا کہ ابن سعد کی طبقات اور حافظ ابن حجرؒ کی "تہذیب التہذیب" سے نقل کر لے (صفحہ ۲۱۴) اس کا اعتراف واقرار کیا ہے۔

امام المحدثین یحییٰ بن معین نے اس کی پیدائش اس سال بتائی ہے، جس سال حضرت عمرؓ کا وصال ہوا، ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی شہادت کے بعد یعنی عہدِ فاروقی کے بعد پیدا ہوا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کے دور خلافت کے آخری چند مہینوں یا چند دنوں میں پیدا ہوا ہو، وہی ابن حجر عسقلانی جن کی کتاب سے آپ نے پہلے عمر بن سعد کی صحابیت ثابت کی ہے، انھوں نے ہی "الاصابہ" اور "تہذیب التہذیب" میں اسے لکھا ہے، اور امام المحدثین کے اسی قول کو حجت مانا ہے۔

آپ فرماتے ہیں

" یہ حدیث ہی اول تو محلِ نظر ہے، عہدِ نبوی میں حضرت سعد ایسے مال دار کہاں تھے"۔ (ص ۲۱۷)

صحیحین کی یہ حدیث جسے آج تک تمام محدثین و شارحین صحیح تسلیم کرتے چلے آئے ہیں، آپ کی نگاہ میں محلِ نظر کیسے بن رہی ہے؟ کیا یہاں پر منکرینِ حدیث کی ہمنوائی کھل کر کرنی ہے؟ اور عمر بن سعد کو صحابی ثابت کرنے کے چکر میں بخاری و مسلم کی حدیث کو بھی غلط قرار دینا ہے؟ یہاں پر آپ حدیث کے بارے میں کھل گئے ہیں اور آپ کا رجحان سامنے آگیا ہے، عہدِ نبوی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مالداری آپ کے نزدیک کیوں ثابت نہیں ہے، ان کی غربت کی کوئی سند ہے؟ یا اس حدیث کو محلِ نظر قرار دینے کے لئے آپ بلاوجہ کی وجہ نکال رہے ہیں حضرت سعد کے مالدار

ہونے کی سند تو بخاری و مسلم کی یہ بے غبار حدیث ہے مالدار نہ ہونے کا کوئی ایک گرا پڑا قول بھی آپ نے بیان کیا ہے؟

پھر ارشاد ہوتا ہے

"پھر اگر یہ واقعہ فتح مکہ کے زمانہ کا ہے، اور یہ ثابت ہے کہ عمر بن سعد اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے تو کیا تعجب کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے ان کا یہ بیٹا ہو کر وراثت مال کا حقدار بنا ہو" (ص ۲۱۷)

یہ پوری حدیث ہمارے سامنے ہے، یہ واقعہ فتح مکہ کا نہیں، بلکہ حجۃ الوداع کے زمانہ کا ہے، یہ بالکل ثابت نہیں ہے کہ عمر بن سعد اپنے باپ کا بڑا بیٹا تھا، بلکہ اس وقت سب سے بڑی ان کی وہ صاحبزادی تھیں جن کے بعد نہ کوئی بہن تھی اور نہ کوئی بھائی تھا، عمر بن سعد کا بڑا بیٹا ہونا آپ کے ذہن میں ثابت ہے یا آپ کے کہہ دینے سے ثابت ہو جائے گا، اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی دعاء نہیں دی، جس کی برکت آپ عمر بن سعد کو دینا چاہتے ہیں، وہ بھی "کیا تعجب ہے" کے ساتھ یہ آپ کے ذہنی مفروضے اور خیالی کاوشیں بلا کسی دلیل کے ہم کیوں تسلیم کر لیں، جبکہ آپ واقعات و حقائق کے انکار و اخفاء میں بالکل باک نہیں محسوس کرتے،

مزید ارشاد ہوتا ہے:۔

"قطع نظر اس کے جب ان کے پوتے ابو بکر بن حفص بن عمر بن سعد اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرتے ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے تصریح کی ہے تو یہ بیّن دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بن سعدؓ نہ صرف عہد نبوی کے مولود تھے،

بلکہ آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر اقل درجہ پر پانچ چھ برس کی رہی ہو گی۔"
(ص ۲۱۷، ۲۱۸)

یہ عمر بن سعد کو صحابی ثابت کرنے کی آخری دلیل ہے جو صرف ظن اور تخمینہ سے تیار کی گئی ہے بیشک ابنِ حجرؒ اور دوسرے ائمہ رجال نے لکھا ہے کہ عمر بن سعد سے اس کے پوتے نے بھی روایت کی ہے، مگر کسی نے یہ تصریح نہیں کی ہے کہ کس قسم کی روایت کی ہے، بات یہ ہے کہ پوتے نے دادا کو نہیں پایا، اور اپنے باپ کے توسط سے دادا سے روایت کی، مرسل منقطع، معضل اور مدلس وغیرہ اسی قسم کی احادیث کو کہتے ہیں، اس بحث کے لئے "نخبۃ الفکر" "مقدمہ ابن صلاح" اور "معرفۃ علوم الحدیث حاکم" کا مطالعہ کیجئے. روایت کی بہت سی شکلیں ہیں،

حدیث غزوہ مدینہ قیصر اور یزید

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے "غزوۃ البحر" اور "غزوہ مدینہ قیصر" کو ذرا تفصیل سے بیان کرکے انسے یزید کے تعلق کی نوعیت کو واضح کر دیا جائے تاکہ آنے والے مباحث کے سمجھنے میں آسانی ہو، اس تفصیل کو ہم صرف دو ایسے مورخوں کی کتابوں سے درج کرتے ہیں، جو مؤلف کے نزدیک نہایت ثقہ و معتبر ہیں، ایک علامہ ابن خلدون کی تاریخ اور دوسری علامہ ابو الحسن بلاذری کی " فتوح البلدان " علامہ ابن خلدون کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، علامہ بلاذری نہایت معتبر و مستند مورخ ہیں جن کی دو کتابوں " فتوح البلدان " اور " تنبیہ الاشراف " کو مؤلف نے اپنا ماخذ بنایا ہے "فتوح البلدان" سے صفحہ ۱۵۰، ۳۱۶ وغیرہ پر استدلال

کیا ہے اور "تنبیہ الاشراف" سے صفحہ ۵۸، ۷۸، ۱۱۸، ۱۴۰، ۱۵۰ صفحہ ۲۸۷، ۳۰۶، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳ وغیرہ میں استدلال فرمایا ہے

علامہ بلاذریؒ فتوح البلدان میں "امر قبرص" کے بیان میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ نے بحری جنگ قبرص کے پہلے غزوہ میں کی اس سے پہلے مسلمانوں نے بحر روم پر چڑھائی نہیں کی تھی، حضرت معاویہؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے غزوہ بحر کی اجازت چاہی تھی، مگر آپ نے اجازت نہیں دی، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو حضرت معاویہ نے ان سے غزوہ قبرص کے بارے میں اجازت طلب کی، اور اس کی قربت اور جنگی آسانی کو بیان کیا، حضرت عثمانؓ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ حضرت عمرؓ کا جواب سن چکے ہیں، اس کے بعد ۲۷ھ میں حضرت معاویہؓ نے پھر حضرت عثمانؓ کو لکھا اور قبرص پر بحری چڑھائی کی آسانیوں کو واضح کیا، آپ نے جواب میں لکھا کہ اسی شرط پر آپ کو غزوہ بحر کی اجازت مل سکتی ہے کہ آپ کی عورت بھی ساتھ رہے، اگر یہ شرط منظور ہو تو پھر اجازت ہے ورنہ نہیں، حضرت معاویہؓ نے اس شرط کو منظور کرتے ہوئے بہت سے بحری جہاز لے کر ساحل عکّا سے چڑھائی کی، اور اپنی عورت فاختہ بنت قرظہ کو ساتھ لیا۔ نیز حضرت عبادہ بن صامتؓ نے اپنی عورت حضرت ام حرام بنت ملحان انصاریہؓ کو اپنے ساتھ لیا، یہ واقعہ ۲۸ھ کا ہے جبکہ جاڑے کا موسم ختم ہوچکا تھا، بعض نے ۲۹ھ بتایا ہے، مسلمان ساحل قبرص پر پہونچ کر لنگر انداز ہوئے، اور جب اس کے حاکم کو خبر لگی تو اس نے صلح کا پیغام بھیجا، چنانچہ باشندگان قبرص کی طرف سے گفتگو کے بعد اس شرط

پر صلح ہوئی کہ وہ سالانہ سات ہزار دو سو دینار ادا کرتے رہیں گے، نیز بعض اور شرطیں بھی جانبین سے ہوئیں، پھر ۳۲ھ میں اہل قبرص نے بد عہدی کی، تو حضرت معاویہؓ نے ۳۳ھ میں پانچ سو جہازوں کو لے کر پھر ان پر چڑھائی کی، اور اب کی مرتبہ قبرص کو زبردستی فتح کرکے قتل و غنیمت اور قید و بند کا معاملہ کیا، اور ان کو صلح پر آمادہ کیا، اس کے بعد علامہ بلاذری تصریح فرماتے ہیں:۔

"وبعث الیھا باثنی عشر الفاًکلھم اھل دیوان فبنوا المساجد ونقل الیھا جماعة من بعلبک وبنی بھا مدینة،واقاموایؤدون الاعطیة الی ان توفی معاویة،وولی بعدہ ابنہ یزید فانقل ذالک البعث وامربھدم المدینة وبعض الرواة یزعم ان غزوة معاویة الثانیة قبرص فی سنة خمس وثلاثین،وحدثنی محمد بن مصفیٰ الحمصی عن الولید قال بلغنا ان یزید بن معاویة رشامالأعظیما ذا قدر حتی اقفل جند قبرص، فلما قفلواھدم اھل قبرص مدینتھم ومساجدھم (فتوح البلدان ص۱۵۸طبع مصر)

(ترجمہ) "اور حضرت معاویہ نے قبرص میں دس ہزار فوجی اہل دیوان سے (جن کو خلافت سے وظیفہ ملتا تھا) بھیجا، ان فوجیوں نے وہاں مسجدیں بنائیں، نیز حضرت معاویہؓ نے بعلبک سے ایک جماعت منتقل کرکے وہاں پر مسلمانوں کا ایک شہر آباد کیا، اور اہل قبرص اپنی رقم ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت معاویہ کی وفات ہوئی، اور ان کے بعد ان کا لڑکا یزید والی ہوا، تو اس نے ان فوجیوں کو وہاں سے واپس بلالیا، اور ان کے آباد کئے ہوئے شہر کو منہدم کرنے کا حکم دیا، بعض راویوں کا خیال ہے کہ دوسرا غزوہ قبرص ۳۵ھ میں ہوا اور محمد بن مصفیٰ حمصی نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ ولید نے

کہا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ یزید نے اہل قبرص سے ایک بہت بڑی رقم رشوت لے کر قبرص کی مسلمانوں کی فوج کو واپس بلالیا، اور جب وہ لوگ واپس چلے آئے تو قبرص کے باشندوں نے ان کا شہر اور ان کی مسجدیں منہدم کردیں"۔

اب آیئے یزید کی صاحبزادگی کے زمانہ میں جہاد قسطنطنیہ میں زبردستی بھیجے جانے یا خود جانے کی داستان بھی سنئے، اور "حدیث مغفور لھم" میں اس کے شامل کئے جانے کی کیفیت معلوم کر لیجئے، علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

امیر معاویہؓ نے ۵۰ھ میں ایک بہت بڑا لشکر بسر افسری سفیان بن عوف بلادِ روم کی طرف روانہ کیا اور اپنے لڑکے یزید کو بھی ان کے ہمراہ جانے کا حکم دیا، لیکن یزید نے جانا پسند نہ کیا، معذرت کی۔ اس پر امیر معاویہؓ نے اس کی (یزید کی) روانگی ملتوی کردی، اتفاق سے مجاہدین کو اس لڑائی میں اکثر مصائب کا سامنا ہوا، غلہ کی کمی، مرض کی زیادتی سے بہت لوگ تلف ہوگئے، یزید کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بے ساختہ اشعار ذیل پڑھنے لگا:۔

مالی اُبالی بما لاقت ماجموعهم بالفرقدونة من حمیٰ و من شوم

(ترجمہ) "مجھ کو اس کی مطلق پروا نہیں ہے کہ ان کے لشکر کو فرقدونہ میں سختی اور بدبختی کا سامنا ہوا۔"

اذا اتکات علی الانماط مرتفعاً بدیر مراّن عندی ام کلثوم

"جبکہ میں نے بلند ہو کر رنگ برنگ قالینوں پر تکیہ لگایا دیر مرآن میں اور میرے پاس (میری بیوی) ام کلثوم ہے"

امیر معاویہؓ کے کانوں تک ان اشعار کی آواز پہونچ گئی، یزید کے بھیجنے کی قسم کھالی، چنانچہ یزید کو ایک جمعیت کثیرہ کے ساتھ جس میں ابن عباسؓ، ابن عامرؓ ابن زبیرؓ ابوایوب انصاریؓ بھی تھے، روانہ کیا ان لوگوں نے میدانِ جنگ میں پہونچ کر نہایت تیزی اور سختی سے لڑائی شروع کی، لڑتے بھڑتے قسطنطنیہ تک پہونچے، رومیوں نے قسطنطنیہ کی دیوار کے نیچے معرکہ آرائی کی، ان ہی معرکوں میں ابو ایوب انصاریؓ شہید ہوگئے، اور قسطنطنیہ کی شہر پناہ کی دیوار کے نیچے دفن کر دیے گئے، یزید اور شامی فوجیں شام کو لوٹ آئیں" (ترجمہ تاریخ ابن خلدون ج ۵ ص ۲۳، ۲۴)

غزوہ قبرص جو حضرت معاویہؓ کی قیادت و امارت میں ہوا، اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس میں شریک ہونے والوں نے اپنے لئے جنت واجب کرلی (قد اوجبوا) اور یزید نے اپنے دور امارت و خلافت میں وہاں جو پارٹ ادا کیا، اور اسلامی شان و شوکت کو جس انداز سے نقصان پہونچایا اسے علامہ بلاذری نے بیان کر دیا ہے، اور جہاد قسطنطنیہ جس کے شرکاء کو زبان رسالت نے "مغفور لھم" کی بشارت دی، اس میں یزید نے اپنی صاحبزادگی کے زمانہ میں کس طرح شرکت کی، اسے علامہ ابن خلدون نے بیان کر دیا ہے،

مؤلف نے صفحہ ۲۱ سے صفحہ ۳۰ تک اور صفحہ ۳۱۰ سے صفحہ ۳۱۵ تک بڑی تفصیل کے ساتھ یزید کے جہاد قسطنطنیہ میں امیر ہونے، اور اس کی وجہ سے مغفور ہونے کو بیان کیا ہے، یزید کی مغفرت نہ ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے بخشے، اس کی رحمت اور اس کے رحم و کرم کو کون روک سکتا ہے؟ اور رحمت

خداوندی اور گنہ گار بندہ کے درمیان کیسے حائل ہونے کی مجال ہے؟

قرآن کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ ہر چھوٹے بڑے گناہ کو معاف کرسکتا ہے، اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ گناہ کرنے سے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، مسلمان کافر نہیں ہوتا گناہ گار ہوتا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے چاہے سزا دے، چاہے معاف کر دے، اگر اللہ تعالیٰ یزید کو سراسر معاف کردے تو کسی کا اجارہ نہیں، اور اگر بقدر جرم سزا دے کر مغفرت کرے تب بھی کسی کو حرف گیری کا حق نہیں، ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ بڑے سے بڑے گناہ گار مسلمان کی مغفرت ہوگی، اب یہ اس کے اور اللہ کے درمیان کی بات ہے کہ پوری سزا بھگتنے کے بعد یا پہلے ہی، اس کی ذمہ داری کوئی نہیں لے سکتا۔

بخاری شریف میں یہ حدیث متعدد مقامات پر آئی ہے، مثلاً کتاب الاستیذان کے باب میں "من زار قوماً فقال عندہم" میں کتاب الجہاد کے باب غزوہ "المرآة فی البحر" میں، نیز کتاب الجہاد کے باب "من یصرع فی سبیل اللّٰہ فمات فھومنھم" میں باب "ما قیل فی قتال الروم" میں، اس حدیث کے الفاظ میں بہت ہی کم اختلاف ہے، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ۔

یقول اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا قالت ام حرام قلت یارسول اللّٰہ انا فیهم قال انت فیهم ثم قال النبی ﷺ اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفورلهم، قلت انا فیهم یارسول اللّٰہ قال لا،
(بخاری کتاب الجهاد، باب، قیل فی قتال الروم)

(ترجمہ) "میری امت کا جو پہلا لشکر بحری جہاد کرے گا ان لوگوں نے اپنے اوپر

جنت کو واجب کر لیا ہے، ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ان میں سے ہونگی؟ آپ نے فرمایا ہاں تم ان میں سے ہو، پھر آپ نے فرمایا، میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر کا جہاد کرے گا ان لوگوں کے لئے مغفرت ہو چکی ہے، ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ میں ان سے ہوں، تو آپ نے فرمایا، نہیں۔"

پہلا بحری غزوہ جیسا کہ معلوم ہوا حضرت عثمان کے دور خلافت میں ہوا، اور حضرت معاویہؓ کی امامت میں ان کے اصرار سے ہوا، جس میں حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ساتھ شریک ہوئیں، اور قبرص میں اپنی سواری سے گر کر شہید ہوئیں، اور وہیں دفن ہوئیں، اس طرح رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی اور بشارت ان کے حق میں خلافت عثمانی میں ظاہر ہوئی،

اور مدینہ قیصر یعنی قسطنطنیہ پر پہلی فوج کشی حضرت معاویہؓ کے دور خلافت و امارت میں یزید کی امارت و قیادت میں ہوئی، اس موقع پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کتاب الجہاد باب "ماقیل فی قتال الروم" میں مفصل بحث کی ہے اور اسی سلسلہ بحث میں لکھا ہے:۔

" قال المهلب فی هذا الحديث منقبة المعاوية لانه اول من غذا البحر،ومنقبة لولده يزيد لانه اول من غزا مدينة قيصر، وتعقبه ابن التين و ابن المنير، بما حاصله انه لا يلزم من دخوله فی ذالک العموم ان لا يخرج بدليل خاص،اذلا تختلف اهل العلم ان قولهﷺ

"مغفورلهم" مشروط بان یکونوا من اهل المغفرة حتی لوارتد واحد ممن غزاها بعد ذالک لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقاً فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فیه منهم واما قول ابن التین ان یکون لم یحضر فمردود الا ان یزید لم یباشر القتال فیمکن فانه کان امیر ذالک الجیش بالاتفاق (فتح الباری ج۶ ص۷۸ طبع مصر)

(ترجمہ) "مہلب نے کہا ہے کہ اس حدیث میں معاویہؓ کی منقبت ہے، کیونکہ انھوں نے سب سے پہلے بحری جہاد کیا ہے، اور اسی طرح ان کے لڑکے یزید کی منقبت ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے مدینہ قیصر کا غزوہ کیا ہے، اور مہلب کے اس قول کا ابن التین اور ابن المنیر نے تعاقب کر کے اس پر اعتراض کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یزید کے اس عام حکم (مغفورلهم) میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ خاص دلیل کی وجہ سے نہ نکل سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "مغفورلهم" اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ لوگ مغفرت کے اہل بھی ہوں، یہانتک کہ جن لوگوں نے مدینہ قیصر کا جہاد کیا ہے ان میں سے کوئی آدمی بعد میں مرتد ہو جائے تو وہ اس حکم عام (مغفورلهم) میں باتفاق داخل نہیں ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد اس شخص کی مغفرت ہے جس کے اندر مغفرت کی شرط پائی جائے، اور ابن التین کا یہ کہنا کہ احتمال ہے کہ یزید حاضر نہ رہا ہو، غیر معتبر ہے، البتہ اس سے یہ مراد ہو کہ وہ قتال میں شریک نہیں ہوا تو ممکن ہے، اس لئے کہ یزید بالاتفاق اس لشکر کا امیر تھا۔"

مؤلف نے ص ۲۳ پر حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱۰ کے حوالہ سے محدث مہلب کا قول نقل کر کے ترجمہ کیا ہے:۔

قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر، و منقبة لو لده لانه اول من غزا مدینة قیصر

(ترجمہ) "اس حدیث کے بارے میں (محدّث) مہلب نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث منقبت میں ہے حضرت معاویہؓ کے کہ انھوں نے سب سے پہلے بحری جہاد کیا، اور منقبت میں ہے ان کے فرزند امیر یزید کے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا۔"

مؤلف نے اس موقع پر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے مکتوبات سے ایک عبارت نقل کی، جس میں علمی خیانت سے کام لے کر درمیان سے کچھ جملے حذف کردیئے۔

صفحہ ۲۹ پر ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"یزید کو متعدد معارکِ جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض اور بلادہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا، تاریخ شاہد ہے کہ معارکِ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، --- (یہاں سے عبارت حذف ہے) --- خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں"

درمیان سے جو عبارت مصنف نے حذف کردی وہ یہ ہے۔

"اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان (معاویہؓ) کے سامنے نہ ہوا تھا، اور خفیہ جو بد اعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی اطلاع ان کو نہ تھی" (مکتوب شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۶۷)

اس کے بعد جو عبارت نقل کی ہے وہ اس جگہ کی نہیں ہے، بلکہ کسی دوسری جگہ سے لاکر جوڑ ملایا ہے۔

غزوۃ البحر میں یزید نے صاحبزادگی کے زمانہ میں جو کام کئے اور غزوہ مدینہ قیصر میں شرکت و امارت جس انداز سے کی، اس کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ مشکل نہیں ہے کہ یزید بے حساب و کتاب "مغفورلهم" کی صف میں ہے یا اسے مجازات جزاو سزا سے نپٹنا بھی پڑے گا، اس میں شک نہیں کہ اس عموم میں یزید کی ذات بھی آتی ہے، بشرطیکہ کوئی بات اس سے مانع نہ ہو، ورنہ "عام مخصوص منہ البعض" کا معاملہ ہوگا، اور جس طرح — "من قال لا اله الا الله دخل الجنة" میں صرف زبان سے یہ کلمہ پڑھ لینا ہی دخول جنت کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ اس کی اہلیت کے لئے مزید چیزیں درکار ہیں، اسی طرح صرف "غزوہ مدینہ قیصر" کی شرکت و امارت "مغفورلهم" میں داخل ہونے کے لئے کافی نہیں ہے، اس کے لئے اہلیت بھی ضروری مگر یزید کے اندر اس کی اہلیت ہے تو وہ یقیناً اس معنی میں "مغفورله" ہے کہ وہ صرف اسی ایک عمل کی وجہ سے بے حساب و کتاب مغفرت کا مستحق ہے، محدث مہلب نے اسی بات کو یزید کے بارے میں واضح کیا کہ وہ مستحق مغفرت ہے، مگر ان کے اس قول کے مقابلہ میں دو محدث ابن التین اور ابن المنیر نے کہا کہ اگر اس کے اندر اس کی

صلاحیت و اہلیت ہو گی تو وہ مستحق مغفرت ہے، ورنہ نہیں، پھر اہل سنت والجماعت اور اہل حق کے نزدیک کسی بھی شخص کے بارے میں، جنتی، مغفور یا دوزخی ہونے کا اعتقاد رکھنا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ نص صریح سے اس کا ثبوت نہ ہو، کہ وہ خاص شخص جنتی یا دوزخی ہے، البتہ عام صفت اور عام حکم کی رو سے عام حکم لگایا جا سکتا ہے، کہ جو آدمی فلاں کام کرے گا وہ ایسا ہو گا، اس مذہب حق کی رو سے بھی کسی ایسے شخص کے بارے میں جنتی ہونے کا قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا جو کسی صفت عام کی رو سے اہل جنت میں داخل ہو سکتا ہے جیسے ہر **لا اله الا اللّٰه** کہنے والے کو جنتی ہونے کا قطعی حکم لگانا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے بعد اس میں اہلیت و صلاحیت کا ہونا ضروری ہے،

مؤلف نے اس سلسلہ میں یزید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات اور اسکی امامت کا تذکرہ کیا ہے، اور دوسرے شرکاء کی اس کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کرنے کی تصریح علامہ ابن کثیرؒ کی اس عبارت سے کی ہے،

"**وکان (ابو ایوب) فی جیش یزید بن معاویه والیه اوصی هوالذی صلی علیه**" (ص ۲۷) جہاں تک یزید کے نماز جنازہ پڑھانے کا تعلق ہے وہ فضیلت یوں نہیں ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے یزید کو نماز جنازہ پڑھانی چاہیے تھی، کیونکہ وہ اس وقت امیر لشکر بنایا گیا تھا، اور امیر و والی کی موجودگی میں کسی دوسرے کو شرعاً نماز جنازہ پڑھانے سے منع کیا گیا ہے الّا یہ کہ وہ حکم دے۔

اور جہاں تک علامہ ابن کثیرؒ کی تصریح کا تعلق ہے، مؤلف نے حسب عادت

اپنے ذوق کے مطابق سیاق و سباق کا لحاظ کئے بغیر ایک ٹکڑا لے لیا ہے چنانچہ مذکورہ بالا عبارت کے آخر میں علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:۔

قال حدثنا اسحق بن عیسیٰ قال حدثنی محمد بن قیس قاضی عمر بن عبدالعزیز عن ابی حرمة عن ابی ایوب الانصاری انه قال حین حضرته الوفاة قد کنت کتمت عنکم شیئا سمعته من، رسول اللهﷺ سمعته یقول لولا انکم تذنبون یخلق الله قوماً یذنبون فیغفرهم وعندی ان هذا الحدیث والذی قبله حمل یزید بن معاویة علی طرف من الارجاء ، ورکب بسببه افعالا کثیرة انکرت علیه(البدایه والنهایه ج۸ ص۵۹)

(ترجمہ) "امام احمد بن حنبل نے کہا کہ ہم سے اسحق بن عیسیٰ نے بیان کیا کہ ہم سے عمر بن عبدالعزیز کے قاضی محمد بن قیس نے بیان کیا ابو حرمة سے، انھوں نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے کہ جب ابو ایوبؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں سے ایک حدیث جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، چھپائے ہوئے تھا، میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کو پیدا فرماتا جو گناہ کرتی، اور اللہ اس کی مغفرت کرتا (علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ) میرے نزدیک اس حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث کی وجہ سے یزید جری ہو گیا، اور مغفرت کی امید پر اس نے ایسے بہت سے افعال کا ارتکاب کیا جو اس کی ملامت کا باعث بنے۔"

اس سے پہلے والی حدیث "**من مات لایشرک بالله شیئا جعل الله فی الجنة**" ہے، اسی طرح یزید نے حضرت معاویہؓ سے اپنے ولی عہد بننے کا اصرار کرتے ہوئے ایک حدیث بیان کی تھی، اور کہا تھا:۔

"لانی وجدت فی الآثار من تقلد امر الامة ثلاثة ایام حرمه علی النار،"
(ص ۶۴)

ہو سکتا ہے کہ ان روایات واحادیث کے ظاہری الفاظ نے یزید کو جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ کا خیال ہے، مرجیہ کی صف اول میں کھڑا کر دیا ہو، اور اس نے اپنی بے راہ روی کی بنیاد ان ہی روایات پر رکھ کر اپنے کو جری بنا لیا ہو بلکہ عین ممکن ہے کہ غزوہ مدینہ قیصر میں "مغفور لهم" ہونے کے خیال نے اور بھی جری بنا دیا ہو، اور اس نے یہ سمجھ کر کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لینا دخولِ جنت کے لئے ضامن ہے، شرک پر اصرار نہ کرنا جنت کا پروانہ ہے، تین دن تک خلیفہ بن جانا بھی نارِ جہنم سے آزادی کے لئے کافی ہے اور اگر ہم لوگ گناہ کے کام نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ گناہ گاروں کو پیدا کرکے ان کی مغفرت کرے گا، اور پھر سب سے بڑھ کر یہ شہر قسطنطنیہ پر فوج کشی مغفرتِ عامہ کا سبب ہے، وہ سب کچھ کیا جو اسے نہ کرنا چاہیے تھے، اور مولف بھی یزید کو مغفور لهم میں داخل کرکے اسے بغیر کسی قسم کی باز پرس اور سزا کے براہ راست مغفرت اور جنت کا وارث بنا رہے ہیں، مولف کو بھی معلوم ہو گا کہ "ارجا" اور "مرجئیت نے بنو امیہ کے دور میں ان ہی حالات میں جنم لیا، اور حکمرانوں کی خرابی کو برداشت کرنے کے لئے اس وقت کی سیاست نے یہ ذہن پیدا کیا، اور بڑے بڑے گناہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے رحمت و مغفرت کی "رجاء" اور امید کا نظریہ پیش کیا اور ہر طرح کے گناہ اور گناہ گار کو انگیز کرکے اس کے خلاف نفرت و حقارت کا جذبہ ختم کرنے کی کوشش کی، فرقہ مرجیہ کے استدلالات کا بھی یہی رنگ ڈھنگ ہے جس کا اظہار اس بحث میں کیا گیا ہے،

حدیث ملک عضوض

مؤلف کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" اپنی بے لاگ تحقیق اور ریسرچ کے چکر میں صرف ثقہ مورخوں کو ہی نہیں سب کچھ بنایا، بلکہ مشہور محدثین اور احادیث کے راویوں پر بھی ہاتھ صاف کیا، خاص طور پر امام ترمذی اور امام ابوداود رحمہما اللہ کے متعلق باور کرانے کی کوشش کی کہ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں موضوع حدیثیں بیان کی ہیں اور وہ بھی حضرت معاویہؓ اور یزید کی مخالفت میں غلط اقدام کے مرتکب ہوئے ہیں اس سلسلے میں آپ نے فن اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل پر بھی دست درازی فرمائی ہے۔

مؤلف صفحہ ۳۳ پر یہ بیان کرتے ہوئے کہ حضرات شیخینؓ کا زمانہ علی منہاج النبوۃ تھا، اور اس کی برکات خلیفہ سوم حضرت عثمان ذی النورینؓ کے عہد خلافت تک باقی رہیں، لکھتے ہیں:۔

"شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے مقتل عثمانؓ سے فتنہ رونما ہونے کے بارے میں "احادیث متواتر بالمعنی" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ:۔

دریں وقت خلافت علیٰ منہاج النبوۃ منقطع شود، وملکِ عضوض پدید آید و معنیٰ ملک عضوض دلالت می کند بہر حروب و مقاتلات جهیدن یکے بر دیگرے ومنازعت یکے بادیگرے (ازالۃ الخفاء)

(ترجمہ) "اس وقت خلافت علی منہاجِ نبوّت منقطع ہو جائے گی، اور ملک عضوض ظاہر ہو گا، اور ملک عضوض کے معنی دلالت کرتے ہیں جنگوں اور قتالوں پر اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرنا، اور ایک کا دوسرے سے جھگڑنا"۔

چونکہ شہادت عثمان تک برکات خلافت کو ختم کر کے حضرت علی خلیفہ چہارم کے دور کو ناکام ثابت کرنا ہے، اس لئے اس حدیث کو شاہ ولی اللہ کے حوالے سے متواتر بالمعنیٰ مان کر بیان کیا گیا ہے، اور اسے نہ صرف صحیح بلکہ متواتر بالمعنیٰ تسلیم کیا گیا اور واقعی یہ حدیث متواتر بالمعنی ہے بھی یہ حدیث اپنے الفاظ کے اعتبار سے مختلف طریقوں سے آئی ہے، مگر معنیٰ اور مفہوم سب کا ایک ہی ہے جو تواتر کی حد تک پہنچا ہے،

پھر مؤلف نے صفحہ ۳۴۴ پر حضرت امیر معاویہ کی خلافت کے برکات و خدمات کو انتہائی زور دار بیان سے ادا کیا، اور اس کے فضائل و مناقب کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ترمذی اور ابو داؤد کی ایک حدیث کو موضوع قرار دینے کی جرأت کی، یہ حدیث وہی ہے جسے شاہ ولی اللہ صاحب کے حوالے سے آپ نے متواتر بالمعنی تسلیم کیا ہے، مگر چونکہ اس کے الفاظ سے آپ کا مقصد فوت ہو رہا تھا اور حضرت معاویہ کی خلافت و امارت اس حدیث میں داخل نہیں ہو رہی تھی، اس لئے آپ نے امام ترمذی اور امام ابوداؤد پر موضوع حدیث بیان کرنے کا الزام لگایا ہے اور فن جرح و تعدیل اور حدیث دانی کی وہ داد دی کہ سبحان اللہ آپ حضرت معاویہؓ کی امامت و خلافت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اور وہ "خلافت راشدہ" کیوں نہ کہلائے گیا محض اس لئے اس کو "ملک عضوض" کا نام دیا جائے کہ خلیفہ راشد "ازالۂ مادۂ مرض" اور "جلب صحت طبیعت عالم" کی غرض سے ایسی تدبیر اختیار کرنے پر مجبور ہو، جس کو آج کی اصطلاح میں "مارشل لا" کہتے ہیں، اور وہ بھی ایک علاقہ سے فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے ایک حدیث وضع کی گئی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا **الخلافة فی امتی ثلثون سنة ثم ملک** (ص ۳۴۴)

یہاں پر مناسب ہے کہ پہلے پوری حدیث بیان کر دی جائے سننِ ترمذی باب (ما جاءفی الخلافة) میں ہے:۔

"حدثنا احمد بن منیع نا شریح بن نعمان نا حشرج بن نباتة عن سعید بن جمهان قال ثنی سفینة قال قال رسول اللهﷺ الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملک بعد ذالک ثم قال لی سفینة امسک خلافة ابی بکر، ثم قال و خلافة عمر، و خلافة عثمان ثم قال امسک خلافة علی فوجدناها ثلاثین سنة، قال سعید فقلت له ان بنی امیة یزعمون ان الخلافة فیهم قال کذبوا بنوالزرقاء بل هم ملوک من شرالملوک وفی الباب عن عمر و علی قالا لم یعهد النبیﷺ فی الخلافة شیًا وهذا حدیث حسن قد رواه غیر واحد عن سعید بن جمهان ولا نعرفه الا من حدثیه"

(ترجمہ) "امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن منیع نے بیان کیا کہ ہم سے شریح بن نعمان نے بیان کیا کہ ہم سے حشرج بن نباتہ نے سعید بن جمہان سے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھ سے سفینہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خلافت میری امت میں تیس سال تک رہے گی، اس کے بعد ملک ہو جائے گی، یہ کہہ کر سفینہ نے مجھ سے کہا، ابو بکر کی خلافت لو، پھر کہا اور عمر کی خلافت اور عثمان کی خلافت لو، پھر کہا علی کی خلافت لو تو ہم نے ان سب کی مدت تیس سال پائی سعید راوی کہتے ہیں کہ میں نے سفینہ سے کہا بنی امیہ کے لوگ کہتے ہیں کہ خلافت ان کے اندر ہے تو سفینہ نے کہا بنو زرقاء (مروان) جھوٹ کہتے ہیں، بلکہ وہ لوگ بد ترین بادشاہوں سے ہیں، اس باب میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے

خلافت کے بارے میں کوئی بات نہیں فرمائی، یہ حدیث حسن ہے اسے سعید بن جمہان سے کئی لوگوں نے روایت کیا ہے، اور ہم سعید کو اسی حدیث سے جانتے ہیں۔

اسی حدیث کو امام ابو داؤد نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

"حدثنا سوار بن عبداللہ، ناعبد الوارث بن سعید عن سعید بن جمہان، عن سفینة قال قال رسول اللہ ﷺ خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم یوتی اللہ الملک من یشاء قال سعید قال لی سفینة امسک علیک ابابکر سنتین ، و عمر عشرا. وعثمان اثنتی عشرة، وعلی کذا قال سعید قلت سفینة ان ھؤلا یزعمون ان علیًا لم یکن بخلیفة، قال کذبت استاہ بنی الزرقاء یعنی بنی مروان"

(ترجمہ) "امام ابو داؤد کہتے ہیں کہ ہم سے سوار بن عبداللہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے عبدالوارث بن سعید نے بیان کیا، انھوں نے سعید بن جمہان سے، انھوں نے سفینہ سے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نبوت کی خلافت تیس سال تک ہے، پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا، ملک دے گا، سعید کا بیان ہے کہ سفینہ نے مجھ سے کہا کہ ابو بکر کے دو سال لو اور عمر کے دس سال لو اور عثمان کے بارہ سال لو، اور علی کے اتنے سال لو۔ سعید نے کہا کہ میں نے سفینہ سے عرض کیا کہ یہ لوگ (بنو مروان) کہتے ہیں کہ علی خلیفہ نہیں تھے، انھوں نے کہا بنو زرقاء یعنی بنو مروان جھوٹ کہتے ہیں۔"

ابو داؤد کی اسی حدیث کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں جگہ جگہ ذکر فرمایا ہے، اور اسے صحیح مانا ہے، اور کسی قسم کا کلام نہیں فرمایا، بلکہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:۔

"ونحن نقول خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم صارت ملكا كما ورد فی الحديث" (المنتقى ص۲۸۱)

(ترجمہ) اور ہم کہتے ہیں کہ نبوّت کی خلافت تیس سال ہے پھر خلافت ملوکیت بن گئی جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ امام ابن تیمیہ جیسے علم و تحقیق کے بحرذخار اور حضرت معاویہ اور یزید اور بنوامیہ کی طرف سے شیعوں کے مقابلہ میں مدافعت اور احادیث و آثار پر بے باکانہ خیالات ظاہر کرنے والے امام تو اس حدیث کو تسلیم کر کے بار بار ذکر کریں مگر مؤلف امام ابن تیمیہؒ سے بھی چار قدم آگے ہیں، اور چونکہ اس حدیث میں بنی مروان کی امارت و خلافت کو نبوّت کی خلافت نہیں تسلیم کیا جا رہا ہے، اور زبان رسالت کی رو سے حضرت معاویہ کا دور خلافت کے تحت نہیں آتا، اور حضرت سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کی شرح میں کھل کر بنی مروان پر تنقید کی، اور ان کے اس دعویٰ کو کہ حضرت علی خلیفہ نہیں ہیں، غلط کہہ کر خود ان کو شر الملوک کہا ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کی ہوئی یہ حدیث موضوع ہونی ہی چاہئے، بلا سے امام ترمذی اور امام ابو داؤد پر موضوع حدیث بیان کرنے کا الزام آئے، اور بلا سے اس حدیث کے راویوں کی عدالت و ثقاہت خاک میں مل جائے، مگر مولف، خلافت معاویہ و یزید کی بات اونچی ہی رہنی چاہئے، اور رہی حدیث جو حضرت علی کے دور خلافت کو ناکام ثابت کرنے کے سلسلے میں متواتر بالمعنیٰ تسلیم ہو چکی ہے، اگر وہی حضرت معاویہ اور یزید کے زمانہ کے خلاف پڑے اور اس سے ان کی خلافت و امامت علی منہاج النبوۃ ثابت نہ ہو سکے تو اس سے انکار کر دینا چاہئے، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ روش نہایت شرمناک ہے،

اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" سیوطیؒ موضوعات ملا علی قاری موضوعات" علامہ طاہر گجراتی "- موضوعات مقدسیؒ موضوعات صنعانی لاہوریؒ وغیرہ چھپ کر عام طور سے ملتی ہیں اور موضوع اور جعلی حدیثوں کے پرکھنے میں کام آتی ہیں ان کتابوں میں حدیث کے اماموں نے موضوع احادیث کو جمع کر دیا ہے، کیا مؤلف ان کتابوں میں سے کسی کتاب میں " الخلافۃ بعدی" والی حدیث کو موضوع یا ضعیف دکھا سکتے ہیں؟

اس حدیث کو موضوع بتانے کی جرأت آپ کو "العواصم من القواصم" کے حاشیہ سے یا پھر "المنتقی" کے صفحہ ۵۷ کے حاشیہ سے ہوتی ہے، جس میں محشی نے اپنے کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے بھی دو قدم آگے سمجھا ہے، اور اس حدیث کی غیر منطقی تاویل کر کے اس۔۔کے رواۃ پر کلام کیا ہے مگر ہمارے محقق تو اپنے پیش رو کی تقلید بھی نہ کر سکے اور اس کی چال میں اپنی چال بھی بھول گئے، اس راز کو صیغہ راز ہی میں رہنا بہتر ہے۔

حشرج بن نباتہ کوفیؒ

مؤلف اس حدیث کے موضوع ہونے کی پہلی وجہ یہ بیان کرتے ہیں،

اوّل تو اس کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی تقریباً تمام آئمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث اور لا یحتج به ہیں منکر الحدیث ہیں" (ص ۳۲۶)

جن آئمہ رجال کے نزدیک حشرج بن نباتہ کوفیؒ ضعیف الحدیث لایحتج به، اور منکر الحدیث ہیں۔ ان میں سے کم سے کم دو چار کے نام تو بیان فرمایئے، اور ان کتابوں کی نشان دہی کیجئے، جن میں حشرج کو یہ سب کچھ کہا گیا ہے، یہ حشرج بن نباتہ کوفی تو جرح و تعدیل کے اماموں کے نزدیک ثقہ، صالح اور لاباس بہ ہیں، امام ابن ابی حاتم رازیؒ نے "کتاب الجرح والتعدیل" میں ان کا تذکرہ یوں فرمایا ہے۔

حشرج بن نباتة الا شجعی کوفی رویٰ،عن سعید بن جمهان، رویٰ عنه ابو نعیم وابو الولید و شجاع بن الاشرس سمعت ابی یقول ذالک،حدثنا عبدالرحمٰن، نامحمد بن حمویه، بن الحسن قال سمعت، اباطالب قال سالت احمد بن حنبل عن حشرج بن نباتة فقال کوفی، ثقة، حدثنا عبدالرحمٰن قال ذکره ابی عن اسحاق بن منصور عن یحییٰ بن معین، قال حشرج بن نباتة صالح،حدثنی عبدالرحمٰن قال سئل ابوزرعة عن حشرج بن نباتة وقال لاباس به حدیثه مستقیم، هوواسطی، سمعت ابی یقول حشرج بن نباتة صالح یکتب حدیثه ولا یحتج، (کتاب الجرح و التعدیل ج۱ قسم دوم ص۳۲۷)

(ترجمہ) "حشرج بن نباتہ اشجعی کوفی ہیں، انھوں نے سعید بن جمہان سے روایت کی ہے، اور ان سے ابو نعیم اور ابو الولید اور شجاع بن اشرس نے روایت کی ہے، یہ

میں نے اپنے والد سے سنا ہے ہم سے عبدالرحمن نے بیان کیا کہ ہم سے محمد بن حمویہ بن حسن نے بیان کیا کہ ابو طالب کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے حشرج بن نباتہ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا وہ کوفی ہیں، ثقہ ہیں، اسحاق بن منصور کی روایت یحییٰ بن معین سے ہے کہ حشرج بن نباتہ صالح ہیں، امام ابوزرعہ سے حشرج بن نباتہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کی حدیث مستقیم ہے، وہ شہر واسط کے رہنے والے ہیں، میں نے اپنے والد (ابو حاتم رازی) سے سنا ہے کہ حشرج بن نباتہ صالح ہیں، ان کی حدیث لکھی جائے اور اسے حجت نہ بنایا جائے۔

اس بیان میں تمام ائمہ فن رجال امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، اور امام ابو زرعہ رحمہم اللہ نے حشرج کو ثقہ اور صالح ثابت کیا ہے، صرف امام ابو حاتم رازی نے ان کو "صالح یکتب حدیثہ" (یعنی وہ صالح ہیں، ان کی حدیث لکھی جائے) کے ساتھ "لا یحتج" فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی حدیث میں منفرد ہوں، اور اس کے راوی دوسرے لوگ نہ ہوں تو ان کی اس حدیث کو حجت نہ بنایا جائے، کیا ایک امام ابوزرعہ تمام ائمہ رجال ہیں جن کے نزدیک حشرج سے احتجاج جائز نہیں ہے، پھر امام ابوزرعہ کا یہ قول جیسا کہ ہم نے بتایا، ان احادیث کے بارے میں ہے، جن میں حشرج منفرد ہوں، اور "الخلافة بعدی" والی حدیث کو ایک جماعت نے بیان کیا ہے جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا ہے "قد رواہ غیر واحد عن سعید بن جمہان" چنانچہ ابوداؤد میں یہ حدیث حشرج بن نباتہ کے بجائے سعید بن جمہان سے عبدالوارث بن سعید نے بیان کی ہے، فرمایئے عبدالوارث بن سعید کے بارے میں کیا ارشاد ہے، نیز اس حدیث کے دیگر راویوں کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے؟

نیز امام ابن حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" میں حشرج بن نباتہ کوفیؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان سے بقیہ بن مخلد یونس المودب، عبداللہ بن مبارک، ابو داؤد طیالسی، ابو الولید طیالسی، شریح بن نعمان جوہری، بشر بن ولید کندی، یحییٰ عمانی اور دوسرے لوگوں نے روایت کی ہے،

ان تمام راویوں، اور اماموں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں، کیا انھوں نے ضعیف، منکر الحدیث اور لایحتج سے روایت کی ہے؟ حافظ ابن حجرؒ نے بھی ان ہی اماموں کے ان ہی اقوال کو حشرج کے بارے میں نقل کیا ہے۔

حضرت سفینہؓ اور سعید بن جمہانؒ

مؤلف نے اس حدیث کو موضوع ثابت کرنے کی دوسری وجہ یہ لکھی ہے:۔

"یہ حشرج سعید بن جمہان بصری سے روایت کرتے ہیں جن کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی، اور حضرت سفینہ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا، ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے" (ص ۳۴۴)

آپ کا مطلب یہ ہے کہ سعید بن جمہان اور حضرت سفینہؓ مولیٰ رسول اللہ ﷺ میں لقاء نہیں ہے اور سعید نے ان کا زمانہ پایا ہی نہیں، کیونکہ دونوں کے سنین وفات میں بڑا فرق اور فصل ہے، آپ کے اس مفروضہ کی بنا پر محمد بن المنکدر کی وفات چونکہ ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ میں ہوئی، لہذا حضرت سفینہؓ سے ان کی روایت بھی صحیح نہیں ہونا چاہیے، حالانکہ تمام محدثین اسے تسلیم کرتے ہیں۔

اسی طرح ائمہ رجال نے حضرت سفینہ سے سعید بن جمہان کے روایت کرنے کی تصریح کی ہے، اور وہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ظاہر کرتے، حافظ ابن حجر "تہذیب التہذیب" میں حضرت سفینہؓ کے حال میں لکھتے ہیں:۔

روی عنه ابناه عبدالرحمن و عمر وسعید بن جمهان وابو ریحانة، وسالم بن عبدالله بن عمر وعبدالرحمن بن ابی نعیم، والحسن البصری وغیره (تہذیب التہذیب ج۴ص۱۲۵)

(ترجمہ) "حضرت سفینہ سے ان کے دونوں لڑکوں عبدالرحمان اور عمر، اور سعید بن جمہان، ابو ریحانہ، سالم بن عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابو نعیم، اور حسن بصری وغیرہ نے روایت کی ہے"

حافظ ابن عبدالبر اندلسی قرطبیؒ "الاستیعاب" میں لکھتے ہیں:-

وتوفیٰ سفینة فی زمن الحجاج، روی عنه الحسن، ومحمد بن المنکدر، وسعیدبن جمهان، (الاستیعاب ج۲ ص۶۰۱)

(ترجمہ) "سفینہؓ نے حجاج کے زمانہ میں وفات پائی، ان سے حسن بصری محمد بن منکدر اور سعید بن جمہان نے روایت کی ہے"

اسماء الرّجال کے ائمہ رجال و رواۃ کے موالید و وفیات کے بارے میں آپ سے زیادہ واقف ہیں، اور اسماء الرّجال میں پیدائش اور وفات کے سنین پر ان کی نظر بہت کڑی ہوتی ہے، آپ مقدمہ ابن الصّلاح، معرفۃ علوم الحدیث للحاکمؒ وغیرہ مطالعہ فرماتے تو معلوم ہوتا کہ ان کے علم و خبر کے سامنے آپ کے اس قسم کے احتمال کی کیا حیثیت ہے؟

اس کے بعد آپ اس حدیث کو موضوع بنانے کی تیسری وجہ بیان کرتے ہیں:-

"پھر یہ سعید تو بصرہ کے رہنے والے تھے، اور حضرت سفینہؓ مدنی ہیں اور وہیں ان کی وفات ہوئی، انھوں نے یہ حدیث ان سے کب اور کیوں کر کہاں سنی؟ حضرت سفینہؓ کے علاوہ اور کسی صحابی کا ایسی حدیث کا جو نظامِ خلافت کو صرف تیس برس تک

قائم رہنے کی پیش گوئی کرے، روایت نہ کرنا ہی اس کے وضعی ہونے کا بین ثبوت ہے (ص ۳۴۵)

تب تو اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ حضرت سفینہؓ سے امام حسن بصریؒ نے بھی روایت نہیں کی، اور یہی تمام سوالات سامنے آکر بصرہ کے رہنے والے حسنؒ کو مدینہ کے رہنے والے سفینہؓ سے روایت کرنے سے روک دیں گے،

نیز اس زمانہ میں پورے عالم اسلام میں جو علمی اور دینی اسفار و رحلات ہوتے تھے وہ سب غلط اور جھوٹ ہو جائیں گے، نہ اندلس کے یحییٰ بن یحییٰ نے مدینہ منورہ کے امام مالک کی شاگردی کی نہ امام بخاری نے اپنے زمانے کے عالم اسلام کے علماء سے علم حاصل کیا، اور نہ ان سے دنیا کے مختلف ممالک کے تقریباً نوے ہزار علماء نے ان کی کتاب صحیح بخاری پڑھی، کہاں بغداد، کوفہ، بصرہ، مدینہ، مکہ، اور کہاں بخارا، خراسان، سندھ، نیشاپور، ہرات، سمرقند، کاشغر، افریقہ، اندلس، اور شام؟

بھلا ان مقامات کے لوگوں نے ایک دوسرے کے علوم و فنون کب اور کیونکر اور کہاں حاصل کئے ہونگے؟ ناظرین فیصلہ کریں کہ اس قسم کی باتیں کرنے والے علم و تحقیق کے معیار پر کہاں تک پورے اتر سکتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ اور کسی صحابی نے ایسی روایت نہیں کی اور یہ بھی اس کے وضعی یعنی موضوع ہونے کا بین ثبوت ہے، گویا ہر وہ حدیث جو کسی خاص امر سے تعلق رکھے، اور اس کے راوی صحابہ کرامؓ میں زیادہ نہ ہوں، وہ موضوع ہونی چاہئے۔ پھر آپ "ملک عضوض" والی حدیث کو حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالے سے متواتر بالمعنیٰ تسلیم کر کے نقل کر چکے ہیں، (ص ۳۴۷) اگر اس کے راوی صرف حضرت سفینہؓ ہی ہوتے تو متواتر بالمعنیٰ کا اطلاق اس پر کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ چونکہ آپ کے علم میں یہ حدیث ان

الفاظ کے ساتھ صرف حضرت سفینہؓ کے یہاں ملی ہے اس لئے دیگر حضرات کے روایت کرنے کو نہیں جانتے، یہ بات اور اس قسم کی علم حدیث ورجال کی باتیں اس وقت معلوم ہوں گی جب آپ حدیث ورجال کی کتابیں پڑھیں گے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حدیث سفینہؓ

اہل سنت والجماعت کے مشہور و مسلم امام حضرت امام احمد بن عبداللہ بن حنبل شیبانی رحمہ اللہ کی ذات دین و دیانت اور تمسک بالسنۃ میں جو مقام و مرتبہ رکھتی ہے، اس سے ہر مسلمان واقف ہے، دیکھئے حضرت امامؒ حدیثِ سفینہؓ کو جس طرح حجت و قابل استناد قرار دیتے ہیں، اور اس "سیّد المسلمین فی الحدیث" نے اس حدیث کو کیا درجہ دیا ہے؟ حضرت امام ابن جوزیؒ جیسے ناقد حدیث اور جرح و تعدیل میں سخت محدّث نے اپنی کتاب "مناقب امام احمد بن حنبل" میں اپنی سند سے روایت کی ہے کہ محدث یعقوب بن اسحاق بغدادی کا بیان ہے کہ امام احمد سے تفضیل صحابہؓ کے بارے میں سوال کیا گیا:۔

فقال علیٰ حدیث ابن عمر، ابو بکر، وعمر وعثمان، والخلافة علی حدیث سفینة ابو بکر، و عمر و عثمان، وعلی، فقال له من ساله هذا حشرج، فقال، لا، حماد بن سلمة یعنی ان حماد بن سلمة و حشرج بن نباتة رویاهذا الحدیث حدیث سفینة، وفی حشرج غمص، وحماد بن سلمة امام (مناقب الامام احمد صف ۱۵۹ صف ۱٦٠ طبع مصر)

تو آپ نے کہا کہ حضرت ابن عمر کی حدیث کے مطابق افضل صحابہ ابو بکرؓ، عمرؓ، اور عثمان ہیں، اور خلیفہ حدیث سفینہ کی رو سے ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمان اور علی ہیں، سائل

نے کہا کہ اس روایت میں حشرج ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں، حماد بن سلمہ بھی ہیں، یعنی حماد بن سلمہ اور حشرج بن نباتہ دونوں ہی نے اس حدیث سفینہ الخلافة بعدی ثلاثون سنة کی روایت کی ہے، اور حشرج میں کچھ عیب ہے تو حماد بن سلمہ تو امام حدیث ہیں،

حضرت امام احمد بن حنبل نے چاروں خلفاء کو ثابت کرنے کے لئے حدیث سفینہ کو حجت بنایا ہے، اور حشرج راوی کے ضعف کو اس حدیث کے دوسرے راوی امام حماد بن سلمہ کی امامت کی وجہ سے حدیث کی قطعیت میں حارج نہیں مانا ہے، ناظرین کرام فیصلہ کریں کہ حدیث سفینہ کے بارے میں امام الفقہاء سید المحدثین اور حجة الاسلام امام احمد بن حنبل کا قول معتبر و مستند مانا جاوے گا یا مؤلف خلافت معاویہ و یزید کی حدیث دانی پر اعتماد کرکے اس بے غبار حدیث کو جعلی، وضعی اور موضوع سمجھا جائے گا؟

ممکن ہے اس عبارت میں لفظ "یعنی" کے بعد کی تصریح کو کوئی شخص امام ابن جوزیؒ یا سائل یا اور کسی کی تشریح و توضیح کہے، اور اسے امام احمد کا مقولہ نہ قرار دے، مگر سیاق وسباق سے اس کی گنجائش نہیں ہے پھر اگر ایسا ہو بھی تو امام صاحب کا اس حدیث کو خلفائے اربعہ کے بارے میں حجت قرار دینا اور حشرج کی توثیق کے لئے امام حماد بن سلمہ جیسے مسلّم امام الحدیث کو اس حدیث کے راویوں میں مان کر حشرج کے ضعف کی پرواہ نہ کرنا، اور ہر حال میں حدیث سفینہ کو استدلال میں پیش فرمانا اس حدیث کے صحیح اور قابل حجت ہونے کو ثابت کرتا ہے اگر مؤلف کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کو احادیث پر کلام کرنے کا شوق تھا تو پہلے کچھ اس کی تیاری فرمالیتے اور علم الحدیث اور علم الرّجال سے واقفیت حاصل کرلیتے،

بخاری کی دو حدیثیں

خلافت بنی امیہ اور حضرت معاویہؓ اور یزید کی امامت و خلافت کو خلافت راشدہ ثابت کرنے کے لئے آپ نے سارا زور خرچ کیا اور اس کے لئے تاریخوں کا ستیا ناس کیا، اور احادیث کو موضوع اور راویوں کو مجروح بتایا، حالانکہ اگر آپ کے پاس صاف ستھرا دماغ اور جیتا جاگتا دل ہوتا تو آپ صحیح روایات و احادیث کو تسلیم کرتے ہوئے ان کا کوئی محل اور محمل تلاش کرتے، اور علم و تحقیق کی روشنی میں تمام روایات صحیحہ ثابتہ کو اپنے محل و معنی پر لا کر کوئی اچھی راہ پیدا کرتے،

آپ ترمذی اور ابو داؤد کی "الخلافة بعدی" والی حدیث ہی کو کیوں موضوع اور جعلی قرار دیتے ہیں اور امام ترمذی اور امام ابو داؤد اور ان کے راویوں ہی کو کیوں مجروح ثابت کرتے ہیں؟ امام بخاری کی بھی خبر لیجئے، اور ان پر بھی جعلی و موضوع حدیث نقل کرنے کا الزام لگائیے، (۱) انہوں نے صحیح بخاری میں باب التعاون فی بناء المسجد میں حضرت ابو سعید سے روایت کی ہے۔

كنا نحمل لبنة لبنة وعمار لبنتين ، لبنتين فرآه النبی ﷺ فجعل ينفض التراب عنه ويقول و يح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار قال يقول عمار اعوذ بالله من الفتن (بخاری)

(ترجمہ) "مسجد نبوی کی بناء کے وقت ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھا کر لاتے تھے، اور عمار بن یاسرؓ ایک ساتھ دو دو اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ ان کے غبار جھاڑنے لگے، اور فرمانے لگے ہائے عمار ان کو باغی گروہ قتل کرے گا، یہ ان کو جنت کی دعوت دیں گے۔ اور وہ ان کو جہنم کی دعوت دیں گے راوی کا بیان ہے کہ حضرت عمار کہتے تھے کہ میں فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

فرمایئے، حضرت عمارؓ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں میں سے کس کی طرف تھے، اور کس گروہ نے ان کو قتل کیا ہے؟ صحابی رسول ہونے کے ذاتی مناقب و فضائل سر آنکھوں پر، مگر فتنہ باغیہ (باغی گروپ) کون تھا، جسے زبان رسالت بتارہی ہے کہ وہ آگ کی طرف دعوت دے گا، اور حضرت عمار اسے جنت کی دعوت دیں گے، اور وہی فتنہ "باغیہ" ان کو قتل کرے گا۔

(۲) مؤلف نے صفحہ ۲۳۲ پر بخاری کے باب اذا قال عندقوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافہ سے حضرت ابن عمرؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، اس کے مقابلہ میں یہ واقعہ آپ کی نظر سے گذرا ہے یا نہیں،

عن ابی المنهال قال لما كان ابن زياد و مروان بالشام،و وثب ابن الزبير بمكة و وثب القراء بالبصرة، فانطلقت مع ابى الى ابى برزة الاسلمى حتىٰ دخلنا عليه فى داره وهو جالس فى ظل علية له من قصب فجلسنا اليه فأنشأ ابى يستطعمه بالحديث، فقال يا ابا برزة الاترى، ماوقع فيه الناس فاول شيئى سمعته تكلم به انى احتسبت عند الله انى اصبحت ساخطاً على احياء قريش انكم يا معشر العرب كنتم على الحال الذى علمتم من الذلة والقلة والضلالة، وان الله انقذكم بالاسلام، و بمحمد ﷺ حتى بلغ بكم ماترون وهذه الدنيا التى افسدت بينكم،ان ذاک الذى بالشام والله ان يقاتل الاعلى الدينا

(بخاری کتاب الفتن)

(ترجمہ) " ابو المنہال سے مروی ہے کہ جب عبید اللہ بن زیاد اور مروان بن حکم شام میں حکمران ہوئے، اور عبد اللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں اور قراء (علماء) کی جماعت نے بصرہ

میں سر گرمی دکھائی تو میں اپنے والد کے ہمراہ حضرت ابو برزۃ الاسلمیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، جب ہم لوگ ان کے مکان پر پہونچے وہ بانس کی ایک چھپر کے سایہ میں بیٹھے تھے، ہم لوگ بھی ان کے پاس بیٹھ گئے میرے والد ان سے بات چیت کرنے لگے اور کہا کہ اے ابو برزہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ کس حال میں پڑ گئے ہیں؟ اس سوال کے بعد ابو برزہؓ سے سب سے پہلی بات جو میں نے سنی یہ تھی کہ میں نے تو اللہ کے یہاں اجر و ثواب کی نیت کرلی ہے، میں قریش کے قبائل سے ناراض ہو چکا ہوں، اے گروہ عرب، تم لوگ ذلت و قلت اور گمراہی کی جس حالت میں پڑے تھے، وہ تمہیں خوب معلوم ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے نجات دی، یہانتک کہ اب تم ایسی حالت کو پہونچ گئے ہو جسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، اور یہ دنیا ہے جس نے تمہارے درمیان فساد ڈال دیا ہے، یہ جو شام میں ہے خدا کی قسم صرف دنیا کے لئے لڑ رہا ہے۔"

اس واقعہ میں" ان ذاک الذی بالشام "کی تشریح حافظ ابن حجر فتح الباری میں یوں فرماتے ہیں:۔

وفی روایة یزید بن زریع یعنی مروان وفی روایة مسکین عبد الملک بن مروان، والاول اولیٰ، (فتح الباری ج۱۳ ص۳۴)

(ترجمہ)" یزید بن زریع کی روایت میں اس سے مراد مروان ہے، اور مسکین کی روایت میں عبد الملک بن مروان ہے، مگر پہلی بات زیادہ مناسب ہے۔"

فرمایئے حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور امام بخاری کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟

(۴) امام بخاری نے کتاب الفتن میں باب قول النبیؐ هلاک امتی علی یدی اغیلمة سفهاء (یعنی رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ میری امت کی ہلاکت و

بربادی کمینے نوعمروں کے ہاتھ سے ہوگی) میں یوں روایت کی ہے:۔

حدثنا موسیٰ بن اسمعیل قال حدثنا عمر و بن یحیی ابن سعید بن عمرو بن سعید، قال اخبرنی جدی قال کنت جالسا مع ابی ہریرۃ فی مسجد النبیؐ بالمدینۃ و... مروان معنا قال ابوہریرۃ سمعت الصادق المصدوقؐ یقول ہلکۃ امتی علی ایدی غلمۃ من قریش، فقال مروان لعنۃ اللہ علیہم غلمۃ فقال ابو ہریرۃ لوشئت ان اقول بنی فلان وبنی فلان لفعلت فکنت اخرج مع جدی الی بنی مروان، حین ملکوا بالشام فاذاراہم غلمانا احداثاً، قال لنا عسیٰ ہولاء ان یکونوا منہم قلنا انت اعلم (بخاری کتاب الفتن)

(ترجمہ) "ہم سے موسیٰ بن اسمعیل نے بیان کیا ہے انھوں نے کہا کہ ہم سے عمرو بن یحیی بن سعید بن عمرو بن سعید نے بیان کیا کہ مجھے میرے دادا سعید بن عمرو نے خبر دی ہے کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا تھا، اور ہمارے ساتھ مروان بن حکم بھی تھا اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا میں نے صادق و مصدوق ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت وتباہی قریش کے کچھ نو عمر لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی، یہ سن کر مروان نے کہا "ان نوعمروں پر خدا کی لعنت ہو" حضرت ابو ہریرہؓ نے اس وقت یہ بھی کہا کہ اگر میں بنی فلاں بنی فلاں نام بنام کہنا چاہوں تو کہہ سکتا ہوں، اس کے بعد جب بنی مروان شام کے حکمران ہوئے تو میں اپنے دادا کے ہمراہ ان کے پاس جایا کرتا تھا جب میرے دادا ان نو خیزوں کو دیکھتے تو فرماتے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ان ہی میں سے ہوں ہم لوگ کہتے کہ اس کو آپ زیادہ جانتے ہیں"

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بازار میں چلتے ہوئے یہ دعا مانگتے تھے،

اللهم لاتدركني سنة ستين ولا امارة الصبيان

(ترجمہ) "اے اللہ سن ساٹھ کا زمانہ اور لڑکوں کی حکمرانی کا دور مجھے نہ ملے"

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ۶۰ھ میں نو عمروں کا پہلا زمانہ ہوگا، اور ہوا بھی ایسا ہی، اس لئے کہ یزید بن معاویہ اسی سن میں خلیفہ بنایا گیا، (فتح الباری ج ۱۳ ص ۸)

نیز اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

وان اولهم يزيد كمادل عليه قول ابى هريرة راس الستين، و امارة الصبيان فان يزيد كان غالبا ينتزع الشيوخ من امارة البلدان الكبار ويوليها الاصاغرمن اقاربه، (فتح الباری ج۱۳ ص۸)

(ترجمہ) "ان نو خیزوں میں سب سے پہلا یزید ہے، جیسا کہ ابو ہریرہ کے قول سن ساٹھ اور بچوں کی حکمرانی سے معلوم ہو رہا ہے کیونکہ یزید عام طور سے بڑوں کو بڑے شہروں کی امارت سے علیحدہ کر کے ان پر اپنے رشتہ داروں میں سے چھوٹوں کو حاکم بناتا تھا"

یہ قریش کے نو خیز کون لوگ تھے، جن کے ہاتھوں امت مسلمہ کی تباہی کی خبر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے کیا حضرت ابو ہریرہؓ یا امام بخاری کی شان میں جرات دکھانے کا ارادہ ہے؟

باره قریشی خلفاء

حدیث ملک عضوض کے سلسلے میں مؤلف لکھتے ہیں:۔

"حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دین اسلام قوت سے رہے گا، یہاں تک کہ بارہ خلیفہ ہوں اور وہ سب قریش سے ہونگے،

لایزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشرة خلیفة کلهم من قریش

ان بارہ خلیفوں میں پانچویں امیر المومنین معاویہؓ اور چھٹے امیر المومنین یزید ہوتے ہیں (الخ ص ۳۴۵)

یہ حدیث صحیح مسلم میں اس طرح سے مروی ہے،

عن عامر بن سعد بن ابی وقاص قال کتبت الی جابر بن سمره مع غلامی نافع ان اخبرنی بشئی سمعته من رسول اللهﷺ قال فکتب الی سمعت رسول اللهﷺ یقول یوم جمعة عشیة رجم الا سلمی یقول لا یزال الدین حتی تقوم الساعة اویکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش الخ

(ترجمہ)" عامر بن سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ میں نے جابر بن سمرہ کے پاس اپنے غلام نافع کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہو تو مجھے بتایئے اس کے جواب میں انھوں نے میرے پاس لکھا کہ میں نے جمعہ کے دن جس کی شام کوماعزاسلمی کو رجم کیا گیا تھا، رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دین اسلام

قیامت کے قائم ہونے تک جاری رہے گا، یہاں تک کہ تمہارے اوپر بارہ خلیفہ ہوں گے، جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

جیسا کہ مؤلف نے بیان کیا ہے اگر اس سے مراد خلفائے راشدین اور خلفائے بنی امیہ ہیں تو پھر ان کی تعداد بارہ سے زیادہ ہو جاتی ہے، (۱) حضرت ابو بکرؓ، (۲) حضرت عمرؓ، (۳) حضرت عثمانؓ (۴) حضرت علیؓ، (۵) حضرت معاویہؓ (۶) یزید بن معاویہ، (۷) معاویہ بن یزید (۸) مروان بن حکم (۹) عبدالملک بن مروان (۱۰) ولید بن عبدالملک (۱۱) سلیمان بن عبدالملک (۱۲) عمر بن عبد العزیز (۱۳) یزید بن عبدالملک (۱۴) ہشام بن عبدالملک (۱۵) ولید بن یزید (۱۶) یزید بن ولید (۱۷) ابراہیم بن ولید (۱۸) مروان بن محمد آخر خلیفہ اموی۔ اس کے بعد خلفائے عباسیہ کی ابتدا ہوتی ہے، اور وہ بھی قریش ہی سے تھے، اگر مؤلف کے مطلب کے مطابق اس حدیث سے بالترتیب بارہ قریشی خلفاء مراد ہیں جس کی رو سے پانچویں خلیفہ حضرت معاویہ چھٹا خلیفہ یزید ہے تو پھر ان بارہ کے بعد کے قریشی خلفاء کا کیا ہوگا؟ کیا حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد ہی اسلام کی قوت وشوکت ختم ہو گئی؟ اور بعد میں جو قریشی خلفاء اور حکمران ہوئے ان میں کوئی بھی اس حدیث میں نہیں آسکتا، اگر یہ بات ہے تو پھر حتیٰ تقوم الساعة کا کیا مطلب ہے، اور دین قیامت تک کیسے طاقت وشوکت رکھ سکے گا۔

جاہ طلبی اور امارت کا شوق

مؤلف نے یزید کے کردار کے بیان میں اس کے بچپن ہی سے امیر و خلیفہ ہونے کے شوق کو نہایت اچھے انداز میں علامہ ابن کثیر کی روایت سے بیان کیا ہے، جب کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے یزید سے کہا کہ تم مجھ سے کوئی حاجت طلب کرو، تو یزید نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص تین دن تک اس امر خلافت کا ذمہ دار ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر آگ کو حرام فرما دیتا ہے، اس لئے مجھے آپ امیر بنا کر آگ سے آزاد کرائیے۔ اور حضرت معاویہؓ نے اسے ولی عہد بنایا۔ (صفحہ ۴۶)

اس حدیث کو طلب امارت کے لئے استدلال میں لانا ظاہر ہے، کہ حسن طلب کی لطیف قسم ہے، اسی طرح مؤلف نے اس واقعہ کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے، جس میں ہے کہ یزید نے حضرت معاویہ سے خواہش کی کہ آپ اس سال کی عسکری مہم مسلمانان پر مجھے تعینات کیجئے۔ (صفحہ ۱۱۳)

یزید کی امارت و ولایت کی اس طلب و خواہش کو مؤلف نے اس کے فضائل و مناقب میں شمار کیا ہے، اور اس سے اس کے جوش جہاد اور جذبہ خدمت خلق پر استدلال فرمایا، اور اس کو اس کے بلندی درجات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

حالانکہ امارت و ولایت کی خواہش اور عہدہ و منصب کی طلب اسلام کی بخشی ہوئی مخلصانہ ذہنیت کے سراسر خلاف ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس سے شدت سے منع فرمایا ہے۔ اور امارت و ولایت کے خواہاں کو دنیا و آخرت میں ناکام بتایا ہے، اور ایسے لوگوں کی ہمت افزائی نہیں فرمائی ہے جن میں عہدہ و منصب اور امارت و ولایت کی طلب اور خواہش پائی جاتی ہے، اس کے لیے ذیل کی احادیث ملاحظہ ہوں،

عن ابی هریرة ان رسول اللهؐ قال انکم ستحرصون علی الامارة. وستکون ندامة یوم القیامة (بخاری) عن عبدالرحمن بن سمرة قال قال لی رسول اللهؐ یا عبدالرحمٰن بن سمرة لاتسئل الامارة فانك ان اعطیتها عن مسالة وکلت الیها وان اعطیتها عن غیر مسألة اعنت علیها (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ عنقریب تم لوگ امارت کے حریص بن جاوگے، اور امارت قیامت کے دن ندامت کا باعث ہوگی

عبدالرحمن بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبدالرحمن! تم امارت کا سوال مت کرنا کیونکہ تم اگر سوال کرنے کی وجہ سے امیر بنائے گئے تو تم کو اس پر مسلط کر دیا جائے گا، اور اگر بغیر سوال کئے تم کو امیر بنایا گیا تو تمہاری مدد کی جائے گی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی حاضر ہوئے اور دونوں نے باری باری سے گزارش کی کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس چیز کا والی و امیر بنایا ہے مجھے بھی والی و امیر بنائیے، آپ نے فرمایا

انا والله لا نولی علی هذا العمل احدا سأله ولا احدا حرص علیه

(بخاری و مسلم)

خدا کی قسم ہم اس معاملہ کا کسی ایسے شخص کو والی و امیر نہیں بناتے جو اس کا سوال کرے یا اس کا حریص ہو،

حضرت ابو ذرؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ الا تستعملنی تو آپ نے اپنا دست مبارک ان کے مونڈھے پر رکھ کر فرمایا۔

يا ابا ذرانك ضعيف وانها امانة ،

اے ابوذرؓ تم ضعیف ہو، امارت بار امانت ہے،

وانها يوم القيامة خزی وندامة الا من اخذها بحقها ، وادى الذى عليه فيها . (مسلم)

اور وہ قیامت کے دن رسوائی و شرمندگی ہے، الّا یہ کہ کوئی آدمی اسے اس کے حق کے ساتھ لے، اور امارت کے سلسلے میں جو اس کا فریضہ ہے اسے ادا کرے،

حضرت اسید بن حضیرؓ سے مروی ہے کہ انصار کے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! جس طرح آپ نے فلاں آدمی کو عامل بنایا، اسی طرح کیا مجھے عامل نہیں بنائیں گے آپ نے فرمایا:

انكم سترون بعدی اثرة فاصبروا حتى تلقونى على الحوض (بخاری و مسلم)

تم لوگ میرے بعد بہت جلد دیکھو گے کہ ایک کا حق دوسرے کو دیا جاتا ہے، اس لئے صبر کرو یہاں تک کہ حوض پر مجھ سے ملو۔

ان احادیث کی روشنی میں یزید کے امیر و ولی عہد بننے کی خواہش کے بارے میں یہ فیصلہ آسان ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ بات مستحسن اور باعث اطمینان ہے یا بری، اور انجام کے اعتبار سے وبال ہے، حضرت حسینؓ کو طالب جاہ اور حب دنیا میں گرفتار قرار دے کر ان کو مطعون کرنے والے بتائیں کہ یہ یزید نے کیا کیا ہے اور اس میں طلب جاہ وحب دنیا کہاں تک پائی جاتی ہے اور ایسا کرنے والے اسلام کی نظر میں کیسے قرار پاتے ہیں، اور اس کام کی طرف داری کرنا اسلامی تصور کے کہاں تک مناسب ہے؟

قرابتیں اور رشتہ داریاں

مؤلف نے اموی خاندان اور اہل بیعت کے مابین قرابتوں کا بیان بہت تفصیل سے کیا ہے، جسے بعض لوگ اس کتاب کی خصوصی چیز قرار دیتے ہیں خدا کرے یہ قرابتیں اس سے بھی زیادہ رہی ہوں، اور ان کے درمیان صلح و محبت کی فضا پیدا ہوگئی ہو، مگر مؤلف کے بیان پر اس بارے میں اعتماد کرنا اس لئے مشکل ہے کہ دوسرے مضامین کی طرح انھوں نے اس میں بھی اپنی روش خاص سے کام لیا ہے، اور ریسرچ اور تحقیق کی قینچی سے واقعات میں کانٹ چھانٹ کی ہے، اور اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لئے غلط کارروائیاں کی ہیں، دو ایک مثال ملاحظہ ہوں۔

مؤلف صفین و کربلا کے بعد کی قرابتیں کے ذیل میں لکھتے ہیں، کہ حضرت علی کی تین صاحبزادیاں بنی امیہ کو بیاہی گئیں۔ (۱) رملہ، امیر المومنین مروان کے فرزند معاویہ سے (۲) دوسری صاحبزادی خود امیر المومنین عبد الملک سے (۳) تیسری صاحبزادی خدیجہ عبداللہ بن کریز اموی کے فرزند عبد الرحمن سے ملخصا (صفہ ۲۴۱، ۲۴۲)

اب سنئے علامہ ابن قتیبہ کتاب المعارف میں جس سے مؤلف نے جگہ جگہ اپنی کتاب میں اقتباس لیا ہے لکھتے ہیں، حضرت علی کی صاحبزادیوں میں ام کلثوم کبریٰ اور زینب کبریٰ حضرت فاطمہ کے بطن سے تھیں، رقیہ تغلبیہ کے بطن سے، رملہ ام سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفی کے بطن سے، ام کلثوم صغریٰ، زینب صغریٰ، جمانہ، خدیجہ، فاطمہ، ام لکرام، نفیسہ، ام سلمہ، امامہ مختلف امہات الولد سے تھیں، پھر لکھتے ہیں کہ زینب کبریٰ عبداللہ بن جعفر سے بیاہی تھیں، ام کلثوم کبریٰ عمر بن خطاب سے، اور ان کی شہادت کے بعد محمد بن جعفر بن ابی طالب سے، ان کے مرنے کے بعد عوف بن

جعفر بن ابی طالب سے بیاہی تھیں۔

وکان سائر بنات علی عند ولد عقیل و ولد العباس خلا ام الحسن فانها کانت عند جعدة بن هبیرة المخزومی، وخلا فاطمة فانها کانت عند سعید بن الاسود من بنی الحارث ابن اسد

ان کے علاوہ حضرت علیؓ کی تمام بیٹیاں حضرت عقیلؓ اور حضرت عباسؓ کی اولاد سے بیاہی تھیں سوائے ام الحسن کے کہ وہ جعد بن ہبیرہ مخزومی کے یہاں تھیں، اور سوائے فاطمہ کے کہ وہ سعید بن اسود کے یہاں تھیں جو کہ بنی حارث بن اسد سے تھے،

علامہ ابن قتیبہ کے اس بیان کی روشنی میں مؤلف کتاب۔ خلافت معاویہؓ و یزید کا بیان ملاحظہ فرمائیے، اور فیصلہ کیجئے کہ کس کی بات صحیح ہو سکتی ہے، مؤلف اولاد حسین کی قرابتیں کے ذیل میں لکھتے ہیں، حضرت حسینؓ کی مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہ نے اپنے شوہر مصعب بن زبیر کے مقتول ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد اپنا نکاح ایک اموی اور مروانی خاندان میں امیر المومنین مروان کے پوتے الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے کیا الخ (صفحہ ۲۵۲)

اس کے حوالہ جات میں کتاب المعارف کا بھی حوالہ ہے، حالانکہ کتاب المعارف میں جس انداز سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سے قرابت ہونے کے باوجود دوری کا ثبوت ملتا ہے، اور خود بنو امیہ کی طرف سے اس کا ظہور ہوتا ہے، علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں۔

سکینہ سے مصعب بن زبیر نے نکاح کیا، ان کے فوت ہو جانے کے بعد عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام نے ان سے نکاح کیا، ان کے یہاں سکینہ کے بطن سے قرین پیدا ہوئے، پھر اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان نے سکینہ سے نکاح کیا،

وفارقها قبل ان یدخل بها

مگر ازدواجی تعلق سے پہلے ہی اصبغ نے سکینہ کو جدا کر دیا۔

یہ جملہ مؤلف نے حذف کر دیا حالانکہ اسی سے حقیقت کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اصبغ کے الگ کر دینے کے بعد زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سے نکاح کیا مگر اب کی مرتبہ بھی اس میں دخل دیا گیا، اور زبردستی طلاق دلوائی گئی۔

فامر سلیمان بن عبد الملک بطلاقها ففعل وماتت بالمدینة فی خلافة ہشام (المعارف صف۹۴)

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے زید بن عمرو کو حکم دیا کہ وہ سکینہ کو طلاق دے چنانچہ اس نے طلاق دے دی اور سکینہ کا انتقال مدینہ میں ہشام کے دور خلافت میں ہوا۔

علامہ ابن قتیبہ کی اس تصریح سے اولاد حسین اور بنو امیہ کے درمیان کی اس رشتہ داری کی حقیقت بخوبی معلوم ہو رہی ہے، مگر مؤلف کتاب جوش حمایت میں رشتہ پر رشتہ قائم کئے جا رہے ہیں، اور علیحدگی کو نہایت خوبصورت طور سے بیان کر رہے ہیں، ملاحظہ ہو،

سیدہ سکینہ دختر حسینؓ کا ایک اور نکاح حضرت عثمان ذی النورین کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان سے ہوا تھا، پھر اس اموی شوہر سے علیحدگی ہو گئی (۲۵۴)

علیحدگی کے ساتھ ساتھ اموی شوہر کا جوڑ بلیغ ہے، قرابتوں کے سلسلے میں یہ دو ایک نشاندہی سارے مضمون کو نامعتبر بتا رہی ہے، اور بغیر تحقیق کے اسے تسلیم نہیں کیا جاسکتا،

حضرات حسنینؓ کے ساتھ حسن سلوک

مؤلف نے صفحہ ۱۹۱ سے ۲۰۰ تک حضرات حسنینؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے حسن سلوک اور داد و دہش کا تذکرہ کیا ہے، اور بتایا ہے کہ حضرت حسینؓ کو یزید بھی سال بہ سال ان کی حاضری کے موقع پر گراں قدر رقم دیا کرتا تھا، اور آپ اس کے پاس جایا کرتے تھے، اس سے جہاں ان زر و جواہر کی بارشوں سے حضرت معاویہ اور یزید کی اسلامی بیت المال، اور امت کی دولت سے سخاوت کرنے کا ثبوت ملتا ہے، وہاں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ان دونوں سے حسن تعلقات کا بھی پتہ چلتا ہے، کہ ان حضرات نے صلح ہو جانے کے بعد کس قدر رکھ رکھاؤ باقی رکھا، اور خود مدینہ منورہ سے دمشق جایا کرتے تھے، مگر داد و دہش کی داستانیں بھی دوسرے واقعات کی طرح صرف مؤلف کے بیان پر قابل اعتماد نہیں ہیں، پھر حضرت معاویہؓ کی یہ سخاوت چند مصالح کی بنا پر حضرات حسنینؓ ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ پورے اہل حجاز کو اسی طرح نوازتے تھے، اور ان کو ان کی خاطر مرغوب تھی، اور تمام اہل عراق کو نوازتے تھے کہ ان کو اپنے اور یزید کے حق میں ہموار کرنا تھا، اور آخر میں حضرت معاویہ اس سخاوت و بخشش سے گھبرا گئے تھے، اور اسلامی بیت المال کی دولت میں اس سے نمایاں کمی محسوس کرنے لگے تھے، اور فوجیوں کی تنخواہ کے علاوہ سخاوت کی وجہ سے خزانہ میں کچھ رہ ہی نہیں گیا تھا، چنانچہ آپ نے امیر مصر حضرت عمرو بن عاص کو ایک موقع پر لکھا

اما بعد فان سوال اهل الحجاز وزوار اهل العراق قد كثروا علي وليس عندي فضل عن عطيات الجنود فاعني بخراج مصر هذه السنة

(الاخبار الطوال صفہ ۲۲۴)

حجازیوں کے سائل اور عراقیوں کے ملاقاتی میرے یہاں بہت زیادہ ہو گئے ہیں، اور میرے پاس فوج کے وظائف کے سوا رقم باقی نہیں رہی، اس لئے تم اس سال مصر کے خراج سے میری اعانت کرو۔

اس خط کے جواب میں حضرت عمرو بن عاص نے تین اشعار لکھ کر بھیج دیئے جن میں صریح انکار تھا۔

فلما رجع الجواب الی معاویة قدهم فلم یعاوده فی شیئ من أمرها

معاویہؓ کے پاس جب ان کا یہ جواب آیا تو انھوں نے اسے برا مانا،اور پھر اس بارے میں کچھ نہیں لکھا پڑھی کی۔

جو لوگ مؤلف کی طرح حضرات صحابہؓ کے بارے میں جری ہیں، اور ان کی زبان کھل چکی ہے، وہ حضرت معاویہ پر اس داد و دہش اور سخاوت سے طرح طرح کے الزامات رکھ سکتے ہیں، مگر ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ اس میں حضرت معاویہؓ نے مصلح ملیہ کی راہ سوچی تھی، اور اپنے اجتہاد سے کام لیا تھا بعض کوتاہ بینوں اور سطحی ذہن والوں کا خیال ہے کہ حضرات حسنینؓ نے حضرت معاویہ سے گرانقدر وظیفے لئے، اور آخر میں ان کے بیٹے کے حضرت حسینؓ مخالف ہو گئے، ان کوتاہ بینوں کے نزدیک اگر یہ رشوت تھی، جسے لے کر حسین کو خاموش ہو جانا چاہئے تھا، شاید ان کو معلوم نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ یہ جو رقم معاویہ نے دی ہے کیا اس سے میرا دین و ایمان خریدنا مقصود ہے، یہی جواب حضرت حسین کا بھی ہے۔

ملحقات

قاضی ابوبکر ابن عربیؒ کی کتاب العواصم من القواصم

مولف کتاب خلافت معاویہ و یزید نے صفحہ ۳۰۲، ۳۰۳ کے حاشیہ پر امام قاضی ابوبکر ابن عربی اندلسی کے مختصر حالات ان کی تصنیف "العواصم من القواصم" کے مقدمہ سے نقل کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں،

"قاضی صاحب کی تصانیف میں سے العواصم من القواصم" فی تحقیق مواقف الصحابہ بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے، اس کتاب کا حوالہ مورخ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں "ولایت العہد" کی بحث کے سلسلے میں دیا ہے (صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ مصر) قاضی موصوف نے اپنی اس تالیف میں ان اکاذیب کی پوری قلعی کھولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے مواقف و مشاجرات کے بارے میں وضع ہوئے، حضرت حسین اور امیر یزید کے واقعات کے سلسلہ میں حضرت حسین کے اقدام کے متعلق لکھا ہے،

ولکنه رضی الله عنه لم تقبل نصيحة اعلم اهل زمان؟ ابن عباس وعدل عن رائ شيخ الصحابه ابن عمر (صف۲۳۲)

لیکن انھوں نے (حسین نے) اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ابن عباس کی نصیحت قبول نہ کی، اور شیخ صحابہ ابن عمر کی رائے سے انحراف کیا (صفحہ۳۰۳)

مؤلف " خلافت معاویہ و یزید " نے امام ابو بکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب العواصم من القواصم کی دل کھول کر تعریف کی ہے، اور اسی کتب کے حواشی سے جسے شیخ محب الدین الخطیب ناشر نے نہایت احتیاط و تحقیق سے مرتب کر کے پوری کتاب پر اس طرح لکھا ہے کہ یہ حواشی کتاب سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ مؤلف نے اپنی پوری کتاب مرتب کی ہے، اور اکثر و بیشتر حوالہ جات تک اسی سے نقل گئے ہیں، اہل علم خلافت معاویہ و یزید۔ اور العواصم من القواصم کو سامنے رکھ کر مقابلہ کریں تو اصل حقیقت سامنے آجائے، اور مؤلف کی تحقیق اور ریسرچ کا وزن معلوم ہو جائے، ہم دونوں کے تقابل و موازنہ کے لئے اس لئے صفحات کے حوالے درج نہیں کرتے کہ مؤلف کی پوری کتاب ہی العواصم کے حواشی سے ماخوذ ہے اور محشی کی کاوش کو اپنی تحقیق ثابت کرنے کی بے سود کوشش کی گئی ہے، محشی نے ہر جگہ بڑی احتیاط سے موافق و مخالف مآخذ و مصادر کی نشان دہی کر کے اپنے رجحان کو اس طرح ظاہر کیا ہے کہ اس کی تحقیق کی جائے، مگر مؤلف نے اپنے خاص مقصد کے موافق ان کو اپنے رنگ میں پیش کیا ہے، اور بے سر پیر کی باتیں کی ہیں، نیز شیخ محب الدین خطیب نے امام ابن تیمیہؒ کی کتاب کے خلاصہ۔ المنتقی " کو تقریباً ان ہی حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی شہرہ آفاق کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے عربی خلاصہ کو بھی اسی طرح کے حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے، اور ان تینوں کتابوں کے حواشی قریب قریب ایک ہی ہیں اور اہل علم و نظر کے سامنے یہ باتیں رکھ کر ان کی تحقیق کی خواہش کی ہے، مگر مؤلف کتاب " خلافت معاویہ و یزید " العواصم من القواصم " اور " المنتقی " اور ہو سکتا ہے کہ " مختصر تحفہ اثنا عشریہ " کے ان ہی حواشی کو لے اڑے، اور

ان کو اپنی طرف سے ریسرچ اور تحقیق کا نام دے کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔

کتاب "العواصم من القواصم" ۱۳۴۷ھ میں جزائر کے شہر قسطنطنیہ میں دو جلدوں میں چھپی تھی، جس میں نسخ وطباعت کی بہت سی غلطیاں تھیں اور اوراق ادھر اُدھر تھے، جس سے مضامین خلط ملط ہوگئے تھے، شیخ محب الدین الخطیب نے ۱۳۷۱ھ میں مصر میں اس کا صرف دوسرا حصہ جو صفحہ ۹۸ سے صفحہ ۱۹۴ تک ہے چھاپا، اور اس پر حواشی لکھے، اور اپنی کوشش بھر ان کی غلطیاں درست کیں اور سیاق وسباق کو دیکھ کر اوراق درست کئے، (مقدمہ صفحہ ۸، ۹)

ہمارے پاس جو نسخہ ہے وہ العواصم کا ایک حصہ ہے، جس میں پہلے نسخی و مطبعی غلطیاں اور بے ترتیبی موجود تھی، اور محشی و ناشر نے اپنی وسعت بھر ان کو درست کیا، اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ اغلاط رہ گئی ہوں، اور مضامین و ترتیب میں فرق باقی ہو۔

پھر امام قاضی ابو بکر بن عربی مالکی اندلسی نے اپنی جلالت شان اور علمی و دینی امامت کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب غلبہ حال کے اس دور میں لکھی ہے۔ جبکہ اندلس سے لے کر مصر و بغداد تک رفض و تشیع میں بحران پیدا تھا، خاص طور سے بغداد شیعہ سنی اکھاڑہ بنا ہوا تھا، اسی زمانہ میں قاضی ابو بکر بن عربی نے مشرقی ممالک کا سفر کیا افریقہ سے لے کر بغداد و دمشق تک کے حالات دیکھے، نیز اندلس میں مخالفانہ ہنگاموں میں زندگی بسر کی اور علمی و دینی زندگی کے ساتھ ساتھ سرکاری اور سیاسی ہنگاموں میں رہ کر سرد و گرم حالات کا مقابلہ کیا اسی لئے وہ اس تصنیف میں بعض ایسی باتیں بیان کر گئے ہیں جو ان کے تفردات کی حیثیت رکھتی ہیں، نیز بہت ممکن ہے کہ ان کی اس کتاب میں بعد میں یاروں نے حک و اضافہ سے کام کیا ہو، جیسا کہ

الجزائر والے قدیم مطبوعہ نسخہ کی مطبعی غلطیاں اور اوراق کے خلط ملط ہونے سے اس کا گمان ہوتا ہے۔ اس کتاب میں حضرت حسینؓ کو رسول کی شریعت کی رو سے واجب القتل ہی نہیں لکھا ہے بلکہ اور بھی ایسی باتیں ہیں جو امام قاضی ابو بکر بن العربی کی جلالت شان سے بعید معلوم ہوتی ہیں، اور اگر وہ باتیں ان ہی کی ہیں تو غلبہ حال کی وجہ سے ان کے تفردات میں ان کا شمار ہوگا۔

ہم اس کتاب سے چند نمونے پیش کر سکتے ہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ یہ خیالات قاضی ابو بکر بن عربی کے ہیں یا نہیں محشی نے تو اپنے حواشی میں جگہ جگہ غلطیاں درست کی ہیں، اور مناسب انداز میں ان کی بعض تصریحات کے خلاف باتیں بیان کر دی ہیں۔

امام قاضی ابو بکر بن عربی مالکی غلبہ حال کی وجہ سے العواصم میں جگہ جگہ مورخوں کو مورد طعن قرار دیتے ہوئے ثقہ اور مستند علمائے تاریخ ورجال کو بھی برے القاب دیتے گئے ہیں، اور محشی کو ان کا جواب دینا پڑا ہے، چنانچہ صفحہ ۶۰ پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے سلسلے میں لکھتے ہیں،

وکل ما سمعت من خبر باطل ایاک ان تلفت الیه.

خبردار تم ہر باطل کو سن کر اس کی طرف توجہ نہ کرنا۔

اس پر محشی اسلامی تاریخ کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے لکھتے ہیں، تاریخ میں ہر گروہ کی خبروں کا معیار اس کے ماخذوں پر وثوق ہے، اور جن لوگوں کی طرف وہ خبریں منسوب ہیں ان کے حالات کو دیکھنا ہے، اسلامی تاریخ کی خبریں ان لوگوں سے نقل کی گئی ہیں جو واقعات میں حاضر تھے، انھوں نے بعد والوں کے لئے عینی مشاہدات نقل کئے، ان میں کچھ اصحاب اغراض نے دوسروں کی زبانی خبروں میں

جھوٹ ملا کر کتابوں میں رائج کر دیا، یہ کام انھوں نے بعض اہل دنیا سے تقریب کے لئے کیا، یا کسی ایسے تعصب کی وجہ سے کیا جسے وہ دین سمجھتے تھے، اس کے باوجود اسلامی تاریخ کی خصوصیت یہ ہے کہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے روایتوں اور راویوں کے بارے میں نقد کیا، اور کاذبین سے صادقین کو الگ کیا، اور علم تنقید ایک نہایت ہی محترم و معیاری علم بن گیا، جس کے قوانین و قواعد ہیں، اور اس علم میں کتابیں لکھی گئیں، راویوں کے حالات و تراجم میں بڑی بڑی معاجم و معابد کی تالیف ہوئی، جن میں ہر راوی ہی کے صدق تثبت اور امانت کو بیان کیا گیا ہے، نیز اگر کسی راوی میں ایسی جماعتی یا مذہبی عصبیت تھی، جس کی وجہ سے وہ باطل کی طرف جھک گیا تو علمائے نقد و جرح نے اسے بھی اس کے تذکرہ میں بیان کر دیا، تاکہ ایسے لوگوں کی تاریخ پڑھنے والا اس تاریخ کے قوی و ضعیف ہونے کے طریقوں سے واقف ہو اور جو لوگ ان باتوں میں کمال نہیں حاصل کرتے، خاص طور سے راویوں کے نقد اور ان کی عدالت و جرح کے بارے میں علماء کی تحقیقات سے غافل رہتے ہیں، وہ اسلامی تاریخ اور کتابوں کی تصنیف پر اترتے ہیں تو ایسی غلطی میں پڑ جاتے ہیں کہ اس میں نہ پڑنا ان کے امکان میں ہوتا، بشرطیکہ وہ تاریخ پر قلم اٹھانے سے پہلے ان کو مکمل کر لیتے، (حاشیہ صفحہ ۶۰، ۶۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محشی نے یہ حاشیہ مؤلف کتاب خلافت معاویہ و یزید کے لئے لکھا ہے، اگر وہ اس مشورہ پر عمل کرتے تو اپنی کتاب میں کام کی باتیں جمع کرتے،

"قاصمۃ التحکیم" کے واقعات بیان کرنے کے بعد قاصمہ کے ماتحت لکھتے ہیں۔

وانما هو شئ اخبر عنه المبتدعة ووضعته التاريخية للملوك فتوارثه اہل المجانة والجهارة بمعاصی اللّٰہ والبدع (صف۷۷)

یہ وہ چیز ہے جس کی خبر بدعتیوں نے دی ہے، اور جسے بادشاہوں کے لئے تاریخی گروہ نے وضع کیا ہے، اور اسے بے حیا اور کھلم کھلا معاصی و بدعات کرنے والے لوگ وراثت میں پاتے رہے،

محشی نے اس مقام پر ایک طول وطویل حاشیہ لکھا ہے، جس میں اسلامی تواریخ کے بارے میں نہایت قیمتی بات درج کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے،

اسلامی تاریخ کی تدوین کی ابتدا بنی امیہ کے زوال پر ایسی حکومتوں کے قیام کے بعد ہوئی، جن کے حکمران اپنے مقابلہ میں ماضی کے مفاخر اور اس دور کے لوگوں کے محاسن بیان کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے، اس حال میں تین گروہ نے اسلامی تاریخ کی تدوین کا کام کیا، (۱) وہ گروہ جو بنی امیہ کے دشمنوں سے قربت حاصل کر کے عیش و تنعم چاہتا تھا (۲) وہ گروہ جس کا خیال تھا کہ دیانتداری اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ابو بکرؓ عمرؓ، عثمانؓ اور بنی عبد شمس کے حالات کا بھی تذکرہ نہ کیا جائے، (۳) دینداروں اور انصاف پسندوں کا گروہ جیسے طبری، ابن عساکر، ابن اثیر، اور ابن کثیر رحمہم اللہ، اس گروہ نے دیکھا کہ انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر طبقہ اور ہر مذہب کے راویوں اور ناقلوں کی روایات کو ان کے حوالہ اور سند سے جمع کر دیا جائے، جیسے ابو مخنف لوط بن یحییٰ کٹر شیعی، اور سیف بن عمر معتدل عراقی، اس گروہ کے اکثر مورخوں نے جن روایتوں کو بیان کیا ان کے راویوں کے نام بھی درج کر دیئے تاکہ محقق و ناقد ہر راوی کے حالات معلوم کر کے بصیرت حاصل کر سکے، ان کا یہ ترکہ ہمارے پاس اس صورت میں پہونچا ہے کہ وہ ہماری تاریخ نہیں ہے، بلکہ وہ ایسے مواد

و معلومات پر مشتمل ہے جن سے بحث و تحقیق کے بعد ہماری تاریخ نکالی جا سکتی ہے، اور بیدار مغز اور روشن ضمیر محقق ان کو پرکھ کر حقیقت معلوم کر سکتا ہے جبکہ وہ اس سلسلہ میں کتب احادیث اور ائمہ دین کے افکار کو سامنے رکھے گا، اس وقت ہمارے لئے نہایت ضروری ہے کہ ہم اس فریضہ کے لئے آمادہ ہوں اور جو سستی اب تک کی ہے اس کا بدل پیش کریں۔

واول من استیقظ فی عصرنا للدسائس المدسوسة علی تاریخ بنی امیة العلامة الهندی الکبیر الشیخ شبلی نعمانی فی انتقاده لکتب جرجی زید ان، ثم اخذ اهل الامعیة من المصنفین فی دراسة الحقائق فبدأت تظهر لهم وللناس منیرة شرقةالخ (حاشیه صف۱۷۷، ۱۷۸)

اور جس شخصیت نے ہمارے زمانہ میں سب سے پہلے بنو امیہ کے خلاف ان دسیسہ کاریوں سے چونکا یا وہ علامہ کبیر شیخ شبلی نعمانی ہندی ہیں، جنھوں نے جرجی زیدان مسیحی کی کتابوں پر تنقید کر کے یہ حقیقت ظاہر کی، اس کے بعد بیدار مغز مصنفوں نے دوسرے حقائق کو پڑھنا شروع کیا تو ان کے اور دوسرے لوگوں کے سامنے اہم حقائق روشن ہو کر آئے۔

اسی طرح محشی نے العواصم صف ۲۴۸ پر لکھا ہے کہ طبری نے اپنی روایات کے مآخذ کا ذکر کیا ہے، اور راویوں کے نام درج کئے ہیں، تا کہ ان کے بارے میں کسی قسم کا خفا نہ رہے، چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

فما یکون فی کتابی هذا من خبر یستنکره قارئه من اجل انه لم یعرف له وجها فی الصحة فلیعلم انه لم یؤت فی ذلک من قبلنا

وانما اتی من قبل بعض ناقلیه الینا (حاشیه صف ۲۴۸)

پس میری کتاب میں جو خبر ایسی ہو کہ پڑھنے والا اس کی معقول وجہ نہ سمجھ کر اس کا انکار کرے تو جاننا چاہئے کہ اس میں یہ بات ہماری طرف سے نہیں پیدا ہوئی ہے بلکہ ان بعض لوگوں کی طرف سے ہے جو اس خبر کو ہمارے سامنے نقل کرنے والے ہیں۔

قاضی ابو بکر نے صف ۲۴۵ پر ایک بحث کے آخر میں لکھا ہے۔

فمع من تحبون ان تکونوا مع سمرة بن جندب او مع المسعودی والمبرد وابن قتیبة و نظرائهم؟

تم بتاؤ کہ کس کے ساتھ رہو گے؟ حضرت سمرہ بن جندب کے ساتھ، یا مسعودی؟ مبرد اور ابن قتیبہ جیسے لوگوں کے ساتھ؟

اس پر محشی نے قاضی ابو بکر کا تعاقب کرتے ہوئے یہ حاشیہ لکھا ہے۔

حکم القاضی ابوبکر علی ابن قتیبة هذا الحکم القاصی وهو یظن، ان کتاب الامامة والسیاسةٌمن تالیفه کما سیأتی وکتاب الامامة والسیاسة فیه امور وقعت بعد موت ابن قتیبة، فدل علی انه مدسوس علیه من خبیث صاحب هوی، ولو عرف المؤلف هذه الحقیقة لوضع الجاحظ موضع ابن قتیبة

قاضی ابو بکر نے ابن قتیبہ پر اتنا سخت حکم لگا دیا ، ان کا گمان ہے کہ کتاب "الامامة والسیاسة" ان کی کتاب ہے، حالانکہ اس کتاب میں ایسی ایسی باتیں درج ہیں جو ابن قتیبہ کے مرنے کے بعد واقع ہوئی ہیں، اس سے معلوم ہوا ہے کہ یہ باتیں کسی خبیث بدعتی کی طرف سے ملادی گئی ہیں اگر مؤلف قاضی ابو بکر بن عربی اس حقیقت

کو جانتے تو ابن قتیبہ کے بجائے جاحظ پر یہ حکم لگاتے،

آخری قاصمہ کو صاحب العواصم نے اپنی کتاب کے خلاصہ کے طور پر لکھا ہے، اور اس میں پھر مورخوں پر اپنا غضب شدید لہجہ میں ظاہر کیا ہے اور صفحہ ۲۴۷ سے صفحہ ۲۴۹ تک ان کو خوب سنایا ہے، لکھتے ہیں۔

میں نے تمہارے سامنے یہ باتیں اس لئے بیان کی ہیں کہ تم خلق سے بچو خاص طور سے مفسروں، مورخوں، اور ادیبوں سے، کیونکہ وہ دین کی حرمتوں سے جاہل ہیں یا بدعت پر مصر ہیں، تم ان کی روایت کی پرواہ مت کرو، اور نہ ائمہ حدیث کے علاوہ کی روایت قبول کرو،

ولاتسمعوالمورخ کلاما الا للطبری وغیر ذلک ہو الموت الاحمر والداء الا کبر

طبری کے علاوہ کسی مورخ کی بات مت سنو طبری کے علاوہ سرخ موت اور مہلک بیماری ہے،

کیونکہ یہ لوگ ایسی ایسی باتیں پیدا کرتے ہیں جن میں صحابہ اور سلف کی توہین ہوتی ہے، اور ان کی طرف اقوال و افعال کا اختراع ہوتا ہے، اور دین سے نکل کر دنیا اور حق سے ہٹ کر خواہش کی طرف جانے کا بیان ہوتا ہے، اس لئے جب تم اہل باطل کا مقاطعہ کر کے صرف عادل و ثقہ لوگوں کی روایت لوگے، تو ان کی چالوں سے محفوظ رہو گے۔

ومن اشد شیئ علی الناس جاہل عاقل ، اومبتدع محتال فاما الجاہل فہو ابن قتیبہ فلم یبق ولم یذر للصحابۃ رسما فی کتاب الامامۃ والسیاسۃ ان صح عنہ جمیع مافیہ (صف۲۴۸)

عوام کے لئے سب سے بڑی مصیبت جاہل عقلمند یا بدعتی حیلہ باز ہے، جاہل تو ابن قتیبہ ہے جس نے الامامۃ والسیاسۃ میں صحابہ کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اگر اس کتاب کی تمام باتیں اسی کی ہیں،

محشی نے قاضی ابو بکر کے اس بیان پر لکھا ہے۔

لم يصح عنه شيئ مما فيه، ولو صحت نسبة هذا الكتاب للامام الحجة الثبت ابی محمد عبد الله بن مسلم بن قتيبة لكان كماقال عنه ابن العربی الخ

اس کتاب کی کوئی بات بھی ابن قتیبہ کی نہیں ہے، اگر اس کتاب کی نسبت امام حجت، ثبت ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کی طرف صحیح ہوتی تو ان کے بارے میں ابن عربی کا یہ کہنا صحیح ہوتا۔

آگے چل کر ابن عربی نے مبرد کو دوسرے جاہل عاقل کی حیثیت سے مثال میں پیش کیا ہے، پھر امام مسعودی کی خبر یوں لی ہے۔

واما المبتدع المحتال فالمسعودی فانه یاتی منه متاخمة الالحاد فيما روى من ذلک ، واما البدعة فلا شک فيه الخ

اور حیلہ باز بدعتی مسعودی ہے، اس لیے کہ وہ اس قسم کی روایات میں سے ایسی ایسی باتیں بیان کرتا ہے جن کی حد الحاد سے ملی ہوئی ہے، اس کے بدعتی ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے۔

اس موقع پر محشی نے علامہ مسعودی کی شیعیت پر مامقانی کی کتاب تنقیح المقال، ج ۲ صفحہ ۲۸۲ اور ۲۸۳ سے استدلال کیا ہے اور بتایا ہے کہ مامقانی نے ان کو شیعوں کے کبار وشیوخ میں شمار کیا ہے، اور وصایا و عصمت امام کے بارے میں ان

کی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ ایک شیعہ مصنف کے علاوہ کسی اور شیعہ نے مسعودی کو اپنا پیشوا مانا ہے؟ یا اہل سنت کی کتابوں میں کہیں ان کے شیعہ ہونے کا ذکر آیا ہے، مسعودی کو اس طرح ایک آدھ گرے پڑے قول کی بنا پر شیعہ ماننا سخت غلط کام ہے،

ان تصریحات کو ناظرین کرام سامنے رکھ کر فیصلہ کریں کہ امام قاضی ابو بکر بن العربی پر کس قدر غلبہ حال طاری تھا، اور وہ ابن قتیبہ جیسے شیخ کبیر اور محدث و مفسر کو جاہل عاقل قرار دے رہے ہیں، اور اس کی وجہ صرف الامامۃ والسیاسۃ کو قرار دیتے ہیں، اور اتنی زحمت گوارا نہیں فرماتے کہ اسے دیکھ لیں تو حقیقت سامنے آئے، کہ وہ کتاب ابن قتیبہ کی نہیں ہے، یا ہے تو اس میں بہت سی دسیسہ کاریاں ہیں، مسعودی کو بلاوجہ "مبتدع محتال" کے لقب سے نوازا اور صرف امام طبری کو مستند و ثقہ تسلیم کیا، پھر بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ مؤلف کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی تحقیق انیق ان سے بالکل مختلف ہے، کہ موصوف نے امام طبری کو وہ سب کچھ کہا جو کسی معاند اسلام کے بارے میں کہا جا سکتا ہے، اور مسعودی کی ثقاہت کو برملا ظاہر کیا، جبکہ ایک جگہ دبے الفاظ میں ان پر بھی وار کیا، ناظرین امام قاضی ابو بکر بن العربی کی ان تصریحات اور ان پر محشی کے ان حواشی کو بغور پڑھیں تو اسلامی تاریخ کے بارے میں ان کا ذہن مطمئن ہو جائے، ہم نے اس بحث کو اسی لئے طول دیا ہے۔

حضرت حسن کی صلح کے بعد حضرت معاویہ کو خلیفہ ثابت کرتے ہوئے قاضی ابو بکر بن عربی مالکی لکھتے ہیں۔

فمعاوية خليفة وليس بملك فان قيل فقد روى عن سفينة ان النبیؐ قال الخلافة ثلاثون سنة ثم تعود ملكا فاذا عددنا من ولاية

ابی بکر الی تسلیم الحسن، کانت ثلاثین سنة لا تزید ولا تنقص یوما قلنا. خذما تراه و دع شیئا سمعت به فی طلعة البدر ما یغنیک عن زحل (صف ۲۰۰)

معاویہؓ خلیفہ ہیں، ملک نہیں ہیں، اگر اس کے مقابلہ میں سفینہ کی وہ حدیث پیش کی جائے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خلافت صرف تیس سال تک رہے گی، پھر ملوکیت ہوجائے گی، اور جب شمار کیا گیا تو حضرت ابو بکر کی خلافت سے لے کر حضرت حسن کی صلح تک کل تیس سال ہوتے ہیں تو ہم اس کے جواب میں یہ شعر سنائیں گے تم جو سامنے دیکھتے ہو اسے لو اور سنے ہوئے کو چھوڑ دو جب چودھویں رات کا چاند نکل آتا ہے۔ تو زحل ستارے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

هذا حدیث لایصح ولوصح فهو معارض لهذا الصلح المتفق علیه فوجب الرجوع الیه (صف ۲۰۲) (صف ۳۶)

یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور اگر صحیح ہو تو وہ حضرت حسن کی متفق علیہ صلح کے معارض ہے اس لئے صلح کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

قاضی ابو بکر بن العربی کی جلالت شان ہمارے سر آنکھوں پر مگر اس حدیث کو غیر صحیح بنانے اور اسے صلح حسنؓ سے مطابق ثابت کرنے میں انھوں نے جس غلبہ حال کا اظہار فرمایا ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے، محشی نے بھی اس مقام پر قاضی ابو بکر ابن العربی کا ساتھ نہیں دیا، مگر جب اسی حدیث سفینہ کو امام ابن تیمیہؒ نے صحیح تسلیم کرتے ہوئے منہاج السنة میں جگہ جگہ ذکر کیا تو اس کے خلاصہ المنتقی کے حاشیہ میں اسی محشی نے اس کے رجال پر کلام کیا، مگر پھر بھی ان کو اس حدیث کے موضوع کہنے کی جرأت نہیں ہوئی ہے مگر مؤلف خلافت معاویہ اور یزید نے اسی حاشیہ کو لیکر اپنی کتاب

میں اس کے رجال پر ناکام جرح کی اور اس حدیث کو موضوع اور وضعی کہنے کی جرأت دکھائی۔

آگے چل کر قاضی ابو بکر نے حضرت معاویہ کی خلافت کے سلسلے میں لکھا ہے

وشهد له بخلافته فی حدیث ام حرام ان ناسا من امتی یرکبون ثبج البحر الاخضر ملوکا علی الاسرة او مثل الملوک علی الاسرة فکان ذالک فی ولایته ویحتمل ان تکون مراتب فی الولایة خلافة ثم ملک، تکون ولایة الخلافة للاربع وتکون ولایة الملک ابتداء معاویة وقد قال الله فی داؤد وهو خیر من معاویة واتاه الله الملک والحکمة فجعل النبوة ملکا.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی خلافت کی گواہی ام حرام کی اس حدیث میں دی ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ بحر اخضر کی جنگ کریں گے، وہ ایسے ہو گا جیسے بادشاہ تخت پر یا فرمایا کہ بادشاہوں کی طرح تخت پر ہوں گے، اور بحری غزوہ حضرت معاویہ کی ولایت میں ہوا، اور ہوسکتا ہے کہ ولایت میں کئی درجے ہوں، خلافت پھر ملک، اس طرح خلافت کی ولایت خلفائے اربعہ کے لئے ہو گی، اور ملک کی ولایت معاویہ کی ابتدا سے ہو گی، اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے جو معاویہؓ سے بہتر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک اور حکمت دی، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے نبوّت کو ملک بتایا،

حدیث غزوہ البحر سے حضرت معاویہ کی خلافت پر اس طرح استدلال کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی گواہی دی ہے، عجیب استدلال ہے، جس کے لئے قاضی ابو بکر بن عربی نے کیا کیا باتیں کیں، ولایت کے مراتب قائم کئے، اور حضرت داؤد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قول سے استدلال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبوّت کو ملک بتایا

ہے، معلوم نہیں کہ ملک سے مراد اگر نبوت ہے تو حکمت سے کیا مراد ہو گی؟ اور پھر یہاں پر ملک لفظ عام ہے، اور خلافت ایک معنی خاص میں استعمال ہوتا ہے، اور اصطلاحی لفظ ہے،

حضرت امام قاضی ابو بکر بن العربی رحمہ اللہ علیہ کی کتاب "احکام القرآن" پڑھنے کے بعد کسی طرح یقین نہیں ہوتا کہ یہ ان کی باتیں ہیں، ہمارا تو خیال ہے کہ یہ باتیں کسی نے بعد میں داخل کردی ہیں۔

قاضی ابو بکر ابن عربی کے یہاں جمہور کے خلاف ایک یا دو آدمی کے بیعت کرنے سے خلافت کا انعقاد ہو جاتا ہے، اور سِن بھی ان کے نزدیک شرط نہیں ہے، اس لئے خلیفہ کا بلوغ بھی ضروری نہیں ہے، دیکھئے جمہور سے ہٹ کر انھوں نے کس طرح کھینچ تان کر خلیفہ کی ولی عہدی کی بیعت سے حضرت معاویہ کی حیات ہی میں اسے خلیفہ مان لیا ہے، اور اس وقت بیک وقت دو خلفاء کے لزوم کو انگیز کیا ہے، لکھتے ہیں،

الا انا نقول ان معاوية ترک الافضل فی ان یجعلها شوری، وان لایخص بها احدا من قرابتهفکیف ولدا، وان یقتدی بما اشار به عبدالله بن الزبیر فی الترک او الفعل فعدل الی ولایة ابنه وعقدله البیعة وبایعه الناس و تخلف عنها من تخلف فانعقدت البیعة شرعا لانها تنعقد لواحد وقیل باثنین فان قیل لمن فیه شروط الامامة قلنا لیس السن من شروطها، ولم یثبت انه یقصر بیزید عنها (العواصم من القواصم صف ۲۲۳)

ہم کہتے ہیں کہ معاویہ نے خلافت کو شوریٰ میں پیش کرنے کو چھوڑ کر افضل کو

ترک کیا، ان کو اپنے کسی آدمی کو اپنے رشتہ داروں سے خلافت کے لئے مخصوص نہیں کرنا چاہیئے تھا، چہ جائیکہ انھوں نے لڑکے کو یہ امر سونپ دیا، ان کو چاہیئے تھا کہ ترک یا فعل میں عبداللہ بن زبیرؓ کے مشورہ پر عمل کرتے، مگر اس سے ہٹ کر اپنے لڑکے کی ولایت کا کام کیا، اور اس کے لئے بیعت منعقد کی، اور لوگوں نے اس کی بیعت کی، اور جو کچھ لوگ اس سے رک گئے، پس شرعاً یزید کی بیعت منعقد ہو گئی، کیونکہ بیعت ایک آدمی کے کر لینے سے منعقد ہو جاتی ہے اور ایک قول کی بنا پر دو آدمیوں کے کرنے سے اگر اعتراض کیا جائے کہ امامت کی شرطیں کیا ہیں تو ہم کہیں گے کہ سن اور عمر امامت میں شرط نہیں ہے، پھر یہ ثابت نہیں ہے کہ یزید ولی عہدی کی بیعت کے وقت کم عمر کا تھا۔

اس تصریح کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے، بات بالکل صاف ہے۔

فان قیل ولولم یکن لیزید الا قتله لحسنین بن علی قلنا یا اسفا علی المصائب مرة ویااسفا · علی مصیبة الحسین الف مروانبوله یجری علی صدر النبیؐ ودمه یراق علی البوغاء ولا یحقن یاللّٰه ویاللمسلمین (صف۲۲۸)

اگر کہا جائے کہ اگر یزید کا کوئی گناہ اس کے علاوہ نہ ہوتا کہ اس نے حسین بن علی کو قتل کیا ہے تب بھی بہت بڑا گناہ ہے تو ہم کہیں گے مصائب پر ایک مرتبہ افسوس اور حسین کی مصیبت پر ایک ہزار مرتبہ افسوس حسین کا پیشاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے پر بہتا تھا، پھر ان کا خون نرم زمین پر گرادیا جائے اور بچایا نہ جائے، ہائے اللہ ہائے مسلمان!

اس کے بعد یزید کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے حضرت حسینؓ کو خاطی و مقتول بشریعۃ جدہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وما خرج اليه احد الا بتاويل ولا قاتلوه الا بما سمعوا من جده المهيمن على الرسل، المخبر بفساد الحال، المحذر من الدخول فى الفتن واقواله فى ذلک كثيرة فمنها قولهٗ بانه ستكون هنات وهنات فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهى جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان فما خرج الناس الا بهذا وامثاله الخ (صفہ۲۳۲)

اور کوئی آدمی حسین کے قتل کے لئے نہیں نکلا مگر تاویل کے ساتھ اور لوگوں نے ان سے جنگ نہیں کی مگر اس دلیل کی وجہ سے جسے انھوں نے ان کے نانا سے سنا، اور ان کے اقوال فساد سے بچنے کے بارے میں بہت زیادہ ہیں، منجملہ ان کے آپ کا یہ قول ہے کہ عنقریب طرح طرح کی ناگواریاں ہوں گی، ایسی حالت میں جو شخص اس امت کے معاملہ میں تفریق پیدا کرنے کا ارادہ کرے جبکہ امت متحد ہو تو اسے تم لوگ تلوار سے مار ڈالو، جو بھی ہو اور حسین کے خلاف لوگ اسی حدیث اور اسی کے مثل احادیث کی وجہ سے نکلے۔

پہلے تو امام قاضی ابو بکر بن العربی نے حسین کا نہایت شاندار ماتم کیا اور ان کے مناقب بیان کئے، پھر بتایا کہ وہ اپنے نانا رسول اللہ ﷺ کے اقوال و ہدایات کے عین مطابق قتل کئے گئے، اور انھوں نے اس امت میں افتراق پیدا کیا تو ان کو اس کی سزا ملی،

یہی وہ نقطہ ہے، جہاں قاضی ابوبکر بن عربی اور مؤلف "خلافت معاویہ و یزید" آکر ملتے ہیں، اور اسی بنا پر مؤلف خلافت معاویہ و یزید نے خود قاضی ابوبکر بن عربی کی اور ان کی کتاب کی بے حد تعریف کی، گذشتہ بیان میں اس قول کا رد علامہ ابن خلدون کی طرف سے گذر چکا ہے، نیز قاضی ابوبکر بن عربی کے اس خیال کی کسی ثقہ اور مستند اسلامی مورخ اور امام و محدث اور عالم و فقیہ نے تائید نہیں کی، بلکہ سب نے اپنی تصریحات سے اس کا رد ہی کیا،

مسلمانوں کے دو علمی اور ثقافتی ادارونکی رائے

اس ملک میں مسلمانوں کے دو نہایت ثقہ اور معتمد ثقافتی اور علمی و تاریخی مرکز ہیں، ایک دارالمصنفین اعظم گڑھ، اور دوسرا ندوۃ المصنفین دہلی، ان دونوں اداروں نے کتاب خلافت معاویہ و یزید کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے وہ مسلمانوں کے دینی و علمی اور ثقافتی ترجمان کی حیثیت رکھتی ہے،

معارف، دارالمصنفین اعظم گڑھ

دارالمصنفین وہی ادارہ ہے جسے علامہ شبلی نعمانیؒ نے قائم فرمایا، جن کی کتاب نے موجودہ عرب علماء کو بیدار کیا ہے، اور اب وہ اپنی تحقیقات سے بنو امیہ کے خلاف دسیسہ کاریوں کا پردہ چاک کر رہے ہیں، اس کے ترجمان مجلہ معارف کے مدیر محترم مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب نے دسمبر ۱۹۵۹ء کے شیوع میں خلافت معاویہ و یزید پر حسب ذیل رائے ظاہر فرمائی ہے۔

محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب " خلافت معاویہ و یزید " کئی مہینے ہوئے

ہمارے پاس آئی تھی، مگر معارف میں ریویو کے لئے اس کثرت سے کتابیں آتی ہیں کہ مہینوں کے بعد اس کی نوبت آتی ہے، اس لئے اب تک یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری تھی، مگر اس نے ایک فتنہ کی شکل اختیار کر لی ہے، اور ہمارے پاس اس کے بارے میں استفسار کے مسلسل خطوط آرہے ہیں، اس لئے اس کے متعلق اظہار رائے ضروری ہو گیا، اس کتاب میں مصنف نے منہاج السنتہ کی تلخیص المنتقی پر محب الدین الخطیب کے حواشی سے زیادہ استفادہ کیا ہے، مگر اس میں ان کے قلم کے بھی اضافے ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ اس کی بعض تاریخی بحثیں بڑی قابل قدر ہیں، لیکن اس میں حق کے ساتھ باطل بھی اس طرح ملا ہوا ہے کہ اس کو جدا کرنا مشکل ہے، اور مجموعی حیثیت سے مصنف کی اسپرٹ اور کتاب کا مقصد بہت غلط ہے۔

یہاں تک تو بلاشبہ صحیح ہے کہ مورخین نے بنی امیّہ کے ساتھ بڑی بے انصافی کی ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان ہی کے زمانہ سے بنی امیّہ کے خلاف ایک جماعت پیدا ہو گئی تھی، اس کے بعد حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی صف آرائی، پھر یزید کی ولی عہدی، اور سب سے آخر میں واقعہ کربلا نے جن کو عام مسلمان بھی ناپسند کرتے تھے، اور واقعہ شہادت سے خاص طور سے متاثر تھے، بنی امیّہ کے مخالفین کو ان کے خلاف پروپگینڈے کا پورا موقع دے دیا، اور انھوں نے ان کی واقعی غلطیوں کی آڑ لے کر ان کے متعلق بہت سے مبالغہ آمیز واقعات بلکہ جھوٹے افسانے ان کی جانب منسوب کر دیئے، اس میں ان قوموں نے زیادہ حصہ لیا جن کو مسلمانوں نے محکوم بنایا تھا، ان واقعات سے فائدہ اٹھا کر بنی عباس نے اپنی حکومت قائم کر لی، یہ بھی بنی امیّہ کے سخت دشمن تھے، اس لئے ان کے زمانہ میں بھی بنی امیہ کی مخالفت برابر جاری رہی، اور عباسی حکومت سندھ سے لے کر شمالی افریقہ تک تھی،

اس لئے بنی امیہ کے متعلق جو افسانے بھی مشہور ہوگئے وہ پوری دنیائے اسلام میں پھیل گئے،

اس زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا، اس لئے وہ تمام افسانے جو پولیٹیکل مقصد سے تراشے گئے تھے، تاریخوں میں داخل ہوگئے، بنی امیہ کی بعض بدعتوں اور صریح غلطیوں سے انکار نہیں، لیکن اسی کے ساتھ تاریخ اسلام میں ان کے شاندار کارنامے بھی ہیں، چنانچہ تاریخوں میں ان کی مخالف روایات کے پہلو بہ پہلو ان کے کارنامے بھی نظر آتے ہیں، جو پروپگینڈے کے حجاب میں عام نظروں سے چھپ کر رہ گئے تھے، مگر جب تحقیق و تنقید کا دور آیا تو بہت سے لغو افسانے مسترد قرار پائے، اور بنی امیہ کی تصویر کا دوسرا رخ بھی نظر آنے لگا۔

اس پہلو سے اس دور کی تاریخ کا جائزہ لینا کوئی قابل اعتراض فعل نہیں ہے، بلکہ ایک علمی خدمت ہے، اور مختلف زمانوں میں علماء و محققین اس کام کو انجام دیتے رہے ہیں، خود راقم نے سیر الصحابہ اور تاریخ اسلام میں بنی امیہ خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ اور واقعہ کربلا کے متعلق تمام غیر معتبر روایات کی پوری تردید کی ہے، اور بنی امیہ کی غلطیوں کے ساتھ ان کے کارنامے بھی دکھائے ہیں، مگر اس طرح کہ اس سے حضرت علی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے مرتبہ اور ان کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آنے پایا ہے، اسی لئے کسی شیعہ کو بھی اس پر اعتراض کا موقع نہ مل سکا، اگر مصنف "خلافت معاویہ و یزید" بھی غیر جانبداری اور اعتدال و توازن کے ساتھ ان واقعات کا جائزہ لیتے تو کم از کم کسی اہل علم کو ان پر اعتراض کرنے کا موقع نہ ملتا، مگر وہ بنی امیہ خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ اور یزید کی مدافعت اور حمایت میں اتنا آگے بڑھ گئے کہ حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کو ملزم بنانے میں باک نہیں

کیا ہے انھوں نے واقعات پر جس طرح بحث کی ہے، اور اس سے جو نتائج نکالے ہیں اس سے حضرت علیؓ اور امام حسینؓ خطا کار اور امیر معاویہؓ اور یزید برحق نظر آتے ہیں، جو نہ صرف جذباتی حیثیت سے قابل اعتراض بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی غلط ہے،

صدیوں کے پرانے واقعات تو مختلف رنگوں کا مجموعہ ہوتے ہیں، مورخ کا موئے قلم ان سے جیسی تصویر چاہے بنا سکتا ہے، یہی تصنیفی آرٹ محمود احمد عباسی نے بھی دکھایا ہے، اور ایک مقصد کو سامنے رکھ کر اس کے مطابق واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، اور اس سے حسب منشا نتائج نکالے ہیں، اس لئے کتاب کا یہ پہلو تاریخی حیثیت سے بھی بہت کمزور ہے امروہہ شیعوں کا ایک مرکز ہے، مصنف کا وطن بھی امروہہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے زخم خوردہ ہیں، اس لئے انھوں نے بھی اسی رنگ کی کتاب لکھ دی، اور جو کتاب اس جذبہ سے لکھی جائے گی، اس میں اعتدال و توازن قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے، اسی بے اعتدالی کا شکار مصنف خلافت معاویہ و یزید بھی ہوئے ہیں،

اس کتاب کی اشاعت کا سب سے افسوس ناک نتیجہ یہ ہے کہ اس سے شیعہ سنی اختلاف کا ایک نیا فتنہ کھڑا ہو گیا ہے، مگر غنیمت یہ ہے کہ اہل سنت نے بھی اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی ہے، ممکن ہے مناظرانہ ذہنیت رکھنے والے کچھ سنی اس کے حامی نکل آئیں لیکن ان کی اکثریت اس کو ناپسند کرتی ہے۔ اور ان کے متعدد اکابر اس سے برأت ظاہر کر چکے ہیں، اس لئے ہم کو توقع ہے کہ شیعوں کا سنجیدہ طبقہ اس کو شیعہ سنی مسئلہ نہ بننے دے گا، ورنہ اگر اس کے جواب میں شیعوں نے گڑے مردے اکھاڑنا شروع کر دیئے جیسا کہ بعض شیعہ اخبارات کر رہے ہیں تو پھر یہ مسئلہ واقعی شیعہ سنی مسئلہ بن جائے گا، جس کے نتائج دونوں کے لئے مضر ہوں گے، اب یہ زمانہ ان پرانے قضیوں میں الجھنے کا نہیں ہے، بلکہ ان کو بھلا دینے کا ہے۔

برہان ندوۃ المصنفین دہلی

مسلمانان ہند کا دوسرا دینی و علمی اور تحقیقی ادارہ ندوۃ المصنفین دہلی ہے، جسے فضلائے دیوبند کے محققین کی ایک جماعت نے قائم کیا ہے، اور جو اپنی علمی و تاریخی اور تحقیقی خدمت کی وجہ سے اسلامی دنیا میں معتبر و مستند تسلیم کیا جا چکا ہے

اس ادارہ کے ترجمان مجلہ برہان میں اس کے مدیر مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے نومبر ۱۹۵۹ء کے شیوع میں خلافت معاویہ و یزید کے بارے میں یہ رائے ظاہر فرمائی ہے۔

"آج کل خلافت معاویہ و یزید نامی کتاب گھر گھر موضوع بحث و گفتگو بنی ہوئی ہے، اور ملک میں متعدد مقامات پر اس سلسلہ میں اجتماعی مظاہرے بھی ہو چکے ہیں، یہ کتاب دفتر برہان میں وصول نہیں ہوئی، اور نہ ہم نے اس کا مطالعہ کیا ہے، بس ابھی چار پانچ دن ہوئے اس کو ادھر اُدھر سے پلٹ کر صرف سرسری طور پر دیکھنے کا موقع ملا ہے اس لئے ظاہر ہے کتاب کی علمی حیثیت پر تو کوئی تبصرہ نہیں کیا جا سکتا، البتہ مسلمانوں میں جو ہیجان ہے اس کے پیش نظر چند امور کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔

(۱) اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی محبت تھی، اور آپ نے ان دونوں شہزادوں کو گود میں اٹھا کر دعا کی تھی کہ اے اللہ! تو اس سے محبت کر جو ان سے محبت کرتا ہے، اور ان سے بغض رکھ جو ان سے بغض رکھتا ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کو سب چیزوں سے زیادہ محبوب نہیں ہوں گا اور یہ مسلم ہے کہ محبوب کا محبوب خود اپنا محبوب ہوتا

ہے، اس بنا پر ان دونوں "سیدا شباب اہل الجنۃ" سے محبت کرنا عین ایمان اور اسلام کا مقتضا ہے

(۴) لیکن کربلا میں جو واقعہ پیش آیا اس کی اصل نوعیت کیا تھی؟ وہ کیونکر پیش آیا؟ اور واقعہ کے اشخاص متعلقہ میں سے ہر شخص نے اس میں کیا رول ادا کیا؟ واقعہ کے داخلی اور خارجی اسباب کیا تھے؟ یہ سب سوالات تاریخی ہیں اور ان کا جواب صرف تاریخ ہی دے سکتی ہے، ہم کسی واقعہ کو سن کر اس کے اشخاص متعلقہ کی نسبت جو رائے قائم کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ہمارے دل میں مختلف اشخاص و افراد کے متعلق جو جذبات نفرت و ہمدردی پیدا ہوتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ہم کو واقعہ کی جو صورت و نوعیت معلوم ہوئی ہے اس کا تقاضا طبعی طور پر یہی ہو سکتا تھا، اب اگر فرض کیجئے۔ کسی اور ذریعہ سے واقعہ کی کسی اور صورت کا علم ہوتا ہے تو ظاہر ہے پہلے ہم کو جو تاثر ہوا تھا وہ بدل جائے گا، اور اب ہم کو اپنی پہلی رائے پر نظر ثانی کرنی ہوگی لیکن یہ جو کچھ ہوگا تاریخ کا طبعی عمل و اثر ہوگا، اس صورت میں مقبولیت پسندی اور علمی رواداری کا تقاضا یہ ہونا چاہیئے کہ یا تو واقعہ کی دوسری شکل و صورت اور اس کی مخصوص نوعیت کی صحت کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل و براہین پیش کئے گئے ہیں، ان کی رکاکت اور کمزوری ثابت کی جائے اور یا اگر دلائل قوی ہوں تو ان کو تسلیم کر لیا جائے اور واقعہ کی اصل صورت کی نسبت جو خیال پہلے سے قائم تھا اس پر نظر ثانی کی جائے، ان دونوں راہوں کو چھوڑ کر محض اس بات پر ہنگامہ آرائی کرنا اور شور مچانا کہ ایک شخص واقعہ کی صورت وہ نہیں مانتا جس کو ہم پہلے سے مانتے چلے آئے تھے، انصاف سے بعید ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم چند اشخاص کی نسبت پہلے سے ایک رائے قائم کر لیتے ہیں اور پھر پورے واقعہ کو اسی کے قالب

میں ڈھال لیتے ہیں، حالانکہ رائے واقعہ سے پیدا ہوتی ہے واقعہ رائے سے پیدا نہیں ہوتا، اعتقاد کا سرچشمہ تاریخ ہے، تاریخ اعتقاد سے نہیں بنتی اس بنا پر ہونا یہ چاہیئے تھا کہ زیر بحث کتاب میں واقعہ کربلا کی جو نوعیت بیان کی گئی ہے علمی طور پر اس کا جائزہ لیا جاتا اور اگر وہ غلط ہے تو اس کے لئے جو دلائل و براہین پیش کئے گئے ہیں ان کی رکاکت کا پردہ چاک کیا جاتا یہ ایک خالص تاریخی بحث ہے اور اس کو اسی طرح طے ہونا چاہیئے۔

(۳) ایک صاحب نظر جانتا ہے کہ واقعہ کربلا سے متعلق جو روایات تاریخ کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں یا عام طور پر متداول ہیں ان میں افسانہ اور حقیقت کی آمیزش کس درجہ ہے، اور جرح و تنقید کے بعد ان میں صحیح و سقم کا امتیاز کرنا کتنا مشکل کام ہے، اس بنا پر اس میں شک نہیں کہ صرف یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ اس عہد کی پوری تاریخ پر ہی ریسرچ کے لئے میدان بڑا وسیع ہے، لیکن ایک مسلمان محقق جو خاص واقعہ کربلا پر داد تحقیق دینا چاہتا ہے اس کو سب سے پہلے اپنے ضمیر کے گریبان میں منہ ڈال کر یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ کسی کی ضد یا پرخاش کے باعث اس کی کاوش کے پس منظر میں یزید کا جذبہ حمایت و طرفداری تو نہیں ہے، اگر واقعی ایسا ہے تو پھر اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ دانستہ یا نادانستہ سیدنا امام حسینؓ کی شان میں ایک لفظ بھی گستاخی یا بے ادبی کا نکل گیا تو اس کے لئے آخرت کی رسوائی کا سبب ہو سکتا ہے، ریسرچ بڑی اچھی چیز ہے لیکن آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے صاف ممانعت کر دی ہے کہ میرے والدین کے متعلق گفتگو نہ کرو۔

(۴) جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہم نے کتاب بہت رواداری میں سرسری طور پر دیکھی ہے، تاہم ہمارا تاثر یہ ہے کہ مصنف کا انداز فکر اور انداز تحریر دونوں

جار حانہ ہیں، بنو امیہ کے دور حکومت کو اسلام کا سب سے زیادہ روشن اور تابناک عہد کہنا، حضرت امیر معاویہ اور یزید کی حکومت کو جمہور امت کے مسلک کے خلاف خلافت کہنا، یزید کے ورع و تقویٰ کا دعوی کرنا حدیث الملک عضوض پر کلام کرنا یہ سب چیزیں اس بات کی غمازی کر رہی ہیں کہ مصنف کسی خاص دائمی تحریک کے زیر اثر پہلے سے ایک خاص خیال قائم کر چکا ہے اور پھر اس کی تائید کے لئے مواد تلاش کر رہا ہے یعنی اس نے تحقیق کے میدان میں قدم بالکل غیر جانبدار ہو کر نہیں رکھا ہے چنانچہ اس کتاب کے بین السطور میں مصنف کے ذہن کی جو جھلکیاں نظر آتی ہیں ان کا ہی یہ اثر ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر ایک صاحب نے عربی زبان میں یزید کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر برہان میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے جس میں یزید کو امیر المومنین سے خطاب کر کے اس کو دنیا کا سب سے بڑا مظلوم انسان کہا گیا ہے، حالانکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ امام عالی مقام کی شہادت برحق مگر یزید کے بارے میں کف لسان کیا جائے، کیونکہ اب اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے لیکن اس کی مدح کرنا تو حد درجہ دلیری اور بے باکی ہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

یہ پاکستان کا مشہور اسلامی اور علمی و تحقیقاتی ادارہ ہے، جس کے کار پرداز نئے افکار اور مغربی علوم و فنون میں بصیرت رکھتے ہیں، اور اسلامی تاریخ و ثقافت پر اپنی علمی و فکری تحقیقات پیش کرتے ہیں، اس ادارہ کا ترجمان مجلہ "ثقافت" ہے جو پروفیسر ایم، ایم شریف، شاہد حسین رزاقی، محمد حنیف ندوی، محمد جعفر پھلواروی، بشیر احمد ڈار اور رئیس احمد جعفری جیسے قدیم و جدید علوم و فنون میں دسترس رکھنے

والوں کی ادارت میں شائع ہوتا ہے، اسی ثقافت "فروری ۶۰ء میں" خلافت معاویہ و یزید پر تاثرات کے ذیل میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کی ترجمانی کرتے ہوئے اظہار خیال کیا گیا ہے، اس ٹھوس اور خالص علمی اور فکری ادارہ کی اس رائے کو بھی ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمانوں میں فرقہ آرائی، تحزب اور افتراق باہمی پہلے ہی سے کچھ کم نہیں ہے، اکابر امت اور مصلحین ملت کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان آپس میں متحد ہوں، مابہ الاختلاف چیزوں کو حتی الامکان نظر انداز کیا جائے مشترک اور متفق علیہ امور کو بنیاد و اساس قرار دے کر ملت اسلامیہ کا کاروان سبک سیر و زمین گیر پھر عروج و فروغ کی منزل مقصود تک بڑھے لیکن افسوس ہے کہ ان مساعی کے مقابلہ میں وہ کوشش زیادہ بار آور ہوتی ہیں جو افتراق و اختلاف باہمی کی خلیج کو وسیع کرنے والی ہوں، مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو متحد کرنے والی انھیں شانہ بشانہ آمادہ عمل کرنے والی اور دوش بدوش ملت اسلامیہ کو مستحکم کرنے والی کوشش تو مشکل سے کامیاب ہوتی ہیں لیکن ان میں اختلاف پیدا کرنے والی بالکل ذاتی کوششیں بھی اجتماعی فتنہ وفساد اور ہنگامہ آرائی کا سبب بن جاتی ہیں، خلافت معاویہ و یزید نامی کتاب محض ایک شخص کی نادانی و کج فہمی کا کرشمہ ہے، جس کے پس پشت کوئی تنظیم نہیں، کوئی جماعت نہیں، کوئی تحریک نہیں، اور اس کتاب کو اور اس کے فساد انگیز مندرجات کو نظر انداز کر دینا ہی قرین صواب تھا، لیکن بد قسمتی سے ایسا نہیں ہوا، اور مصنف تو گوشۂ اعتکاف میں بیٹھ گیا، لیکن فریقین

من و گرز و میدان وافر اسیاب

کا نعرہ لگاتے ہوئے میدان میں اترے

اس کتاب کا مقصد تصنیف اگر یہ تھا کہ مسلمانوں میں افتراق، ہنگامہ آرائی، فتنہ وفساد، دشنام طرازی اور"آپس میں گالیاں ہیں، غیروں میں تالیاں ہیں" کا منظر ایک مرتبہ دنیا پھر دیکھ لے تو ماننا پڑے گا کہ مصنف اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب ہو گیا، کیونکہ اس کتاب کے جواب میں جو کتابیں لکھی گئیں ہیں وہ بھی ایسے ہی شر انگیز ثابت ہوئیں اور مسلمان افتراق و انتشار پیدا کرنے والے ایک نئے فتنے کا شکار ہو گئے، افسوس ہے کہ لاعلمی کی وجہ سے بعض حلقوں میں اسے ایک تحقیقی کام سمجھا گیا، اور ایک بزرگ تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ اس کتاب کے مندرجات کا جائزہ لینے کے لئے ایک مجلس تحقیقات قائم کرنے کا مطالبہ تک کر دیا،

جو لوگ اسے تحقیق کا شاہکار قرار دے رہے ہیں، انھوں نے یہ نہ سوچا کہ جو شخص آنکھ بند کر کے ہر تاریخ کو جھوٹ کا طومار قرار دے سکتا ہے، جو ہر بڑے مصنف پر کم فہمی تعصب، اور نادانی کا الزام لگا سکتا ہے لیکن اپنے مطلب کے حوالے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اسی "جھوٹ کے طومار سے دیتا ہے، جو اپنے مقصد کے خلاف تمام مستند کتب تاریخ کو حرف غلط قرار دیتا ہے لیکن حسب ضرورت آغانی تک کے حوالے دینے سے نہیں چوکتا، اس کی تحقیقات کو کس طرح درست مانا جا سکتا ہے، انھوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ جو شخص لارنس کو محقق کا خطاب دے سکتا ہے وہ خود کس قسم کا محقق ہو گا، کون نہیں جانتا کہ لارنس ایک دریدہ دہن یاوہ گو اور شاتم رسول مستشرق ہے، اور اس کتاب کی تحقیق سے مرعوب ہونے والے اصحاب نے یہ بھی نہ سوچا کہ بعض مستشرقین نے عام طور پر اور لارنس نے خاص طور پر تحقیق کے نام سے کذب و افتراء کے جو مجموعے تیار کئے ہیں انھوں نے اپنے ملہم بالغیب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے، بلکہ خلافت معاویہ و یزید کے مصنف کی طرح تاریخ اسلام

ہی کے صفحات سے اپنی تحقیق کا قصر فلک نما تعمیر کیا ہے، یعنی جہاں چاہا غلط ترجمہ کر دیا، جہاں چاہا، سیاق و سباق کو نظر انداز کر دیا، جہاں چاہا زید کا قول خالد سے منسوب کر دیا، جہاں چاہا خالد کی ٹوپی زید کے سر پر رکھ دی عرب مورخین قاری کی قوت مدرکہ ماخذ و استنباط اور ملکہ نقد و نظر پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی تاریخوں میں صحیح اور غلط قابل اعتماد اور ناقابل یقین ہر طرح کے واقعات سلسلۂ اسناد کے ساتھ درج کر دیتے ہیں، انہی کتابوں کو سامنے رکھ کر وہ کتابیں بھی لکھی جا سکتی ہیں جو شبلی نعمانی، سلیمان ندوی اور شاہ معین الدین ندوی وغیرہ کے قلم سے نکلی ہیں، اور انہی کتابوں کو سامنے رکھ کر وہ داستان طلسم ہوش ربا بھی تیار کی جا سکتی ہے جو عباسی صاحب نے پیش کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا صحیح مسلک

(از مولانا اویس ندوی نگرامی استاد تفسیر دار العلوم ندوہ لکھنؤ)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تصنیفات میں منہاج السنۃ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، اس کتاب کی تاریخ یہ ہے کہ شیخ الاسلام کے زمانہ کے ایک شیعی عالم ابن مطہر علی نے مذہب امامیہ کی تائید و نصرت میں منہاج الکرامۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، اس کتاب میں پانچ باتوں پر بحث تھی، (۱) مسئلہ امامت، (۲) مذہب امامیہ کا واجب الاتباع ہونا (۳) امامت سیدنا علی کے دلائل، (۴) ائمہ اثنا عشر کی امامت (۵) حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان کی خلافت کا ابطال

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ کے نام سے اس کتاب کی ایک محققانہ تردید لکھی، اور ابن مطہر علی کے ہر اعتراض کا انتہائی مدلل جواب دیا ان جوابات

کے ضمن میں حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے اختلافات نیز سیدنا حسینؓ کے واقعہ کربلا کا ذکر بھی آیا ہے، جن لوگوں نے منہاج السنۃ کو بالاستیعاب نہیں پڑھا ہے، ان کو یہ غلط فہمی ہو رہی ہے کہ شیخ الاسلام نے منہاج السنۃ میں حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ اور حضرت سیدنا حسینؓ کے موقف سے اختلاف کیا ہے بعض تازہ تصنیفوں میں اپنے نظریات کی تائید میں انہیں عبارتوں سے کام لیا گیا ہے حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے،

صحیح صورت حال یہ ہے کہ شیخ الاسلام نے اس کتاب میں جا بجا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سیدنا علیؓ و سیدنا امیر معاویہؓ کے سلسلے میں ہمارا وہی خیال ہے جو محققین اہل السنۃ والجماعت کا ہے، لیکن اگر شیعہ حضرات، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ پر معترض ہوں گے تو جس دلیل سے وہ ان لوگوں پر معترض ہوں گے وہی اعتراض سیدنا علیؓ پر بھی ہو سکتا ہے،

اسی اصول کے پیش نظر انھوں نے مسائل متعلقہ میں تفصیلی گفتگو فرمائی ہے ورنہ جہاں تک سیدنا علی مرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے حالات کا تعلق ہے شیخ الاسلام کی رائے وہی ہے جو عام اہل السنۃ والجماعت کی رائے ہے، چند حوالے ملاحظہ ہوں،

منہاج السنۃ ج دوم صفحہ ۲۰۶ میں ارشاد ہے

اہل سنت کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کا مرتبہ بڑا ہے، اور وہ امامت کے زیادہ حقدار ہیں، اور خدا اور رسول اور مسلمانوں کے نزدیک افضل ہیں بمقابلہ امیر معاویہؓ کے، اور سیدنا علیؓ تو ان سے بھی افضل ہیں جو امیر معاویہؓ سے افضل ہیں،

اسی جلد دوم صفحہ ۲۱۹ میں ارشاد ہے

ایک جماعت کہتی ہے کہ بہتر تھا کہ لڑائی نہ ہوتی، لڑائی کا نہ ہونا دونوں گروہوں

کے حق میں بہتر تھا، لیکن امیر معاویہؓ کے معاملے میں حضرت علی زیادہ حق سے قریب تھے، یہی قول امام احمد اور اکثر ائمہ اور اکابر صحابہ وتابعین کا ہے،

جلد سوم صفہ ۲۴۱ میں فرمایا

جمل و صفین میں اکثر صحابہ نے نہ ادھر سے جنگ میں شرکت کی نہ ادھر سے مثلاً سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، اسامہ بن زید، محمد بن مسلمہ، مگر اس کے باوجود یہ سب لوگ حضرت علیؓ کی عظمت کرتے تھے، ان سے محبت رکھتے تھے، اور ان کو دوسروں کے مقابلہ میں بڑا جانتے تھے، اور ان کے زمانہ میں کسی کو ان کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ حقدار نہیں جانتے تھے،

جلد دوم صفہ ۲۰۴ میں فرمایا

اہل سنت خلفاء کی خلافت پر نصوص سے استدلال کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان کی خلافت اہل شوکت کی بیعت سے منعقد ہوگئی، اور حضرت علی کی بیعت اہل شوکت نے کی تھی گو ان پر وہ اجماع نہ ہوسکا جو ان سے پہلوں پر ہوا تھا، مگر کوئی شک نہیں کہ اہل شوکت کی بیعت سے ان کو طاقت حاصل تھی، اور نص دلالت کرتی ہے کہ ان کی خلافت، خلافت نبوۃ تھی، اور جن لوگوں نے ان پر بیعت نہیں کی، ان کا عذر اس سے زیادہ ظاہر ہے جیسا کہ سعد بن عبادہ کا عذر حضرت صدیقؓ پر بیعت نہ کرنے کا ظاہر ہے،

اپنے اسی خیال کا اظہار شیخ الاسلام نے اپنے رسالہ الوصیۃ الکبریٰ میں بھی حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

ہم یقین رکھتے ہیں کہ سیدنا علیؓ افضل اور حق سے زیادہ قریب تھے، بمقابلہ امیر معاویہؓ کے اور ان لوگوں کے مقابلہ میں جنھوں نے ان سے قتال کیا(ص ۲۹۷ مجموعہ رسائل کبری جلد اوّل)

شیخ الاسلام کی جن عبارتوں کو سیدنا علیؓ پر اعتراض سمجھا جاتا ہے اس کی حقیقت امامیہ کے محض الزامی جوابات کی ہے، اس کی بھی دلیل ملاحظہ ہو،

منہاج السنتہ جلد چہارم صف ۱۲۱ میں ارشاد ہے (ملخصاً)

حضرت علی آخر خلفاء راشدین میں سے ہیں، جن کی خلافت خلافت نبوّت و رحمت ہے، لیکن اگر معترض حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی قدح کرے گا (آگے خلافت شیخین پر قدح کی تفصیل ہے) تو معلوم ہے کہ اگر (شیخین کی) یہ قدح صحیح ہو گی تو بدرجہ اولی اس کے حق میں زیادہ صحیح ہو گی جس نے مسئلہ خلافت میں قتال کیا وغیرہ۔

اور جب ہم خوارج کے مقابلہ میں حضرت علی کی طرف سے دفاع کرتے ہیں تو ہم شیخین کی طرف سے بطریق اولی دفاع کریں گے،

جلد سوم صف ۱۹۵ میں حضرت علی کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگر کوئی حضرت علی پر اعتراض کرے کہ انھوں نے حضرت امیر معاویہ، ان کے رفقاء اور حضرت طلحہ و زبیر سے جنگ کی تو اس کو جواب دیا جائے گا کہ جن لوگوں نے حضرت علی سے جنگ کی حضرت علی ان سے افضل اور عدل و علم میں ان سے زیادہ تھے، اس لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ان سے لڑنے والوں کو عادل کہا جائے اور ان کو ظالم کہا جائے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح اس قسم کے اعتراض کرنے والوں کے مقابلہ میں حضرت

علی کی طرف سے حمایت اور جواب دہی واجب ہے اسی طرح بطریق اولیٰ حضرت عثمانؓ کی طرف سے حمایت ضروری ہے۔

یہی صورت سیدنا حسینؓ کے معاملہ میں بھی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس مسئلہ میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو عام اہل سنت کا ہے،

منہاج السنۃ جلد دوم صفحہ ۲۵۶ میں فرماتے ہیں،

اس کے مقابلہ میں ناصبیوں کا غلو ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے خروج کیا اور ان کا قتل جائز تھا، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم کسی ایک آدمی پر متفق ہو اور کوئی آکر تم میں تفریق پیدا کرنا چاہے اس کی گردن مار دو، وہ خواہ کوئی بھی ہو، اہل سنت ان دونوں کی تردید کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ سیدنا حسینؓ مظلوم شہید کئے گئے، اور جن لوگوں نے ان کو قتل کیا، وہ ظالم اور حد سے بڑھنے والے تھے، اور جس حدیث سے وہ استدلال کرتے ہیں وہ ان پر صادق نہیں ہوتی ہے۔

اسی جلد کے صفحہ ۲۴۷ میں فرماتے ہیں۔

بے شبہ سیدنا حسینؓ مظلوم شہید ہوئے، اور جس نے قتل حسین کا ارتکاب کیا، یا قتل حسین میں امداد کی، یا قتل سے راضی ہوا وہ خدا اور اس کے رسول کا گنہ گار ہے۔

شیخ الاسلام نے اسی خیال کا اظہار رسالہ الوصیۃ الکبری میں ان الفاظ میں کیا ہوا ہے: (ملخصاً)

سیدنا حسینؓ کا قتل عظیم الشان مصائب میں سے ہے کیونکہ سیدنا حسین اور ان سے پیشتر سیدنا عثمان کا قتل اس امت کے اندر فتنوں کا سب سے بڑا سبب ہے، اور ان لوگوں کو انھوں نے قتل کیا جو خدا کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں، (مجموعہ رسائل کبری صفحہ ۳۰۱)

یزید کے متعلق بھی حافظ ابن تیمیہ نے وہی مسلک اختیار کیا ہے جو محققین اہل السنۃ والجماعت کا پسندیدہ ہے، رسالہ الوصیۃ الکبریٰ میں انھوں نے صراحت کی ہے کہ یزید کے متعلق لوگوں نے افراط و تفریط کا معاملہ اختیار کر رکھا ہے ایک جماعت نے کافر و زندیق کے لقب سے اس کو یاد کیا ہے دوسری جماعت نے اس کو ائمہ ہدیٰ میں شمار کیا، یہ دونوں طریقے اہل علم کے مسلک کے خلاف ہیں، یزید نہ تو کافر و زندیق تھا، اور نہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے صلاح و تقویٰ کی شہرت ہو، وہ گو قتل حسین رضی اللہ عنہ کا خواہشمند نہ تھا، مگر اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے کہ اس نے اس حادثہ پر بیزاری ظاہر کی ہو یا قصاص لیا ہو جو کہ اس پر واجب تھا اسی ترک واجب کی بنا پر اہل حق اس کو ملامت کرتے ہیں، اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ ہم نہ اس سے محبت کرتے ہیں، اور نہ گالی دیتے ہیں، وہ بادشاہوں کی طرح ایک بادشاہ تھا، بہتر یہ ہے کہ اس کے متعلق ہم اپنی زبانوں کو خاموش رکھیں، کیونکہ اسی وجہ سے جاہل کہنے لگے کہ وہ اکابر صالحین اور ائمہ عدل میں سے تھا، حالانکہ یہ کھلی ہوئی غلطی ہے

(ملخص) (الوصیۃ الکبریٰ صفحہ ۲۲۹ تا ۳۰۱)

سطور بالا کے پڑھنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بعض نئی تصنیفات میں شیخ الاسلام کی --- عبارتوں سے جو نفع اٹھانے کی جو کوشش کی گئی ہے وہ کس قدر غلط اور بے محل ہے میں نے اس نئی کتاب کے تمام حوالوں کو منہاج السنۃ سے ملا کر دیکھا ہے وہ سب حوالے اسی موقع کے ہیں، جہاں شیخ الاسلام نے مناظرانہ رنگ میں الزامی جواب دیا ہے، اپنا اصل مسلک نہیں بیان کیا ہے، اس لئے مصنف نے حافظ ابن تیمیہ کی عبارتوں سے جو غلط مطلب نکالنا چاہا ہے وہ صحیح نہیں ہے، (صدق جدید ۱۹ جنوری ۱۹۶۰)

صہبا

ترتیب

سید نفیس الحسینی

خلافتِ معاویہؓ و یزید

"ایک جائزہ"

از جناب مولانا مجاہد الاسلام القاسمی، مدرس مدرسہ رحمانی خانقاہ مونگیر

مولانا محمود احمد عباسی کی تالیف "خلافت معاویہ و یزید" اس وقت پورے ملک میں موضوعِ بحث و نظر بنی ہوئی ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس کتاب کا مطالعہ کیا اور جو کچھ محسوس کیا اسے پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہے۔

کتاب کی ابتدا تقریظ مؤلف سے ہوتی ہے۔ مصنف نے پیش لفظ میں جہاں عہد بنو امیہ کی برکات پر روشنی ڈالی ہے وہاں تمام مستند تاریخوں کے درجۂ استناد کو بھی چیلنج کیا ہے۔ مصنف کے نقطۂ نظر سے بنو امیہ کے بارے میں دوسری صدی ہجری میں وضعی روایات اور من گھڑت افسانوں کا پہاڑ کھڑا کر دیا گیا۔ اس طرح اسلامی تاریخ کی جتنی مستند کتابیں ہیں ان کو ہیچ سے یک قلم ٹال دیا گیا ہے۔ اگر مصنف کے اس نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر نہایت سہولت کے ساتھ تاریخ کے ان تمام اہم واقعات کا انکار کیا جا سکتا ہے جن پر شک و وہم کا کوئی گذر نہیں۔ تحقیق و تنقید کا یہ طریقہ تو صحیح ہے کہ "مخالف و موافق" ہر دو اقوال کو سامنے رکھ کر اصولِ روایت اور اصولِ درایت کی بنیاد پر سچ کو جھوٹ سے الگ کیا جائے۔ اور صحیح صورتِ حال کی تحقیق کی جائے، لیکن تحقیق کا یہ طریقہ بالکل انوکھا ہے کہ ایک رائے پہلے سے قائم کر لی جائے۔ پھر اگر اس مزعومہ نقطۂ نظر کے خلاف کوئی بات کسی صفحے پر ملتی ہے تو اس روایت کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے کی خاطر اس تصنیف اور اس کے تمام مواد کو غلط قرار دیا جائے "تاریخ طبری" یا اس طرح کی دوسری تاریخیں مانا ہے کہ افسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں، جن کی پیش کردہ معلومات کو لاریب فیہ کی سند حاصل نہیں؟

ان میں بھی غلطی کا احتمال ہے بنا بریں صحیح طریق کار یہ ہے کہ ان روایات پر جرح و نقد کیا جائے اور صحیح کو غلط سے الگ کیا جائے لیکن اگر ان تمام روایات کو غلط قرار دینے کے لئے امام ابن جریر طبری جیسے امام اہل سنت والجماعت پر شیعی اور غالی شیعی کا لیبل لگا دیا جائے تو اسے صحیح طریق کار نہیں کہا جا سکتا۔

مصنف نے اس پوری جماعت مورخین میں سے صرف "ابن خلدون" کو بخشا ہے۔ اور ان پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمۂ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا ہے کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انہوں نے لتھیڑ ڈالا۔ (ص)"

طلا سے مولوی علی احمد عباسی کے قلم سے "تعارف" ہے' اس میں بھی تاریخ کو دوسری صدی ہجری میں وضعی روایات سے بھر دینے اور تاریخ اسلام کو مسخ کر دینے کا الزام قائم کیا گیا ہے' اور پھر سبائی تحریک کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ پھر جناب تمنا عمادی کا لکھا ہوا مقدمہ ہے۔ اس میں ان تعصبات اور غلو پر تبصرہ کیا گیا ہے جو تاریخی روایات پر اثر انداز رہے ہیں۔ اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔

اصل کتاب کے بنیادی مباحث یہ ہیں کہ یزید خلیفہ عادل ہے' وہ اعلیٰ کردار' بلند کیرکٹر اور مختلف خوبیوں کا حامل تھا' اس کی خلافت جائز تھی' اس پر تمام صحابہؓ کا اتفاق تھا۔ اور حضرت حسین بن علیؓ کا خروج قطعاً جائز نہیں تھا۔ ان کے خروج کی حیثیت "خلیفہ عادل کے مقابلے میں کسی باغی کے خروج" کی ہے۔ ان کا قتل محض ایک اتفاقی واقعہ تھا جو خود ان کے سبائی ساتھیوں کی وجہ سے پیش آگیا۔

کتاب میں ضمنی طور پر کہیں کہیں خود حضرت علیؓ پر بھی بے جا نقد کیا گیا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے موازنہ کرتے ہوئے کہیں لکھا گیا ہے کہ "حضرت علیؓ کی بیعت ہی مکمل نہیں ہوئی تھی"۔ "انہوں نے کبھی کوئی ملک فتح نہ کیا"۔ "ان کے زمانہ میں کبھی جہاد نہ ہوا"۔ "اپنے زمانۂ خلافت میں کبھی انہوں نے حج نہ کیا۔ اور نہ امارتِ حج کے فرائض ادا کئے یہی نہیں بلکہ ان کی اولاد میں سے بھی کبھی کسی نے امارتِ حج کے فرائض ادا نہیں کئے۔ بخلاف حضرت معاویہؓ کے ادوار ان کے لائق فرزند امیر یزیدؒ کے کہ انہوں نے تین بار امارت حج کے فرائض

ہوا کئے ذخیرہ وغیرہ۔

اس طرح بعض جگہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف حضرت علیؓ پر حضرت معاویہؓ ہی کو نہیں بلکہ یزید کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ ایک جگہ حضرت معاویہؓ کے فضائل کا ذکر کرتے کرتے سیاست دانی میں حضرت عمرؓ سے بھی انہیں بڑھا دیتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں تمام علماء سلف کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ ہم ان کے باہمی نزاعات کے بارے میں کفِ لسان کریں اور خوامخواہ کے لئے تفصیل در تفصیل کی بحثوں سے اپنے زبان و قلم کو آلودہ نہ کریں۔

ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ، معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ، طلحہؓ و زبیرؓ، حسینؓ و حسنؓ، یہ سب آفتاب و ماہتاب تھے ان سب نے آفتابِ نبوت سے روشنی حاصل کی تھی اور سب ہمارے لئے منبع ہدایت تھے قرآن کریم نے انہیں

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

کا امتیاز بخشا اور جناب رسالت مآبؐ نے

اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم

فرمایا۔

انہیں حضرات کی جہد و جہد نے دین کو محفوظ و مامون شکل میں ہم تک پہنچایا اور ان کا یہ احسان قیامت تک امت کے سر پر رہے گا۔ تمام محتاط اہل قلم نے صحابہ کرامؓ کو ان کے باہمی نزاعات میں مخلص تسلیم کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حضرات اپنی اجتہادی رایوں پر عامل تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا اختلاف ظنی مسائل میں ہوا ہے اور وہ ان مسائل میں اجتہاد کے مجاز تھے۔ ان کی بلند کرداری، للہیت، خلوص اور خدا پرستی کی بھی زندگی اس پر شاہد ہے۔ کہ صحابہ اپنی خواہش نفس کے پیرو نہیں تھے۔ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ہر جزیہ میں صرف رضائے الٰہی کو سامنے رکھتے تھے۔ یہی ان کا مطمح نظر تھا اور یہی ان کا نصب العین

بہر حال کتاب کے جن بنیادی مباحث پر گفتگو کرنی ہے۔ ان کے تجزیہ سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے

اقتباسات پیش کئے جائیں۔ اور نتائج نکال کر گفتگو کی جائے۔ مصنف ص۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام کی شامل تھی امیر یزید کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہیں آتی تھی جس کی بنا پر عقد بیعت خلافت ناجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج و بغاوت کا جواز نکالا جائے"۔

ص۹ پر لکھا ہے

"علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری، پابندی صوم و صلوٰۃ کے ساتھ امیر یزید درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھے"۔

ص۶ پر دیکھئے

سیرت امیر یزید کا مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا ہے کہ ان کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہیں تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا

ص۷ پر تحریر ہے

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ حضرت حسینؓ کو امیر یزید کے خلاف اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا"۔

مصنف نے یزید کے ایک شعر سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی۔ ص۸

اور اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ایک یورپین مورخ دوزی کے جملے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آزاد اور بے لاگ مورخین نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے وہ لکھتا ہے:۔

ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور حضرت حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک اولوالعزمی لغزش و خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب بے تحاشی سے رواں دواں ہوں، ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر و بیشتر

انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انھوں نے حضرت معاویہؓ کی زندگی میں یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق یا دعوئے خلافت کو ثابت نہ کر سکے ص ۳

اسی طرح ص ۹۰ پر "اقدام خروج کی غلطی" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں "کردار خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا ہے"۔

پھر ص ۹۱ پر جو کچھ لکھتے ہیں اسے غور سے پڑھا جائے۔

اب اگر بالفرض یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا تب بھی دینی زاویۂ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گذر چکے ہیں ان کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ پر۔

حضرت علیؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ امت کی بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے وہ بڑی جمعیت رکھتے تھے ان کے قبضہ میں ملک تھے، اور لاکھوں انسانوں کی حمایت انہیں حاصل تھی۔ پھر ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھائے تو امیر یزید جو متفق علیہ خلیفہ تھے جن کا پرچم تمام عالم اسلام پر لہراتا تھا جن کی بیعت میں سیکڑوں صحابۂ کرام خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ نیز حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) جیسی مقتدر اور مقدس ہستیاں داخل تھیں۔ وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ ص ۹۱

حاصل یہی ہوا کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ "جن کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی، امت کی بڑی اکثریت ان کے خلاف تھی، اور جمہور امت کی حمایت حاصل نہیں تھی" اگر حضرت معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں۔ تو شرعاً یزید کو "جو متفق علیہ عادل خلیفہ تھا۔ جس کی حکومت کا پرچم تمام عالم اسلامی پر لہراتا تھا" اس کا حق کیوں نہیں کہ وہ حضرت حسینؓ پر تلوار اٹھائے جو حکومتِ عادلہ سے بغاوت کے مجرم تھے۔

آگے مصنف نے خود واضح کیا ہے:-

حضرت علی مرتضیٰ کی تلوار اگر ام المومنین عائشہؓ کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے ..... تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی!

اس کے بعد مصنف نے حضرت حسینؓ کی دعوت اور تحریک کی بنیاد کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے جن کی رحضرت حسینؓ کی) دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے"

اس طرح حضرت حسین بن علیؓ مصنف کے نقطۂ نظر سے محض خاندانی اور نسلی فضائل کی بنیاد پر یزید کے خلاف دعوت خلافت لے کر اٹھے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام اس طرح کے دعاوی تسلیم کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہے۔ اسی لئے مصنف کے خیال میں حضرت حسینؓ ایک حکومت عادلہ اور خلافت صحیحہ کے باغی تھے لیکن اس جرم بغاوت کے باوجود شروع سے ان کے خلاف کوئی سخت کارروائی نہیں کی گئی خود لکھتے ہیں "باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے تشددانہ کارروائی نہیں کی گئی" ص۳۰

ان اقتباسات اور کتاب میں پھیلے ہوئے دوسرے خیالات کی روشنی میں مصنف کے تصورات کا خلاصہ یہ ہے

الف: یزید علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری کا جامع تھا صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ ساتھ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھا۔ خلافت کے لئے جن صفات کی ضرورت ہے وہ ——— بدرجہ اتم اس میں موجود تھیں۔

ب: ان سب باتوں کے بعد وہ خلیفہ منتخب ہوا۔

ج: صحابہ کرامؓ اور جمہور اصحاب حل وعقد اس کی خلافت پر متفق تھے اور کردار یزید میں کوئی ایسی خامی نہ پائی تھی جس کی بنیاد پر اس کے خلاف خروج کو جائز کیا جائے۔

د: ایسے عادل اور متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج شرعاً حرام ہوگا اور اسے خلافت عادلہ کے خلاف بغاوت کہا جائے گا۔

ہ: ان مقدمات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ مصنف کے نقطۂ نظر سے حضرت حسینؓ کا اقدام خروج

حرام ہوگا اور بغاوت۔ اور چونکہ حضرت حسینؓ نے ..... حضرت معاویہؓ کی حیات میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت بھی کرلی تھی۔ اس لئے وہ شرعاً نقض عہد کے مجرم تھے۔

ص:۔ ان سب امور سے زیادہ اہم جرم ان پر یہ عائد ہوتا ہے۔ کہ انھوں نے اپنی دعوت اور تحریک کی بنیاد ہی ایک ایسی غلط بات پر رکھی جو قطعاً شریعتِ اسلامی کی روح کے خلاف تھا اسلام آیا ہی تھا نسلی عہدہ داری کو مٹانے اور اسے جڑ سے اکھیڑنے۔ پس حضرت حسینؓ کا مطالبہ خود مصنف کے الفاظ میں ایسا تھا کہ "نہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے، نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائم اہل بیت سے" (ص۵۱)

لیکن ان سب جرائم کے باوجود حکومتِ وقت نے ان کے خلاف شروع سے تشددانہ کارروائی نہیں کی۔ "حضرت حسینؓ کربلا پہنچے اور وہاں کی ملاقات اس فوجی دستے سے ہوئی جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا۔ حضرت حسینؓ کے ساتھیوں نے جو سپاہی ذہنیت رکھتے تھے۔ اس دستے پر حملہ کر دیا اور ناگہاں جنگ چھڑ گئی اور یہ واقعہ محزون پیش آگیا۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد راقم الحروف نے جو کچھ محسوس کیا۔ وہ یہی امور ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ تمام اہلِ انصاف اس احساس میں شریک ہوں گے۔ کتاب کے پیش کردہ مندرجہ بالا تصورات حق ہیں یا باطل؟ اس کے فیصلہ کی ایک راہ یہ ہے کہ ہم تاریخ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ اس سلسلہ میں تاریخ کی تمام کتابیں واضح نظریات پیش کرتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا مصنف کو تمام کتب تاریخ پر اعتماد نہیں ہے۔ ہاں ان کو ان تمام کتب تاریخ میں ابن خلدون پر اعتماد ہے، جیسا کہ مصنف کی تصریح گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ ایک اور جگہ رقمطراز ہیں۔

علامہ موصوف نے ولایتِ عہد کی بحث میں امیر یزید کی ولیعہدی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے۔ اس کے پیشِ نظر راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مورخ ہیں جنھوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو اسی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی مین ورق ... جو

اس حادثہ کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فرد بشر کو چار دانگ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے
(شرحِ مؤلف)"

مصنف کا یہ استنباط کس حد تک صحیح ہے اس سے بحث نہیں۔ یہاں تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مصنف کو ابن خلدون پر پورا بھروسہ ہے اس لئے ہم دوسری تاریخوں کا سہارا لینے کے بجائے خود ابن خلدون کی رائے مذکورۃ بالا مسائل کے بارے میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

کیا یزید اول متقی اور پرہیزگار تھا

علامہ ابن خلدون نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں جو ان کی تاریخی معلومات اور تحقیقات کا نچوڑ ہے، اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہ تمام صحابہ شمع ہدایت تھے۔ ان کی عدالت، ان کا تقویٰ اور ان کا اخلاص محتاج بحث و نظر نہیں وہ اس سے بہت بالاتر ہیں کہ ان کے بارے میں نفسانیت کا وہم بھی کیا جائے۔ اس لئے حضرت امیر معاویہؓ کا یزید کو ولی عہد بنانا بھی دینی مصلحت سے تھا۔ اور ان مباحث کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔

وعرض ھنا امور تدعو الضرورۃ الی بیان الحق فیھا (۱۷۶)	یہاں چند معاملات ایسے ہیں جن کے بارے میں حق کا واضح کرنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں پہلا سوال کیا ہے؟ اور ابن خلدون نے اسے کس طرح حل کیا ہے؟ ذرا غور سے سنئے، وہ کہتا ہے

فالاول منھا ما حدث فی یزید من الفسق ایام خلافتہ (۱۷۶)	پہلا مسئلہ تو یزید کے فسق کا ہے جو اس کے زمانۂ خلافت میں پیدا ہو گیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یزید فاسق تھا تو حضرت معاویہؓ جیسے مخلص صحابی نے اسے ولی عہد کیوں بنایا؟
اس کا ضرور خیال رکھئے کہ ابن خلدون ماحدث من الفسق (یزید کے فسق) کا جزم و یقین کے ساتھ ذکر کرتا ہے مایروی (روایت کیا جاتا ہے) مایقال (کہا جاتا ہے) ماینسب (فسق کی اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے) یا اس طرح کے دوسرے الفاظ استعمال نہ کئے جس سے یہ سمجھا جاتا کہ ان کے نزدیک یہ روایات مکذوب اور واہی ہیں۔

اور اگر فسق یزید کی روایتیں واہیات و مخترعات تھیں تو اس کا صاف جواب یہی تھا کہ ابن خلدون ان روایتوں پر نقد کرتے جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ انھیں دوسرے جواب کا سہارا لینا پڑا۔ وہ لکھتے ہیں۔

فایاك ان تظن بمعاویة رضی اللّٰہ عنه انه علم ذالك من یزید فانه اعدل من ذٰلك وافضل (ص ۱۷۶)	ہرگز ہرگز تم حضرت معاویہؓ کے بارے میں یہ گمان مت کرنا کہ وہ یزید کے اس فسق سے واقف تھے اور انھوں نے اس کو پھر بھی ولی عہد بنا دیا۔ وہ اس سے بالاتر اور بلند ہیں۔

یزید کو ابن خلدون عدالت و تقویٰ کے اعلیٰ مدارج پر سمجھتے ہیں یا فسق و فجور کا مرتکب۔ اس کا اندازہ تو مندرجہ بالا جملوں ہی سے ہو جاتا ہے۔ لیکن اگلے جملہ میں تو ابن خلدون نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ یزید کی طرف جو موسیقی اور گانے بجانے کی شوق کی نسبت کی جاتی ہے وہ صحیح ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات ہی میں پیدا ہو چکی تھی، اور حضرت معاویہؓ اس کی اس حرکت پر ملامت بھی کرتے تھے۔

بل کان یعذله ایام حیاته فی سماع الغناء وینهاه عنه (ص ۱۷۶)	بلکہ حضرت معاویہؓ یزید کو اپنی زندگی میں غنا کے سننے پر ملامت کرتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے۔

ابھی تو مندرجہ بالا تصریح پر قناعت کیجئے۔ آئندہ صفحات میں اس مسئلہ کی کچھ اور تفصیل آ رہی ہے۔

صحابہؓ کا موقف یزید کے بارے میں

مصنف نے بہت تفصیل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہؓ یزید کی امارت پر خاموش ہی نہیں رہے۔ بلکہ انھوں نے اس کی خلافت کو بخوشی قبول کیا۔ مختلف عہدوں کو قبول کیا اس لئے کہ وہ یزید کو عادل و متقی خلافت کے لائق سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں یزید کے کردار میں کوئی خامی نہیں تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

دیکھنا یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف خلافتِ یزید اور کردارِ یزید کے بارے میں کیا تھا؟ کیا وہ واقعۃً اس کی عدالت وتقویٰ کے معترف تھے۔ اور اسی لئے وہ حضرت حسینؓ کو اس اقدام سے روک رہے تھے۔ ابنِ خلدون یزید کے فسق اور اس کے بارے میں صحابۂ کرامؓ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے

ولما حدث فی یزید ما حدث من الفسق اختلف الصحابة حینئذ فی شانه (۱۰۰)

جب یزید میں فسق و فجور ظاہر ہوا تو اس وقت صحابہؓ کا بھی اس کے بارے میں اختلافِ رائے ہوا۔

خیال رہے کہ یزید کا فسق محتاجِ بحث مسئلہ نہ تھا۔ اختلاف ہوا تو اس میں کہ اس امام فاسق کے سلسلہ میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے؟

فمنهم من رای الخروج علیه ونقض بیعته من اجل ذلك كما فعل الحسینؓ وابن الزبیرؓ ومن اتبعهما فی ذلك (۱۰۰)

پس صحابہ کی ایک جماعت تو یزید کے خلاف خروج کرنے اور اس کے فسق و فجور کی وجہ سے بیعت توڑنے کی قائل تھی جیسا کہ حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ اور ان کے متبعین نے کیا

اور دوسری جماعت کا مسلک یہ تھا

ومنهم من اباه

اور صحابہ کی دوسری جماعت خروج کی منکر تھی۔

کیوں؟ کیا اس لئے کہ یزید کے کردار میں کوئی خامی نہیں تھی؟ نہیں! بلکہ

لما فیه من اثارة الفتنة وكثرة القتل مع العجز عن الوفاء به

اس لئے کہ اس سے فتنہ اٹھے گا اور قتل و قتال ہوگا، پھر حالات بھی ایسے نہیں ہیں کہ یہ دعوت پوری ہوگی۔

اب ان صحابہ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے وہ بھی سنئے

فاقصروا عن یزید بسبب

اسی فتنہ و فساد کے خوف سے یزید کے خلاف

ذلک	خروج سے احتراز کیا،

اور

اقاموا علی الدعاء بهدایته والراحة منه	اب وہ لوگ یزید کی ہدایت اور اس سے مسلمانوں کی نجات کے لئے دعا کرنے میں مشغول ہو گئے

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مسلک یزید کے بارے میں جو کچھ تھا، اس کا خلاصہ یہی ہے کہ فاسق اسے سبھی سمجھتے تھے، بعضوں نے اس بلا سے نجات دلانے کے لئے خروج کیا، اپنی جانیں تک حکومت عادلہ اور خلافت راشدہ کے قیام کی جدوجہد میں قربان کر دیں، دوسری جماعت نے عام مسلمانوں کو فتنہ و فساد سے بچانے کی خاطر سکوت اختیار کیا، اور دعا کی راہ اختیار کی، ابن خلدون نے اس اختلاف رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے بہت قیمتی جملے لکھے ہیں۔

والکل مجتهدون ولا ینکر علی احد من الفریقین فمقاصدهم فی البر وتحری الحق معروفة، وفقنا الله الاقتداء بهم	یہ سب حضرات مجتہد تھے ان میں سے کسی پر نکیر کرنا جائز نہیں۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ان سب حضرات کا نصب العین ہر طرف نیکی اور حق ہوتا تھا۔ اللہ ان کی اقتداء کی ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین

(۱۷۷)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں خروج کیا؟ ان کی دعوت کیا تھی؟ کیا وہ محض نسلی فضیلت کی بنیاد پر دعویٰ خلافت لے کر اٹھے تھے

جیسا کہ عرض کیا گیا۔ محمود احمد عباسی صاحب کے نقطۂ نظر سے حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت محض یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور حضرت علیؓ کے بیٹے ہیں، اس لئے انہیں خلیفہ بنایا جائے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مصنف کا یہ نقطۂ نظر ایسا نہیں ہے جس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت پیش کی جائے، بلکہ تاریخ کا جائزہ ہماری رہنمائی اس طرف کرتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے اقدام کا نصب العین "خلافت عادلہ صحیحہ" کا قیام تھا۔ یزید کا نسق خلافت نبوت کو "خلافت قیصر و کسریٰ" سے بدل رہا تھا۔ یہ فسق گھر کی چار دیواریوں میں محدود نہ رہا تھا

بلکہ عوام الناس کے سامنے کھل چکا تھا۔ اس وقت حضرت امام حسین بن علیؓ کے اجتہاد نے اس طرف رہنمائی کی کہ اس "امام جائر" کے سامنے "حق کا اظہار" ضروری ہے۔ اور انھوں نے اس راہ میں اپنی جان دیدی۔

ابن خلدون لکھتا ہے۔

واما الحسین فانه لما ظهر فسق	حضرت حسینؓ کا معاملہ یہ ہوا کہ جب یزید کا فسق
یزید عند الکافة من اهل	اس زمانہ کے تمام لوگوں کے سامنے کھل گیا تو
عصره بعثت شیعة اهل البیت	کوفہ کے طرفداران اہل بیت نے انھیں پیغام
بالکوفة للحسین ان یاتیهم فیقوموا	بھیجا کہ وہ ان کے پاس چلے آئیں اور یہ لوگ
بامره - (۱۸۰)	ان کی سرکردگی میں اٹھ کھڑے ہوں۔

اب یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک طرف خلیفہ کا فسق ہے جو تمام پبلک کے سامنے بے پردہ ہو چکا ہے، دوسری طرف اہل کوفہ کی دعوت ہے جو "تحریک" کے لئے "شوکت" کا سامان مہیا کرتی ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے اپنے کو اس دعوت کا اہل سمجھا اور خروج کا فیصلہ کیا اور اہل کوفہ کے اس پیغام کو لبیک کہا۔ اب آپ غور کریں کہ کیا حضرت حسینؓ نے اس پکار پر لبیک محض اس لئے کہا کہ وہ جاہ و اقتدار کے بھوکے تھے؟ یا محض اس لئے کہ وہ نبی کے نواسے تھے؟ ابن خلدون لکھتا ہے۔

فرای الحسین ان الخروج علی	حضرت حسینؓ نے رائے قائم کی کہ یزید کے فسق
یزید متعین من اجل فسقه	و فجور کی وجہ سے اب اس کے خلاف خروج
لا سیما من له القدرة علی ذلك	ضروری ہے خصوصاً اس شخص پر جو اس کی
(۱۸۰)	قدرت رکھتا ہو۔

معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کی وجہ یزید کی نااہلی تھی، ان کا اپنا نسلی استحقاق نہیں۔

آگے چل کر ابن خلدون لکھتا ہے کہ

حضرت حسینؓ نے اپنے اندر خروج کی قدرت محسوس کی اپنی اہلیت اور اپنی شوکت کی وجہ سے

ابن خلدون لکھتا ہے کہ جہاں تک خلافت کی اہلیت اور صلاحیت کا تعلق ہے۔

فکان کما ظن وزیادۃ | اہلیت جیسی وہ سمجھتے تھے ویسی ہی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ

ہاں شوکت کے اندازہ میں ان سے غلطی ہوئی۔ اس لئے کہ اس وقت ساری کلیدی طاقتیں، اور عصبیت بنوامیہ کے ہاتھ میں تھی۔ زمانۂ جاہلیت کی عصبیت جو اہم مسائل کے پیش آجانے کی وجہ سے دب گئی تھی پھر ابھر آئی تھی۔ اس لئے اس کا مقابلہ مشکل تھا۔ اس تفصیل کے بعد لکھتا ہے کہ

قد تبین لک غلط الحسین الا انہ فی امر دنیوی ولا یضرہ الغلط فیہ (۱۸۱) | حضرت حسینؓ کے اندازہ کی غلطی تمہارے سامنے واضح ہو گئی لیکن خیال رکھو کہ غلطی دنیاوی امر میں ہوئی اور دنیاوی (سیاسی) غلطی سے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا

رہا اس خروج کا شرعی حکم تو ظاہر ہے کہ اس کے جواز میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کی بنیاد مجتہد کے اجتہاد پر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امامؑ کے خروج کی بنیاد یزید کا فسق و فجور تھا ان کی تحریک کی بنیاد خلافت عادلہ کا قیام تھا۔ وہ خدانخواستہ ایک غیر اسلامی چیز یعنی نسلی فضیلت کی بنیاد پر خلافت کے مدعی نہ تھے۔

صحابہ کا موقف حضرت حسینؓ کے بارے میں

جب عام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ مسلک سامنے آ گیا کہ وہ یزید کے فسق کے باوجود اس کے خلاف خروج کے قائل نہ تھے، محض اس لئے کہ فتنہ و فساد کا خطرہ تھا عام صحابہؓ اپنے اس اجتہاد کی بنیاد پر حضرت امامؑ کا ساتھ تو نہ دے سکے

لم یتابعوا الحسین | انھوں نے حضرت حسینؓ کی اتباع نہ کی

لیکن امام حسینؓ کو غیر اسلامی تحریک کا داعی اور گنہگار بھی نہ کہا،

ولا انکروا علیہ ولا اثموہ (۱۰۰) | نہ انھوں نے حضرت حسینؓ پر نکیر کی اور نہ انہیں

گنہ گار قرار دیا۔

اور عام صحابہؓ کو حضرت حسینؓ نے بھی موردِ الزام قرار نہیں دیا۔ اس لئے کہ وہ بھی اپنے اجتہاد پر عامل تھے، لیکن اپنی دعوت کی حقانیت پر اور اپنی تحریک کی سچائی پر انھیں صحابہ کو گواہ بناتے تھے جو علاًان کے اس اقدام میں شریک نہیں تھے، اور کربلا میں اعلان کرتے تھے،

یستشهد بهم وهو یقاتل بکربلاء	حسینؓ جب کربلا میں قتال کر رہے تھے انھیں
علی فضله وحقه ویقول سلوا	صحابہؓ کو اپنے فضل اور اپنے حق پر گواہ بناتے
جابر بن عبد الله وابا سعید	تھے اور کہتے تھے،
الخدری وانس بن مالك	پوچھو جابر بن عبد اللہؓ ابو سعید خدریؓ انس
وسهل بن سعید وزید بن ارقم	بن مالکؓ، سہل بن سعیدؓ، اور زید بن ارقمؓ
وامثالهم (۱۸۰)	وغیرہ سے۔

ظاہر یہی ہوا کہ حضرت حسین بن علیؓ اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہو کر یزیدیوں سے نبرد آزما ہوئے اور عام صحابہؓ نے فتنہ و فساد کا خیال کرتے ہوئے اسی میں نجات سمجھی کہ یزید کی ہدایت کے لئے دعا کی جائے، اور اس سے نجات اور راحت کی دعا کی جائے۔ حضرت حسینؓ سمجھ رہے تھے کہ عام صحابہؓ بھی یزید کے فسق سے واقف ہیں، اور وہ بھی خلافتِ عادلہ کے قیام کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن بنو امیہ کی طاقت اور عصبیت کی بنا پر کسی نئی تحریک کا بار آور ہونا مشکل ہے، اور پھر مسلمانوں کے مابین قتل و خون کا اندیشہ ہے، اس لئے وہ اس طرح کی تحریک اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔۔۔ اس لئے حضرت حسینؓ نے انھیں مدد نہ کرنے پر موردِ الزام بھی نہ سمجھا اور دوسری طرف انھیں اپنی دعوت پر گواہ بناتے رہے۔ یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے، کہ بعض صحابہؓ نے حضرت حسینؓ کو اس اقدام یا کوفہ کی طرف جانے سے روکا تھا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یزید کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف خروج جائز ہوتا" بلکہ اس کی وجہ یہی تھی کہ صحابہؓ سمجھ رہے تھے کہ حالات ایسے نہیں ہیں جس میں یہ تحریک کامیاب ہو سکے۔

کیا یزید اور دوسروں کے لئے حضرت حسینؓ سے قتال جائز تھا؟ | اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے کہ کیا حضرت حسینؓ کے

قتل میں صحابہؓ کی رائے کو بھی دخل تھا؟ ابن خلدون لکھتا ہے،

"حضرت حسینؓ سے یزیدیوں کا قتال حضرت صحابہؓ کی رائے اور ان کے اجتہاد سے نہ تھا۔ (۱۸۱)"

بلکہ

انما انفرد بقتالہ یزید واصحابہ (۱۸۰)	بلکہ ان کے قتال کے ذمہ دار صرف یزید اور اس کے ساتھی ہیں۔

اس کے بعد اس طرح کے خیالات کی تردید کرتا ہے "کہ جب حضرت حسینؓ باغی تھے تو ان سے قتال شرعاً جائز ہونا چاہیئے" اور لکھتا ہے کہ

"باغیوں سے قتال علماء کے نزدیک اسی وقت جائز ہے جب کہ آپ امام عادل کا ساتھ دے رہے ہوں، اور یہاں ایسا نہیں ہے"

اس لئے کہ یزید ظاہر ہے کہ عادل نہیں تھا پس اس کے خلاف خروج "امام عادل کے خلاف بغاوت نہ ہوگی" لہٰذا شرعاً حضرت حسینؓ سے قتال جائز نہیں ہوگا۔

فلا یجوز قتال الحسین مع یزید	لہٰذا حضرت حسینؓ سے قتال کرنا نہ دوسروں کے
ولا لیزید	لئے یزید کی معیت میں جائز تھا اور نہ خود یزید
. . . .	کے لئے جائز تھا۔

اور اگلا جملہ سنئے

بل ہی من فعلاتہ المؤکدۃ	بلکہ حضرت حسینؓ سے قتل و قتال تو یزید کی ان
لفسقہ	حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے جو اس کے فسق
(۱۸۰)	کو اور پختہ کر دیتی ہیں۔

حضرت حسینؓ کی حیثیت اس معاملہ میں کیا تھی؟

والحسین فیہا شہید مثاب وہو علی	حسینؓ شہید تھے، اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کے
حق واجتہاد۔	مستحق ہوئے، وہ برحق تھے اور اپنے اجتہاد پر عامل

ابن العربی اور واقعہ شہادت | قاضی ابوبکر بن العربی نے "العواصم والقواصم" نامی کتاب میں حضرت حسین بن علیؓ کے قتل کو حق بجانب قرار دیا ہے اور اس مسئلہ پر بحث کی ہے محمود احمد صاحب عباسی نے ابن عربی کی رائے سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے لیکن ابن خلدون اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے،

قد غلط القاضی ابوبکر ابن العربی	قاضی ابوبکر بن العربی سے اس مسئلہ میں غلطی
المالکی فی هذا فقال فی کتابه الذی	ہو گئی انھوں نے اپنی کتاب "العواصم والقواصم"
سماه العواصم والقواصم ما معناه	میں ایسے الفاظ لکھے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ
ان الحسین قتل بشرع جده	حضرت حسینؓ اپنی نانا کی شریعت کے مطابق
(۱۸۰)	قتل کیے گئے

ابن عربی کا اشارہ اسی طرف ہے، کہ اسلامی نقطۂ نظر سے باغی کی سزا قتل ہے اس لیے حضرت حسینؓ کا قتل جائز تھا۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ ابن عربی کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ باغی کا قتل جائز اس وقت ہے جب کہ امام عادل ہو، یہاں تو مسئلہ کی صورت ہی دوسری ہے۔ ایک طرف یزید ہے جس کا فسق و فجور روز روشن کی طرح واضح ہو چکا تھا، یہ اہل آراء تھے جو اپنی شہوات اور خواہش نفس کے مطابق حکومت چلا رہے تھے، دوسری طرف حسینؓ تھے جو مجسمۂ عدالت، تقویٰ اور سراپا شرافت و دیانت تھے، پس حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کی حیثیت امام عادل کے خلاف بغاوت کی نہیں بلکہ امام جائر و فاسق کے مقابلہ میں "حق و صداقت کے علمبرداروں کے خروج" کی ہے، یہ حکومتِ عادلہ کے خلاف بغاوت نہیں تھی بلکہ امام جائر کے سامنے کلمۂ حق کا اظہار تھا۔ اور قتل کا قانون اس بغاوت و عہد شکنی کے لئے ہے۔ جو امام عادل کے مقابلہ میں اختیار کی جاتی ہے نہ کہ اس شخص کے لئے جو کھڑا ہوا ہو، "ہرقلیت و کسرویت" جاہلی عصبیت اور فسق و فجور کو مٹا کر حق و عدالت کی بنیاد پر حکومت قائم کرنے کے لئے پس ایسے شخص کے قتل کو کیسے جائز کہا جا سکتا ہے؟

ابن خلدون لکھتا ہے،

وهو غلط حملته علیه الغفلة عن	ابن عربی کی یہ رائے غلط ہے انھوں نے یہ رائے
اشتراط الامام العادل ومن اعدل	اس لئے قائم کی کہ وہ امام عادل کی شرط سے

من الحسين في زمانه في امامته وعدالته في قتال اهل الاهواء (ص۱۶۱)	ناقل ہوگئے اور حضرت حسینؓ سے بڑھکر کون ہو سکتا ہے امامت اور عدالت کے اعتبار سے اہل الاہواء کے قتال کے لئے کون اہل تھا۔

حاصلِ کلام

ابن خلدون کی اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) یزید فاسق وفاجر تھا، اس کا فسق وفجور عوام وخواص پر ظاہر ہو چکا تھا۔

(۲) تمام صحابہؓ کو اس کی ان خامیوں کا احساس تھا لیکن عام صحابہؓ فتنہ وفساد کے خوف سے خروج کے قائل نہیں تھے اور بعض حضرات اس کے فسق کی وجہ سے خروج کو ضروری سمجھتے تھے۔

(۳) حضرت حسینؓ نے اس وقت خروج کیا جب یزید کا فسق کھل کر سامنے آگیا۔

(۴) حضرت حسینؓ پر صحابہؓ نکیر نہیں کرتے تھے اور نہ گنہگار سمجھتے تھے۔

(۵) حضرت حسینؓ سے قتال کو ہرگز جائز نہیں کہا جا سکتا۔

(۶) اس قتال کی ذمہ داری یزید اور اس کے ساتھیوں پر آتی ہے۔

(۷) حضرت حسینؓ برحق تھے، واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔

(۸) حضرت حسینؓ کی حیثیت باغی کی نہیں تھی بلکہ وہ "غلط بنیادوں پر قائم حکومت" کو مٹا کر "جائز اسلامی خلافت اور حکومت عادلہ" قائم کرنا چاہتے تھے۔

اب ان حقائق کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیجئے، کہ مصنف کے پیش کردہ تصورات کس حد تک صحیح ہیں؟

"برہان دہلی دسمبر ۱۹۵۹ء"

کتاب خلافت معاویہ ویزید پر تبصرہ

از ابوالمنظور شیخ احمد استاذ مدرسہ احیاء العلوم بالسواد دکن

منقول از ماہنامہ دارالعلوم جنوری ۱۹۶۰ء

"خلافت معاویہؓ و یزید" نامی کتاب کے تعلق سے مولانا محمد اسحٰق صاحب ندوی استاذ دارالعلوم ندوہ کا بیان

مندرجہ "صدق جدید" ۱۳ نومبر ۱۹۵۹ء پڑھ کر بڑا تعجب ہوا وہ فرماتے ہیں:-

"اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے تعجب نہیں مگر بعض اہل سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے خصوصاً مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کا یہ اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ "کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں" انھوں نے کتاب کی پیشانی پر مولانا کا یہ اعلان ضرور پڑھا ہوگا کہ یہ کتاب بسلسلۂ تاریخ "اختلاف امت" معرض تحریر میں آئی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ "امت" سے مراد صرف شیعہ حضرات ہیں؟ کیا اہل سنت امت میں شامل و داخل نہیں ہیں۔

ندوی صاحب نے بتایا ہے کہ میں نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی۔ اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد" میں نے بھی کتاب اول سے آخر تک دیکھی ہے اور اس پر بطور تبصرہ ایک کتاب لکھی ہے جو زیر طبع ہے اس میں میں نے پوری صراحت و وضاحت سے بتایا ہے کہ کتاب کس تحریک کے زیر اثر لکھی گئی ہے کس غرض اور مقصد کے لئے لکھی گئی ہے کس ذہنیت اور کس نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس کا اصل موضوع کیا ہے دراصل اس کا موضوع مذہبی عقائد ہیں نہ کہ تاریخی واقعات، اس میں تاریخی واقعات پر جس انداز سے بحث کی گئی ہے اس کی براہ راست زد مذہبی عقائد پر پڑتی ہے اور وہ نہ صرف اُلٹ پلٹ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بلکہ امت سے وہ سارا سرمایہ علوم ہی چھن جاتا

ہے جس پر اس کے مذہبی عقائد کا دارومدار ہے۔ مولف نے پچھلے ہزار بارہ سو سال کے تمام مورخین، محدثین، مفسرین اور دوسرے علوم و فنون کے ماہرین کو مجروح و ناقابلِ اعتبار ٹھیرا کر ماضی سے امت کا رشتہ بالکلیہ کاٹ دینے کی کوشش کی ہے۔ مولف نے ابن جریر طبریؒ، "ابن کثیر دمشقیؒ" اور جلال الدین سیوطیؒ وغیرہم تک کو جن جن الفاظ میں یاد کیا ہے وہ کتاب میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں۔ خصوصاً کتاب کے دوسرے ایڈیشن پر مؤلف نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ تو پوری طرح اس کی ذہنیت اور اس کے نقطۂ نظر کا آئینہ دار ہے۔

ندوی صاحب نے یہ بات بالکل غلط سمجھی ہے کہ کتاب میں محض یزید کو قتل حسینؓ کی ذمہ داری سے بری ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر بات صرف اتنی ہوتی تو یہ ایک تاریخی اختلاف ہوتا کہ فی الواقع یزید اس جرم کا مرتکب ہوا تھا یا نہیں لیکن یہاں تعصب اس درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہے کہ امام حسینؓ کے مسلک و موقف کو پوری سنگدلی کے ساتھ مسخ کیا گیا ہے آپ پر سخت سے سخت الزامات لگائے گئے ہیں آپ کو بد سے بدتر الفاظ میں مطعون کیا گیا ہے۔ آپ کی سیرت کا حلیہ بگاڑ کر رکھدیا گیا ہے یہاں تک کہ "مات میتۃ جاھلیۃ" اور "فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف" وغیرہ احادیث کو نقل کرکے انھیں امام عالی مقام پر چسپاں کیا گیا ہے۔ اب ان احادیث کا کیا حشر ہوگا جن سے امام کے مسلک اور موقف پر بخوبی روشنی پڑتی ہے اور وہ حدیثیں کہاں جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ کا نام لے کر آپ کو سید اشباب اہل الجنۃ" فرمایا ہے۔ کیا جاہلی اور حرام موت مرنے والے بھی جنت میں جا سکتے ہیں؟ چہ جائیکہ وہ اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں۔ پھر وہ ساری احادیث کہاں چلی گئیں جن میں حضورؐ نے آپ کو اپنا محبوب بھی بتایا ہے، خدا سے آپ کی محبوبیت کے لئے دعا بھی کی ہے

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ حسینؓ اہل آسمان کے نزدیک تمام اہلِ زمین میں محبوب ہیں کیا خدا اور رسولؐ اور ساری خلق کے محبوب کی وہی سیرت ہے جسے یہاں پیش کیا گیا ہے ؟ یہاں تو تعصب نے یزید کو علی مرتضیٰؓ تک پر فوقیت دیدی ہے اور ان کے مقابلہ میں یزید کو پہلا متفق علیہ خلیفہ تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر تعصب کے اندھے پن کا حال یہ ہے کہ شاہان بنی امیہ کو حدیث نبویؐ " لایزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشرۃ خلیفۃ " کا مصداق بتاتے ہوئے حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، حسنین رضی اللہ عنہم کو سرے سے اڑا دیا گیا ہے۔ اور امیر معاویہؓ کو پہلا خلیفہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مروان بن محمد کو تو اس لئے خارج کر دیا گیا ہے کہ اس پر بنی امیہ کی حکومت ختم ہو گئی۔ لیکن جب اس کے باوجود یہ دقت پیش آئی کہ بارہ کے تیرہ بادشاہ رہے جاتے ہیں تو درمیان سے امت محمدیہ کے مجدد اول عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسے خلیفہ راشد کو پوری بے دردی سے ہٹا دیا گیا ہے اور باقی شاہان بنی امیہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہی وہ بارہ خلفائے اسلام ہیں جن کے متعلق حضورؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ان کے زمانے میں اسلام زبردست اور طاقتور رہے گا۔ احادیث نبویؐ کے ساتھ یہ سلوک دوسرے مقامات پر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ صحیحین کی ایک حدیث کو " محل نظر " قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کی رو سے ابن سعد عہد نبوی کا مولود نہیں اور مؤلف کو یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ عہد نبویؐ کا مولود تھا۔ ایک اور مقام پر " ابوداؤد " وغیرہ صحاح کی حدیث " الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنۃ ثم ملک کو وضعی ٹھیرایا گیا ہے کیونکہ وہ مؤلف کے نقطۂ نظر کے بالکل خلاف ہے۔ مولانا محمد اسحٰق صاحب نے لوچھا ہے کہ غریب مصنف

لہ مولانا محمد اسحاق سندیلوی کے، ممدوح جناب عظیم الدین کا کو شش ہی سے اور مولانا کی تقریظ نے ان کے اس حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

نے کیا جرم کیا ہے، اور مسلک اہل سنت والجماعت کی کونسی مخالفت کی ہے؟" میں کہتا ہوں کہ اگر یہ جرم نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ اگر یہ مسلک اہل سنت والجماعت کی مخالفت نہیں تو کیا یہ موافقت ہے؟

ان کے نزدیک کتاب میں کسی دینی پیشوا کی شان میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں کی گئی ہے۔ انھوں نے حضرات اہل سنت سے یہ بھی فرمایا ہے کہ پوری کتاب دیکھے بغیر کوئی فیصلہ ہرگز نہ کریں۔ پس اگر کسی کے نزدیک امام حسینؓ سرے سے دینی پیشوا تھے ہی نہیں اور اسی لئے ان کی شان میں کسی گستاخی و بے ادبی کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ تب تو خیر۔ لیکن جو لوگ انھیں اپنا دینی پیشوا مانتے ہیں وہ کتاب کے حسب ذیل مقامات دیکھ کر خود فیصلہ کریں کہ ان تحریروں کو کم سے کم کن الفاظ میں یاد کیا جا سکتا ہے۔

صفحات ۷۶، ۴۴ تا ۹۵، ۹۷، ۹۸ تا ۱۰۶، ۱۳۳، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰۔ ان کے نزدیک کتاب کو ضبط کرانے کی کوشش اعتراف شکست کے مرادف ہے، لیکن میرے نزدیک یہ کوشش کتاب کی اشاعت سے اٹھنے والے وسیع و شدید فتنوں کو جلد سے جلد دبانے کی ایک بے تابانہ خواہش ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علمی حیثیت سے اس کی ایک ایک سطر کا مدلل و مکمل جواب دیا جا سکتا ہے۔ ان کے نزدیک اگر یہ کتاب ضبط ہوئی تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی لیکن میرے نزدیک اس کی اشاعت و تبلیغ اور اس کی پرزور تائید و حمایت نہ صرف ناانصافی ہے بلکہ امت کے لئے سخت فتنہ و فساد اور انتشار و نقصان کا باعث ہے۔ امت کے ذمہ دار بزرگوں کو اس سوچی سمجھی اور گہری سازش کے انسداد کی فی الفور کوشش کرنی چاہئے۔

مولانا محمد اسحٰق صاحب نے حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند سے ان کے بیان کی وضاحت چاہی ہے، میں وضاحت طلبی کی پرزور تائید کرتا ہوں اور میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اس کی وضاحت میں ایک تفصیلی مقالہ قلم بند فرمائیں۔

فیصلہ کن سوالات و جوابات

سوال ایک روز چند اشخاص اہل سنت والجماعت کے ایک جگہ بیٹھے تھے۔ ان میں تذکرہ مذہب کا تھا۔ تفضیل الشیخین پر فریقین متفق ہیں۔

(۱) احمد کا دعویٰ ہے کہ اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اعلیٰ ہے۔ محمود کا دعویٰ ہے کہ صحابہؓ کی شان اہل بیت اطہار سے بڑھی ہوئی ہے اور یہ کہ صحابہ کی شان میں حدیث آئی ہے کہ جو کوئی ان کی پیروی کرے گا ہدایت پائیگا۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کی آیت سے بھی ان کی شان و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے احمد نے کہا اہل بیتؓ کی شان میں بھی حدیثیں آئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں دو چیزیں اپنے بعد موجب نجات اپنی امت میں چھوڑنے جاتا ہوں۔ ان میں سے ایک قرآن پاک اور دوسری اہل بیت ہے۔ جو ان دونوں کو اختیار کرے گا نجات پائے گا۔ محمود نے کہا وہ حدیث جو صحابہ کی شان میں ہے اس کے مقابلہ میں اہل بیت کی شان کی حدیث نہیں ہے۔

(۲) اسی مجلس میں ذکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا آیا۔ اس پر محمود نے کہا کہ وہ "عشرہ مبشرہؓ" میں ہیں۔ احمد نے کہا کہ مجھے عشرہ مبشرہؓ کی تو تحقیق نہیں لیکن آپ صحابی ضرور ہیں مگر ان سے کچھ غلطی ہوئی۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے "تحفۂ اثنا عشریہ" میں لکھا ہے کہ ان سے خطا ضرور ہوئی۔ محمود نے کہا کچھ بھی ہو لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا درجہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسین علیہ السلام یعنی اہل بیت سے بڑھا ہوا ہے۔ براہ کرم اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

(۳) بعدہ ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ ایسا اعتراض حضرت علی کرم اللہ

عنوان از ادارہ

وجہکے ایمان پر بھی ہے کیونکہ وہ نابالغی کی حالت میں ایمان لائے تھے اور نابالغی کے ایمان اور فعل کا اعتبار نہیں ہوتا۔

(۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر کن صحابہ کو فضیلت ہے ؟

(۵) ایک بار تذکرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا آیا تو کسی نے کہا کہ ان کی شہادت تو مروان کے فعل سے ہوئی جیسا کہ مشہور ہے کہ فاقبلوا کی جگہ فاقتلوا لکھ دیا۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خبر ملی کہ دشمنوں نے خلیفہ سوم کے مکان کو گھیر لیا ہے اور حملہ آور ہیں تو اپنے دونوں صاجزادوں کو مسلح کرکے بھیجا اور سمجھا دیا کہ حضرت عثمانؓ کو دشمنوں کے آزار سے بچاتا اس پر محمود نے کہا کہ یہ کام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا صرف دکھانے کا تھا حقیقتاً ان کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت منظور نہ تھی۔

حضرات علماء سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا واقعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ ؟ المستفتی نمبر ۵۲۳ شیخ شفیق احمد (ضلع مونگھیر) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۳۵ء

(۱۴۲) جواب (۱) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان بھی رفیع ہے اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان بھی بلند ہے۔ اہل بیت میں داخل ہونے کا شرف جدا ہے اور فضیلت صحبت جدا۔ دونوں کے متعلق صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ جن لوگوں کو دونوں شرف حاصل ہوئے یعنی وہ اہل بیت میں بھی ہیں اور صحابی بھی ہیں جیسے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما ان کی فضیلت دونوں جہت سے ثابت ہے۔ اور جو اہل بیت میں شامل ہیں مگر صحابی نہیں ان کو ایک شرف حاصل ہے دوسرا نہیں۔ جو صحابی ہیں مگر اہل بیت میں شامل نہیں، ان کو بھی ایک شرف حاصل ہے دوسرا نہیں۔ اس کے بعد علم و تقویٰ اور دیگر صفات کی وجہ سے فضیلت کے مراتب کم و بیش ہوتے ہیں۔ اس لئے اس بارے میں اسی قدر اعتقاد پر اکتفا کرنا اسلم ہے۔ شیخین کی فضیلت

۱؎ مولوی غلام الدین وغیرہ بھی ایسا ہی تاثر دیتے ہیں۔

کلیہ باوجود اہل بیت میں داخل نہ ہونے کے صرف صحابی ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے اوصاف کاملہ علم و تقوی اور خدمات دینیہ کی بنا پر ہے جن میں وہ خاص امتیازی شان رکھتے ہیں۔

(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں عشرہ مبشرہؓ میں داخل نہیں ہیں۔ اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ وہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ ان کے لئے وہ مناقب جو احادیث میں آئے ہیں کہ وہ حضورؐ کے کاتب وحی تھے اور حضورؐ نے ان کو اپنا کرتہ مرحمت فرمایا تھا اور دعا دی تھی اور ان کے پاس حضور کے

(آگے کچھ عبارت رجسٹر میں[1] منقول نہیں ہے (واصف)

(۳) یہ اعتراض مہمل اور لغو ہے۔ یہ تو حضرت علی کی فطری اور طبعی صلاحیت کی دلیل ہے کہ بچپنے میں ہی ان کو معرفت حق اور قبول صداقت کی توفیق مبدا فیاض سے عطا ہوئی تھی۔

(۴) ترتیب فضیلت ترتیب خلافت کے موافق ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی ذوالنورین حضرت علی سے افضل ہیں۔ ان تینوں کے بعد حضرت علی باقی صحابۂ کرام سے افضل ہیں۔

(۵) یہ خیال کہ حضرت علی نے صرف دکھاوے کے لئے حضرت حسن و حسین کو بھیجا تھا، حفاظت منظور نہ تھی، بدگمانی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ایسی بدگمانی کرنی مناسب نہیں[2]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال | متعلقہ واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

(۱۴۶) **جواب**۔ جب مفسدوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ

[1] یہی امام ابن تیمیہ اور تمام اہلسنت کا متفقہ فیصلہ ہے۔ [2] مولانا محمد اسحاق سندیلوی اور جعفر شاہ پھلواروی کے ممدوح مولوی عظیم الدین بھی یہی تاثر دے رہے ہیں بلکہ یزید کو خلیفہ رابع علی مرتضیٰ کے مقابلہ میں اعلیٰ سیرت و فہم ثابت کر رہے ہیں۔ نقل مطابق اصل ادارہ

عنہا کو ان کے دروازے پر حفاظت کے لئے متعین کر دیا تھا کہ کوئی مفسد گھر میں داخل نہ ہو سکے۔ مفسد دروازہ چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار پر چڑھ کر گھر میں اترے اور حضرت عثمان کو قتل کر دیا۔ حضرت علی کو جب خبر ہوئی تو انھوں نے آکر امام حسن کے منہ پر طمانچہ مارا، اور حضرت امام حسین کے سینے پر پتھر مارا اور فرمایا کہ تم دونوں کے موجود ہوتے ہوئے حضرت عثمان کیسے شہید کر دیئے گئے۔ جب حضرت علی کو واقعہ معلوم ہوا کہ قاتل دیوار پھاند کر گھر میں گھسے تو انھوں نے امام حسن اور امام حسین کو معذور سمجھا۔ حضرت عثمان کے منہ پر طمانچہ مارنے کا بیان صحیح نہیں اور حضرت عثمان دوسرے روز دفن ہوئے۔ تین دن نعش کا پڑا رہنا بھی غلط ہے۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہونا بھی درست نہیں۔

محمد کفایت اللہ

سوال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت غصب خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت باوجود اس کے فسق و فجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں کس حد تک صحیح و درست ہے؟

المستفتی ۱۳۰۲ سید خلیل حیدر (کانپور) ۵ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۹۳۷ء

(۱۴۷) جواب۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے۔ انھوں نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی کیونکہ یزید سے بہتر اور اولیٰ و افضل افراد موجود تھے۔ لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال و افعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی کیونکہ اسلام اور قرآن پاک کا اصول ہے۔ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہیے۔

یہ سوالات و جوابات "کفایت المفتی" جلد ثانی مؤلفہ مفتی کفایت اللہ سابق مفتی اعظم ہند سے نقل کئے ہیں ص ۱۳۰، ص ۱۳۱، ص ۱۳۲، ص ۱۴۰، ص ۱۴۱

از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ

فتنۂ محمودیت

جب حضرت شیخ کو اپنے تلمیذ ارشد حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب (جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز اور بھتیجے ہیں) کے خطوط سے معلوم ہوا کہ حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" پڑھی جارہی ہے تو فوراً حضرت نے خطوط کے ذریعہ اس کا مجلس میں پڑھے جانے کو موقوف کرادیا۔ وہ دونوں خط ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

"مکرم و محترم مولوی عبدالجلیل صاحب مدفیوضکم

بعد سلام مسنون! اس وقت جمعہ کے دن ۱۱½ بجے میر صاحب سے سرسری ملاقات ہوئی کہ ہجوم تھا۔ رسالہ پہنچ گیا مگر دستی پرچہ باوجود میرے سوال کے بھی کوئی نہیں دیا۔ اس کے بعد ڈاک آئی اور اس میں کارڈ پرسوں بدھ کا لکھا ہوا ملا۔ اگرچہ اس وقت جمعہ اور ہجوم کی وجہ سے وقت تنگ ہے مگر چونکہ اس میں ایک تو حضرت کے نظام الاوقات میں یہ لکھا کہ ایک کتاب خلافت معاویہؓ و یزید کے متعلق سنائی جارہی ہے۔ اگر یہ وہی عباسی والی ہے تو ہرگز اس قابل نہیں کہ مجمع میں سنائی جائے۔ جو حدیث شریف سے واقف نہیں، تاریخ پر عبور نہیں رکھتے۔ ان کو اس کا دیکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ سخت گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اس بدنصیب نے دیدہ دانستہ عبارتیں مسخ کی ہیں۔ مثال کے طور پر

لکھتا ہوں کہ حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب التہذیب سے یحییٰ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ حافظ نے ان سے یزید کی توثیق نقل کی۔ اب ذرا کوئی شخص اصل کتاب کو نکال کر دیکھے تو معلوم ہو کہ حافظ نے اس میں یہ لکھا ہے کہ یحییٰ جو ایک ثقہ آدمی ہیں۔ انہوں نے فلاں سے جو ثقہ ہے، یہ نقل کیا کہ میرے سامنے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہہ دیا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اسے کوڑے لگوائے کہ تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟ اس سے اندازہ کریں کہ اس جاہل نے اس کو یہ لکھا کہ حافظ نے یحییٰ سے یزید کی توثیق نقل کی۔ تعجب ہے کہ مولانا محمد صاحب کے وہاں ہوتے ہوئے بھی یہ کتاب حضرت کی مجلس میں پڑھی جا سکتی ہے۔ نہایت عجلت میں یہ سطور اس لیے لکھ دیں کہ میر جی صاحب آج جا رہے ہیں۔ ڈاک کا خطرہ معلوم کب تک پہنچے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں سلام کے بعد دعا کی درخواست۔

فقط

زکریا

۳/ جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ

مولانا عبد الجلیل صاحب مدظلہ نے مکتوب بالا کے جواب میں عریضہ لکھ کر واضح فرمایا کہ کتاب "خلافت معاویہؓ و یزید" مجلس عام میں نہیں سُنی گئی بلکہ صرف چند مخصوص خدام کی موجودگی میں سُنی گئی ہے۔

اس پر دوبارہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنے والا نامہ میں تحریر فرمایا:

کتاب خلافت معاویہؓ (و یزید) کے متعلق تم نے لکھا ہے کہ خواص کے مجمع میں پڑھی جاتی ہے لیکن جن خواص کا نام آپ نے

لکھا ہے وہ بھی تاریخ و حدیث کے زیادہ ماہر نہیں ہیں اور اس کتاب میں بد دیانتی سے کام لیا گیا ہے، کہ "لا تقربوا الصلوٰۃ" سے نماز کے پڑھنے کی قرآن پاک سے ممانعت کے مشابہ ہے۔

فقط والسلام

زکریا، مظاہر العلوم، ۱۱ جمادی الثانی ۷۹ھ

حضرت مولانا انور حسین نفیس رقم صاحب مدظلہ (خلیفہ مجاز حضرت رائپوری قدس سرہٗ) لکھتے ہیں کہ کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" کے مندرجات سے حضرتِ اقدس رائپوری کو جو محبتِ صحابہؓ و اہل بیتؓ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کیسے اتفاق ہو سکتا تھا؟ یہ خواندگی تو محض معلومات کے لیے تھی۔ حضرت اقدس نے اپنے مخصوص انداز میں ایک مختصر اور بلیغ جملے سے اس کتاب کی تردید فرما دی۔ فرمایا: "ہمیں تو اہل بیت کرامؓ سے بھی محبت ہے۔" انہی دنوں یہ بھی فرمایا کہ "میں تو ان سیدوں کا غلام ہوں، لیکن شیعوں کا نہیں" کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" دوبارہ کبھی حضرتِ والا کی مجلس میں دیکھی اور سُنی نہ گئی۔ حالانکہ پسندیدہ کتابیں مجلسِ مبارک میں بار بار پڑھی جاتی تھیں۔

علماء اہلِ سُنت دیوبند نے برملا اس کتاب کی تردید کی اور اس کے مصنف کی فتنہ انگیزی سے عامۃ المسلمین کو آگاہ کیا[1]

---

[1] حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زید مجدہٗ خلیفہ مجاز شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کی کتب "خارجی فتنہ" اور "کشفِ خارجیت" اس موضوع پر بہترین کتابیں ہیں۔

فاطمہ بنت رسولؐ کی توہین "بخاری" اور روایات صحاح کو جعلی قرار دینا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

(۲) محمود احمد صاحب عباسی مصنف "خلافت معاویہ و یزید" "تحقیق مزید" وغیرہ سے بندہ "لیاقت آباد" میں رہنے کی وجہ سے ایک عرصہ سے واقف تھا۔ شروع شروع میں روافض دشمنی کی قدرِ مشترک کی وجہ سے عباسی صاحب سے خاصی دوستی بھی۔ کبھی کبھی ان کے کہنے پر بعض عربی عبارتوں کے ترجمہ میں مدد بھی دی اسی طرح بعض کتابوں کے حصول میں معاونت بھی کی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ روافض کے خلاف عباسی صاحب اچھا کام کر رہے ہیں، بلکہ بعض بزرگوں کی ملاقات عباسی صاحب سے بندہ ہی نے کرائی۔

ایک عاشورۂ محرم پر عباسی صاحب کا یہ رنگ بھی دیکھا کہ ان کے مکان پر اچھے خاصے لوگ جمع ہیں، اور عباسی صاحب حضرت زینب بنت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اور ان کی اولاد امجاد کا ذکر کر رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ اس منظر سے میں خاصا متاثر ہوا لیکن کچھ دن کے بعد یہ واضح ہوا کہ موصوف خاصے ناصبی ہیں۔ ایک بار میرے اور کچھ لوگوں کے سامنے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر العیاذ باللہ تنقید شروع کر دی اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ وہ "اتنی سی تھیں" یعنی ان کا قد چھوٹا تھا۔ میں فوراً کھڑا ہو گیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو چیز اذیت دے وہ مجھے بھی اذیت پہنچاتی ہے۔ آپ کس طرح خاتونِ جنت کی غیبت کر رہے ہیں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ بخاری کی حدیث ہے۔ اس پر وہ "بخاری" اور دیگر کتب حدیث پر تنقید کرنے لگے، اور منکرین حدیث کے طرز پر "احادیث صحاح کو" بھی "سازش" کہنے لگے، اس سے پہلے میں مشہور منکرِ حدیث تمنا عمادی کو ان کے یہاں دیکھ چکا تھا وہ ان کے بڑے مداح تھے اور ان کی خود ساختہ تحقیقات کے خاصے معترف تھے ان واقعات

بعد بندہ نے عباسی صاحب کے یہاں آنا جانا چھوڑ دیا، اور مجھ پر واضح ہوگیا کہ یہ شخص ناصبی اور منکر حدیث ہے۔

والعلم عند اللہ تعالیٰ وھو اعلم

کتبہ

ولی حسن مفتی دارالافتاء جامع العلوم الاسلامیہ

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ

از حکیم سید محمود احمد برکاتی

عباسی صاحب حقیقۃً کیا تھے؟ فیصلہ کن اشارات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۵) محمود احمد عباسی صاحب مرحوم سے میرا تعارف پاکستان آکر غالباً ۵۴-۱۹۵۳ء میں ہوا تھا۔ انھیں کسی کتاب کی ضرورت تھی اس لئے کسی کی نشان دہی پر میرے یہاں آئے تھے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ہمارے استاد امام طب حکیم فرید احمد صاحب عباسی مرحوم و مغفور کے چھوٹے بھائی ہیں تو ایک قرب کا پہلو نکل آیا اور طرفین کی آمد و رفت شروع ہو گئی ان کے اور ان کے اہل و عیال کی خدمتِ علاج کے بھی مواقع بار ہا ملے،

کچھ ہی دن کے بعد ان کی کتاب کے چرچے علمی حلقوں میں شروع ہوئے مگر مطالعے کی لت کے باوجود مجھے اس کتاب کے مطالعے کی اکساہٹ نہیں ہوئی کیونکہ اہل تسنن اور اہل تشیع کے اختلافات میرا موضوع فکر و مطالعہ ہیں نہ میری افتادِ مزاج کو خلافیات سے کوئی مناسبت ہے نہ میں ان مناقشات کو امت محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حق میں مناسب اور مفید سمجھتا ہوں اور تاریخی، کلامی یا فقہی مسالک کے اختلاف کے بجائے عقائد کے اشتراک اور متفق علیہ امور پر نگاہ رکھتا ہوں، بہرحال میں یہ کتاب نہ پڑھ سکا، مگر ایک بار خود عباسی صاحب مرحوم ہی نے مجھے "خلافت معاویہ و یزید" عنایت فرمائی، تو اسی مطالعے کی لت کے ہاتھوں اس کا مطالعہ کر گذرا اور خلاف مزاج پاکر الماری میں سجادی، اور یوں عباسی صاحب کے افکار و آراء کا تعارف

حاصل ہوگیا لیکن اس موضوع پر ان سے گفتگو کی کبھی نوبت نہیں آئی حالانکہ انھوں نے بارہا سلسلہ چھیڑا مثلاً ایک بار انھوں نے فرمایا تم حسنی سید ہو یا حسینی؟" میں اس سے پہلے کئی حضرات سے سن چکا تھا کہ وہ شجروں اور انساب پر گفتگو کرتے ہیں اس لئے تڑاخ سے جواب دیا کہ "میں نے آپ سے کب کہا کہ میں سید ہوں"، اس پر وہ خاموش ہوگئے، اسی طرح میں نے جب سرسید مرحوم کی کتاب "سیرت فریدیہ" ایڈٹ کی اور اس کے مقدمہ میں سرسید کے سیاسی کردار پر تنقید کی تو عباسی صاحب ایک روز فرمانے لگے، کل ہمارے ایک دوست کہہ رہے تھے کہ تمھارے عزیز (میری طرف اشارہ تھا) نے تمھارے مقتدا (سرسید) پر بڑی سخت تنقید کی ہے"۔ تو میں نے برجستہ جواب دیا کہ جی ہاں وہ صاحب مجھ سے بھی کہہ رہے تھے مگر میں نے ان سے کہدیا کہ عباسی صاحب نے ہمارے نانا (سیدنا حسین رض) کو نہیں بخشا تو ہم ان کے مقتدا کو کیوں بخشتے، اس پر وہ بڑی دیر تک ہنسے اور بات آئی گئی ہوئی۔

عباسی صاحب سے ان ملاقاتوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ معمولی صلاحیتوں کے آدمی تھے، عربی غالباً بالکل نہیں جانتے تھے، فارسی پر بھی عبور نہیں تھا، میں نے ان کو فارسی کی غلط عبارتیں پڑھتے کئی بار سنا ہے، تحریر کا کام بھی وہ مسلسل نہیں کرتے رہے، آغاز عمر میں تاریخ امروہہ "تحقیق الانساب" اور "تذکرۃ الکرام" لکھی تھیں، اس کے بہت عرصے بعد ۷۰ سال سے زیادہ کی عمر میں "خلافت معاویہ و یزید" لکھی، اس کتاب کے سلسلے میں ان کو متعدد اہل علم و قلم کا تعاون حاصل تھا جن میں سے ایک نام کے متعلق مجھے تحقیق ہے اور وہ ہے "مولانا تمنا عمادی" کا نام، جو ان کے لئے کتب تاریخ سے اقتباسات اور ان کے ترجمے لکھ کر بھیجا کرتے تھے، ایک بار وہ عباسی صاحب کے یہاں چند روز مقیم بھی رہے اور

؂ بھائی (قاری علی مجتبٰی نقوی) بھی ان کے متعلق یہی کہتے رہے ہیں۔ ادارہ

وہاں بھی میں نے انھیں یہی کام کرتے دیکھا ہے۔

دوسرا تاثر میرا یہ ہے کہ وہ اپنی تحریک کے سلسلے میں مخلص نہیں تھے زبان و قلم سے رد شیعیت کے باوجود اہل تشیع سے ان کے گوناگوں مراسم تھے، ایک بار میں پہنچا تو چند نامور شیعہ اہل قلم ان کے یہاں بیٹھے تھے اور بڑا پرتکلف ناشتہ کر رہے تھے اور محبت اپنائیت کی باتیں ہو رہی تھیں، ان کے جانے کے بعد از خود صفائی کرنے لگے کہ ان بچوں سے وطن ہی سے مراسم ہیں، بڑی محبت کرتے ہیں، میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں، میں نے "جی" کہہ کر بات ٹال دی کہ مجھے اس سے کیا دلچسپی؟ اسی طرح ایک بار انتخابات میں انھوں نے ایک شیعہ امیدوار کو ووٹ دیا اور میرے سامنے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کے خاندان سے قدیم مراسم ہیں، اور میں اسے اہل بھی سمجھتا ہوں، ایک بار ان کی اہلیہ محترمہ جو مجھ پر بڑی شفقت فرماتی تھیں اپنے ایک ہمسائے کی شکایت کرنے لگیں کہ "وہ آج صبح انھیں (عباسی صاحب کو) گالیاں دے رہا تھا اور یزید اور یزید کی اولاد تک کہہ گیا"۔ اس پر میں نے ازراہِ تفنن کہہ مارا کہ "یہ تو آپ کے نقطۂ نظر کے پیش نظر مدح ہوئی، قدح نہیں ہوئی۔" اس پر وہ بہت برہم ہوگئے اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے، اور ان کی اہلیہ محترمہ کہنے لگیں "کیوں چھیڑتے ہو؟"

مطلب یہ ہے کہ میرے خیال میں وہ دل سے یزید دوست اور شیعہ دشمن نہیں تھے بلکہ دانستہ یا نادانستہ کسی اسلام دشمن تحریک یا طاقت کا آلۂ کار تھے اور افتراق بین المسلمین کی مہم میں سرگرم تھے، میں نے ان میں شیعیت کے مظاہر تو کئی بار دیکھے (مثلاً مجالس تک ان کے یہاں برپا ہوتی تھیں اور وہ ذکر کر کے روتے اور رلاتے تھے) مگر ان کی پابندئ احکام شریعت کا کوئی منظر اور واقعہ میرے علم و ذہن میں نہیں ہے، کم سے کم میں نے ان کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا نہ کسی سے سُنا۔ تجارت اور معاشی منفعت بھی اس مہم

---

* اس واقعہ کو ذہن میں رکھ کر عباسی صاحب کو سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ وہ کیا تھے (ادارہ)

میں یقیناً ان کے پیشِ نظر تھی! ایک بار نیاز فتح پوری کا ایک خط انھوں نے ایک دوسرے خط کے دھوکے میں مجھے پڑھنے کے لئے دیا میں بھی جب خط پڑھ چکا تو پتہ چلا کہ یہ وہ مطلوبہ خط نہیں ہے خط انھیں واپس کیا تو وہ بھی چکرا سے گئے، بہر حال اس خط کا جو مفہوم ذہن میں مستحضر ہے کچھ اس قسم کا تھا کہ "خوب کتاب لکھی ہے، کچھ ہنگامہ گرم رہے گا، لطف رہیگا خوب نکل رہی ہوگی، میں نے بھی اس پر تبصرہ لکھا ہے، کتابی شکل میں بھی آئے گا، اسے وہاں نکلوائیں اور اپنی کتاب کے اتنے نسخے تاجرانہ نرخ پر مجھے بھجوائیں، کہ تبصرہ پڑھ کر کتاب کی مانگ بھی آئے گی۔"[۵]

اسی طرح ایک صاحب سے جو نہ خدا کے قائل تھے نہ مذہب کے ان سے اپنی تحقیق کا ذکر کر کے چاہتے تھے کہ وہ رائے دیں، انھوں نے کہا "میری رائے کا کیا کریں گے، میری نظر میں آپ کے حسین اور آپ کے یزید دونوں گھٹیا تھے، عالمی سطح پر ان کی حیثیت نہیں ہے، تاریخ عالم کے اکابر میں ان کو محسوب نہیں کیا جا سکتا۔ تخت کے دو معمولی امیدوار لڑ پڑے تھے اور ایک ہار گیا"[۶] اس پر عباسی صاحب نے تائید اور مسرت کا اظہار ایک قہقہے سے کیا، اور انگریزی میں چند جملے کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ "بالکل یہی رائے میری اور ہر پڑھے لکھے آدمی (ایجوکیٹڈ) کی ہے۔ مگر ان صاحب (جنٹل مین) کے سامنے بات نہ کیجیے یہ لوگ قدامت گزیدہ (آرتھوڈکس) ہوتے ہیں" عباسی صاحب نے مجھے انگریزی سے نابلد سمجھا تھا، میں نابلد ہی بنا رہا اور اجازت چاہی جو بڑی خوش دلی سے دیدی گئی، میرے بعد باہم گفتگو ہوئی ہوگی کہ آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں میں تو خود روشن خیال اور آزاد فکر ہوں، مگر ایک فرقے کو بہکانا اور معاشی منفعت حاصل کرنا ہے، اس قسم کے حضرات کو صرف معاشی منفعت ہی حاصل ہو کر رہ جاتی ہے یا پھر اس کے ساتھ کوئی عالی منصب اور شہرت بھی

[۶] ان لائنوں میں آپ خوب خوب عباسی صاحب کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ ادارہ

مگر اصل منفعت تو کفار کو حاصل ہوئی ہے، یہود کو حاصل ہوئی، اسلام دشمنوں کو حاصل ہوئی ہے جنھیں اگر کوئی خطرہ ہے تو اس امت کی بیداری سے ہے۔ اس لئے وہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور انھیں تاریخی، کلامی اور فقہی مسائل پر اختلافات کی آگ کو اپنے دامن دولت سے ہوا دیکر فروزاں کرتے ہیں۔

ان کے مسلک کے بودے پن کے سلسلے میں یہ دلچسپ واقعہ بھی سننے کا ہے، ایک بار معلوم ہوا کہ لاہور سے حکیم حسین احمد صاحب عباسی مرحوم آئے ہوئے ہیں اور محمود احمد عباسی صاحب کے یہاں مقیم ہیں۔ چنانچہ میں اور میرے رفیق درس اور عزیز دوست حکیم جامی صاحب (جو کوٹری سے حسین میاں سے ملنے کے لئے ہی تشریف لائے تھے) عباسی صاحب کے یہاں پہنچے، حسین میاں تو نہیں ملے البتہ عباسی صاحب ضرور مل گئے اور حسب عادت وہی موضوع چھیڑ دیا، میں حسب دستور تحمل سے کام لیتا رہا مگر جامی صاحب تحمل کے قائل نہیں اور رد باطل کے لئے ہر وقت آمادہ و مستعد رہتے ہیں اور زبان و بیان تک کی اغلاط کی تصحیح کو جہاد سمجھتے ہیں چنانچہ عباسی صاحب اسلامی تاریخ کے مآخذ پر گفتگو کر رہے تھے اور "طبری" وغیرہ کو نامعتبر بتا رہے تھے، اچانک سیدنا حسین کے لئے فرمانے لگے انھیں "خناق" کا مرض تھا اور اطبا نے لکھا ہے کہ اس مرض میں مبتلا انسان کی قوت فیصلہ بہت متاثر ہو جاتی ہے۔ اب جامی صاحب کے جہاد کی گھڑی آگئی تھی، عباسی سے پوچھا کہ یہ بات کس نے لکھی ہے؟ عباسی صاحب روانی میں کہہ گئے کہ "طبری" نے لکھا ہے۔ اس پر جامی صاحب نے ایک بڑے زہریلے قسم کا طنزیہ قہقہہ سر کیا اور بولے جی ہاں وہی طبری جو نامعتبر ہے، اس پر عباسی صاحب نے اپنے موقف کے ضعف کو اپنی برہمی سے قوت میں بدلنا چاہا اور آپے سے باہر ہو گئے، کھڑے ہو کر کہنے لگے میرے بھائی (بابائے طب مرحوم و مغفور) کا شاگرد ہو کر یہ

تنقید کرتا ہے اور ایسی ہی حواس باختگی کی بہت سی باتیں۔ بڑے جوش غضب کے عالم میں کہہ گذرے، جامی صاحب نے جو ایسے معرکوں کے عادی اور ماہر اور جسمانی صحت سے بھی مایہ دار ہیں۔ بڑے اطمینان اور ٹھیرے ہوئے لہجہ میں جواب دیا "بڑے میاں! پہلے تو بیٹھ جاؤ، ہانپ رہے ہو۔ پھر تم اس یگانۂ وقت اور باخدا بزرگ (بابائے طب) سے کیا نسبت رکھتے ہو، اور ان سے نسبت جتاتے ہو جس کی تصدیق کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں اگر ہے تو اسے ثابت کرو اور اچھے آدمیوں کی طرح معقولیت سے بات کرو، اپنی باتوں کے تضاد کو رفع کرو اور اگر کشتی ہی لڑنا ہے تو لو میں بھی کھڑا ہوا جاتا ہوں" (اسی دوران دونوں کی بلند آوازیں سنکر زنانے میں سے ایک نوجوان غالباً نواسہ نکل آیا تھا اسے مخاطب کرکے جامی صاحب نے پچکارتے ہوئے کہا) "میاں ابا کی مدد کے لئے صرف تم سے کام نہیں چلے گا اللہ کے فضل سے ۲۵ آدمیوں سے بیک وقت لڑوں گا" وہ نوجوان تو مرعوب ہوکر پیچھے ہٹ گیا۔ اور میں نے جامی صاحب کی آتش جلال کو سرد کرنے کے لئے کچھ کہنا چاہا تھا کہ جامی صاحب کہہ اٹھے! معاف فرمایئے محمود میاں! میں باطل اور گمراہ کن اور بے سر وپا باتیں سن کر آپ کی طرح خاموش ہو جانا اور تردید کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ اب میں اس شخص کو بھگتنے کے لئے کیا کوئی ٹلے سے پھر کبھی آؤں گا یا یہ مجھے معقول جواب دے ورنہ میں "اپنے بھرے بازو بالو دکھلاتے ہوئے) ان کو حرکت میں لاؤں گا" عباسی صاحب یہ عالم یہ رنگ دیکھ کر بڑے خوف زدہ اور بدحواس سے ہوگئے تھے۔ میں نے اپنے مراسم کے زور پہ جامی صاحب کو بجبر التوائے جہاد پر آمادہ کیا اور ان کو گھسیٹتا ہوا وہاں سے لے آیا۔

عباسی صاحب سے آخری ملاقات یوں ہوئی کہ میرے فاضل دوست

ٖ کیسی قابل رشک قوت ایمانی ہے کاش کہ اہل باطل سے مقابلہ کی ایسی ہی ایمانی قوت اللہ تعالیٰ تمام اہل سنت کو دیدے۔ ادارہ

جناب اقتدا ہاشمی صاحب اور میں عباسی صاحب کے یہاں گئے۔
ہاشمی صاحب تاریخ اسلام پر بڑا عبور رکھتے ہیں اور ان کے اور عباسی صاحب کے درمیان کتب مطالعہ کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ تو ایک دن ہاشمی صاحب اور میں عباسی صاحب کے یہاں گئے۔ عباسی صاحب اور ہاشمی صاحب اسی موضوع (حسین و یزید) پر گفتگو کرنے لگے، میں ایک کتاب ہاتھ میں لے کر وقت گذارنے لگا۔ مطالعہ سے میری توجہ بلند ہوتی ہوئی آواز نے ہٹائی۔

ایڈیٹ ؟! (بیوقوف)

ہاں' ایڈیٹ تھا'

علی ایڈیٹ، علی ایڈیٹ۔

یس علی ایڈیٹ، علی واز ایڈیٹ۔

اور ہاشمی صاحب جو پاؤں اٹھائے تخت پر بیٹھے تھے پاؤں لٹکا کر جوتا پہنتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے "حکیم صاحب! آپ ٹھیریں گے، میں تو چلا' اب برداشت کی بات نہیں رہی،

میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا، فوراً چلئے، اب یہاں کبھی نہیں آنا ہے توبہ توبہ!" اور عباسی صاحب "حکیم صاحب، ہاشمی صاحب" پکارتے رہے مگر ہم وہاں سے نکل آئے اور پھر کبھی وہاں نہیں گئے، یہاں تک کہ عباسی صاحب اس کے دربار میں پہنچ گئے جس کے سامنے ان کا باطن ظاہر ہوگا۔

محمود احمد برکاتی ۱۱ لوکمیت ۲۰ مارچ [illegible]

حکیم سید محمود احمد برکاتی | حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحب معروف طبیب ہیں نہایت سنجیدہ و متدین عالم و فاضل ہیں، عمدہ صاحب قلم و نقاد ہیں، دین کے شیدائی اور جری و حق گو ہیں، مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ تاریخی طبیب حکیم فرید احمد صاحب عباسی امروہوی جو مصنف خلافت معاویہ و یزید کے بھائی تھے ان کے شاگرد رشید ہیں۔

(ادارہ)

عباسی صاحب حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے

از موسیٰ حسن صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۸) والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم ـــــ جہاں اس امت مسلمہ میں ایسے سعادتمند اہلِ علم اور محققین ـــ پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے قلم کے ذریعہ دین کی اشاعت و تبلیغ کی خدمت انجام دی ہے وہاں ایسے بدبخت گمراہ لوگ بھی ہوئے جنھوں نے اپنے قلم کے ذریعہ دین کے متعلق شکوک پھیلائے، واجب الاحترام ہستیوں کو اپنی خباثت کا نشانہ بنایا اور مسلمہ واقعات کو غلط تاویلات کے ذریعہ مسخ کرنے کو اپنی زندگی کا مشن بنایا۔ محمود عباسی صاحب اسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ غالباً ۱۹۵۸، ۱۹۵۵ء کا زمانہ تھا کہ عباسی صاحب کا ایک سلسلہ وار مضمون "الحسین" کے نام سے کراچی کے ایک ماہنامہ میں چھپنا شروع ہوا۔ راقم بھی اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے اس سے متأثر ہو گیا تھا، عباسی صاحب سے اسی دوران تعارف ہوا، اور بعدہ تین چار بار ان سے ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ مگر دورانِ گفتگو عباسی صاحب حضرت علیؓ کی شان میں گستاخانہ کلمات اور مغلظات استعمال کرتے رہے[۱] وہ حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شر سے محفوظ رکھا اور میں نے محسوس کیا کہ یا تو عباسی خارجی ہے یا ناصبی۔

مجھے خوشی ہے کہ مطہر نقوی صاحب نے عباسی صاحب کی خباثت پر سے پردہ اٹھانے کے لئے یہ کتاب[۲] لکھی ہے اور مجھے امید ہے کہ بہت سے لوگ جو عباسی صاحب کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں اس کتاب سے عباسی صاحب کا حقیقی چہرہ دیکھ سکیں گے۔ فقط

موسیٰ حسن

۲۱-۹-۱۹۸۰

---

[۱] موصوف کا بیان ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" پر پابندی کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لئے میں ہی عباسی صاحب کو حسین شہید سہروردی کے پاس لے گیا تھا۔ موصوف سے ملاقات بواسطہ "عوامی کتب خانہ" نزد میمن مسجد بندر روڈ ہو سکتی ہے۔ مطہر نقوی

[۲] محمود عباسی اپنے عقائد و نظریات ــــ سے نشر کرتے ہیں۔ ادارہ

حدیث غزوۂ قسطنطنیہ اور مغفرت یزید

سنہ تصنیف ———— شوال ۱۳۸۳ھ

از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ

اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث پر علمی و تحقیقی بحث غزوۂ قسطنطنیہ میں شریک ہونے والے مجاہدین کی بخشش و مغفرت اور یزید بن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے بشارت اور مغفور لہم میں داخل ہونے نہ ہونے پر ایک گرانقدر اور قیمتی تحریر۔

اسلامی تاریخ کے اس معرکۃ الآراء موضوع پر دل ودماغ اور قلب ونگاہ کی پاکیزگی کے ساتھ جامعیت اور اعتدال سے بھرپور ایسی تحریریں بہت کم پڑھنے کو ملتی ہیں!!

دیوبند سے شائع ہونے والے ایک مشہور مجلہ "ماہنامہ تجلی" کی فروری و مارچ ۱۹۶۱ء[1] کی اشاعت میں جناب مظہر عزیز سہیل، بی، اے گورکھپور کے قلم سے ایک طویل علمی مضمون بعنوان "حدیث غزوۂ قسطنطنیہ پر استفسار" شائع ہوا۔ اس مضمون میں بخاری شریف کی اس حدیث پر بحث کی گئی ہے جسمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اسلامی فوج کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی پیشین گوئی اور اسمیں شرکت کرنیوالے مجاہدین و غازیین کیلئے مغفرت کی بشارت ہے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں چھ جگہ مختلف ابواب کے تحت تحریر فرمائی ہے پہلی جگہ باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء میں، دوسری جگہ باب من يصرع فی سبيل الله فمات میں، تیسری جگہ باب غزوة المرأة فی البحر میں چوتھی جگہ باب ركوب البحر میں، پانچویں جگہ باب ما قيل فی قتال الروم میں چھٹی جگہ کتاب الاستیذان باب من زار قوماً فقال عندهم میں۔

مستفتی کو اصل خلجان اس حدیث شریف سے متعلق اُن توضیحات و تشریحات میں تھا جو بعض شراح حدیث مثلاً علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک مغفور لهم کے عموم میں یزید داخل نہیں ہے، اسلئے کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول اس شرط کے ساتھ مشروط

---

[1] ناچیز مقدمہ نگار مولانا سلطان الحق صاحب قاسمی ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کا ممنون ہے کہ ان کی مساعی سے تجلی کا یہ شمارہ حاصل ہوا۔

ہے کہ ان مجاہدین میں مغفرت کی اہلیت اور صلاحیت بھی باقی رہی ہو۔

مستفتی نے علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر رحمہما اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اس رائے اور توضیح کے پیش نظر ان کے بارے میں فیہما رائحة من الرفض کا فیصلہ دیا ہے اور ماہنامہ تجلی کے تقریباً چار صفحات میں انکی اس رائے اور توضیح کو غلط ثابت کرتے ہوئے ایک طویل استفتاء دس اکابر علماء کی خدمت میں پیش کیا ہے اور اُن سے درخواست کی ہے کہ وہ کتاب و سنت اور فقہائے اُمت کے اقوال و دلائل سے اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

وہ دس اکابر یہ ہیں (۱) مولانا الحافظ الشاہ عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنؤ (۲) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مئو اعظم گڈھ (۳) مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی ڈھاکہ (۴) مولانا محمد تقی صاحب امینی مدرسہ معینیہ اجمیر (۵) مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند (۶) مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور۔ (۷) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی شیخ الحدیث والتفسیر ندوہ لکھنؤ (۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر رسالہ ترجمان القرآن لاہور (۹) مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ مدیر رسالہ الفرقان لکھنؤ (۱۰) مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی کراچی۔

مستفتی نے ان حضرات کی خدمت میں بھیجنے کیلئے جو استفتاء مرتب کیا ہے وہ اگرچہ کافی طویل ہے لیکن اسکو یہاں نقل کرنا اسلئے ناگزیر ہے کہ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے اپنے جواب میں جا بجا اسکے حوالے دیئے ہیں۔ استفتاء یہ ہے۔

استفتاء | (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین حسب ذیل استفسارات و شبہات کے باب میں کیا مغفورٌ لہم سے مغفرت اوّل مُراد ہے جس کا دوسرا عنوان

دخولِ جنت بغیر عذاب ہے یا مغفرت بعد سزا کے کیا مُراد ہے ؟ اگر مغفرت بعد سزا مراد ہو تو نہ اسمیں یزید اور دیگر لشکریان کیلئے کوئی خصوصیت، کوئی مدح، کوئی مژدہ دبشارت ہے اور نہ ابن التین وغیرہ کو اس پر گھبرانے اور تاویلات پیدا کرنے اور مشتبہ بنانے کی کوئی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ تو ابن التین کیلئے، میرے لئے، اور تمام گناہ گاروں کیلئے عام ہے ہی مگر بظاہر اور میرے نزدیک ابن التین کی یہ کلامی کوششیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ تمام لشکریوں کیلئے خصوصاً یزید کیلئے کسی قسم کی بھی مغفرت کے قائل نہیں۔

(۲) حضورؐ کا ارشاد مغفور لہم کا طرز بیان، پوری حدیث کے دیگر قرائن کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے کیا جہادِ قسطنطنیہ کی ترغیب اور فضائل کا محض عام ذکر ہے۔ (اگر کوئی فرد یا لشکر پہلے غزوۂ قسطنطنیہ میں جائے گا تو مغفور لہم کے ثواب میں بشرط وجود شرائط عامہ ثواب کا شریک ہو سکے گا) یا یہ خاص حالات کے مخصوص افراد کیلئے ایک خاص تبشیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس انعام کا ملنا تو اٹل ہے یہ انعام تو انھیں مل کر ہی رہے گا کیونکہ ان مخصوص لوگوں کی ایمان کی سلامتی اور وفات علی الایمان تو متیقن و متعین ہے، اسمیں کوئی شرط و تعلیق نہیں۔ ؟

(۳) اگر یہ اوجبوا اور مغفورٌ لھم ذکر فضائل جہاد مجاہدین ہے اور ترغیب عمل نہیں بلکہ مخصوص تبشیر جیش ہے تو کیا مخصوص تبشیر میں بھی شرط و تعلیق ہوا کرتی ہے ؟ اگر ہو سکتی ہے تو اسکی کوئی نظیر۔ ؟

(۴) اگر ایک بشارت مغفور لہم میں شرط و تعلیق علماء نے مانی ہے تو کیا اسی وقت کی اور اسی حیثیت کی دوسری بشارت اوجبوا میں بھی شرط و تعلیق مانی ہے۔ ؟

اگر نہیں تو کیوں؟ اس سے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اور اگر ہے تو پھر ابن التین
کو یا ہم کو اس ارشاد میں اور کن کن قوانین کو ملا کر اداجبوا کا انعام تقسیم کرنے کا
ضابطہ بنانا چاہیے اور کن کن افراد کو کس کس قانون کی روشنی سے اس بشارت
کا نفع ملنے سے خارج کر دینا چاہیے۔؟

(۵) جس قاعدہ کی طرف ابن التین اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حکم مشروط ہے
اس شرط سے "وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے مگر جہاں تک میری ناقص نظر اور ناقص فہم
کی رسائی ہے۔ اس کا طرز بیان ہی جداگانہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ دو جملوں (شرط وجزا)
میں ہوا کرتا ہے مثلاً من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من
ذنبه وما تأخر وغیرہ۔ یہاں دو جملے ہیں، مضمون بھی شرط وجزا کا ہے اسلئے شرط بھی
صحیح اور تعلیق بھی تسلیم مگر "اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور
لهم" تو جملہ مفردہ اسمیہ خبریہ ہے اسکے اندر بھی شرط وتعلیق ماننا میرے نزدیک ایسا ہی
ہے جیسے ایک آدمی زید کو دورہ پڑھنے کے زمانے میں زید عالم کہدے تو دوسرا
کہے کہ واہ زید بھلا اس عموم میں کیونکر داخل ہو سکتا ہے، کیونکہ تمام علماء بلا اختلاف
جانتے اور مانتے ہیں کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، کسے معلوم کہ زید زندہ بھی رہے گا
اور یہ کہ عالم ہونا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ شخص عمر طبعی خدا کے یہاں سے
لیکر آیا ہو پھر اس کو مدرسہ بھی جامعۂ ازہر مصر کی طرح ملا ہو۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض
اسے ابن التین جیسے استاد نہ ملیں تو اسکے عالم ہونے کا کوئی امکان نہ ہو، اسلئے
معلوم ہوا کہ کہنے والے کا منشاء عالم کہنے سے صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص
و مشروط ہے کہ وہ بوڑھا ہو کر مرے، مصر جا چکا ہو اور ابن التین جیسا استاد بھی اسے ملا ہو۔

(۶) کیا حضورؐ کی ان تمام بشارتیں عشرہ مبشرہ کو، اہلبیتِ قرآنی، یعنی امہات المومنین کو۔ اہلبیتِ حدیثی یعنی آلِ عبا کو اصحابِ بدر کو بلکہ جملہ اصحابِ رسولؐ کو کہ (مغفرۃ و اجراً عظیما کا وعدہ بھی ہے) بھی ایسی نادک شرط و تعلیق کا ہدف ہیں؟

(۷) جب جمع الفوائد جلد دوم مناقب حسینؓ میں معجم کبیر طبرانی کی ایک حدیث ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ حضرت جبریلؑ اور حضورؐ دو معصوموں نے شہادت دی کہ قاتلین حسینؓ مسلمان ہوں گے، چنانچہ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تعجب بھی ہوا گویا ان کو قاتلینِ حسینؓ کا مسلمان ہونا یا مسلمان رہ جانا باور ہی نہ ہوتا تھا۔ مگر جب حضورؐ نے ان کو مسلمان کہدیا اور قتل حسینؓ ہی کے جرم کے ساتھ ان کا مسلمان ہونا بیان فرمایا تو کیا ابن التین، (یا تفتازانی یا کسی غوث و قطب) کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ اُسے شریعت محمدیہؐ کی رو سے کافر یا مرتد کہیں۔؟

(ب) اگر بالفرض یزید نے یا ابن زیاد نے سیدنا حسینؓ کو قصداً بھی اس خیال سے قتل کیا کہ وہ تفریق بین المسلمین کے مرتکب ہو رہے تھے جیسا ابن عمرؓ کا قول اتقیا اللہ ولا تفرقا بین المسلمین، ابن علی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے باب میں مذکور اور حدیث فاقتلوہ کائناً من کان مشہور ہے تو کیا شریعت محمدیہؐ کی رو سے وہ لوگ گناہگار ہوئے۔؟ کیا ایسا کوئی قاتل مسلم یا آمر قتل مسلم ایسی صورت میں بھی مستحق لعنت ہے جیسا امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔!

(یہ سوال بظاہر ابن التین سے غیر متعلق ہے لیکن ان کے قول کو کچھ دُور چلنے کے بعد مستلزم ضرور ہے اسلئے لکھدیا:

(۸) حضورؐ نے ام حرامؓ کے یہاں قیلولہ میں جو دو خواب دیکھے اور پھر جو بشارتیں اوجبوا اور مغفورٌ لھم کی دیں تو کیا ان ارشادات میں اخبار عن الغیب، کشفِ مستقبل نہیں تھا۔؟ دونوں خواب خود تو وحی تھے مگر کیا اسکے ان ارشادات میں بھی وحی کا کوئی دخل نہ تھا۔؟ کیا ایسے قرائن وحی سے قطع و یقین کا خیال مستنبط ہوتا ہے یا ظن و تخمین اور تعلیق و تانیس ہی کا پہلو نکلتا ہے۔؟ اگر ان قرائن کے باوجود بھی اس ارشاد میں محض ترغیبِ جہاد اور حکم مشروط نکلتا ہے تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر حضورؐ نے یا کسی پیغمبر نے خواب کی وحی سے بھی اعمال کے فضائل اور ثواب تعلیم کئے ہیں تو خواب و خیال کا اعتبار کیا۔؟ سائل کے نزدیک اس میں ترغیبِ جہاد ہرگز نہیں ہے، بلکہ خواب کی وحی، مسرت اور ضحک کے قوی وجد و حال کے قرائن سے اسمیں تامہ اور مغفرت اولیٰ مُراد ہے۔

(۹) اگر ابن التین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مغفورٌ لھم کے احترام اور تقدیس میں ایک دوسرے ارشادِ نبوی اور عام قانون کو پیشِ نظر رکھنا اپنے علم و دیانت کا تقاضا سمجھا تو میں بھی حضورؐ کے اُس ارشاد کے احترام اور تقدیس ہی کی خاطر ایک دوسرے ارشادِ نبوی اور عام انعامِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنا اور مسلمانوں تک پہنچانا، اپنے علم و دیانت کا تقاضا خیال کرتا ہوں، علماء کرام فیصلہ کریں سلم و سلامتی والے اسلام اور امن و امان والے، ایمان کے مزاج کے مطابق اور حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤفیت اور رحیمیت اور حق تعالیٰ کی غفاریت اور رحمانیت کی روح کے موافق ابن التین کے علم و دیانت کا تقاضا ہے یا راقم الحروف کے علم و دیانت کا، وہ ارشادِ نبوی یہ ہے ،۔ (دیکھیے مشکوٰۃ باب وقوف بعرفہ عن عباس

ابن مرداس ۲۲۹ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے روز دن ڈھلے اپنی اُمت کی مغفرت (تامہ) کی دُعا فرمائی تو دربارِ الٰہی سے جواب ملا کہ اچھا ہم نے ان سب کو بخش دیا بجز مظالم اور حقوق العباد کے، کیونکہ یہ حق تو ہیں ظالم سے مظلوم کو دلوا کر رہوں گا تو حضورؐ نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ اگر چاہیں تو مظلوم اور صاحبِ حق کو جنت کا کوئی محل دیکر راضی اور ظالم کو (بری فرماکر) معاف فرما سکتے ہیں تو اس دُعا کا جواب وہاں میدانِ عرفات میں تو آپ کو نہیں ملا مگر جب آپؐ نے مزدلفہ پہنچ کر صبح کو پھر وہی دُعا مانگی تو آپؐ کی دُعا منظور کرلی گئی، راوی کہتا ہے کہ پھر حضورؐ پر ضحک یا تبسم کا وجد طاری ہوگیا تو آپ سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان! یہ گھڑی تو ایسی مبارک اور اہم ہے کہ آپؐ (بجز شغل دُعا و ابتہال و گریہ اور ذکر کے) کبھی اس وقت ہنسا نہیں کرتے تھے، آخر کیا بات تھی جس نے آپ کو ہنسا دیا، خدا کرے آپ ہمیشہ ہنستے خوش ہوتے رہیں، حضورؐ نے فرمایا سنو! اللہ کے اس دُشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دُعا (مغفرتِ اُمت کی) قبول فرمالی اور میری اُمت کی مغفرت (تامہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی) فرمادی تو مٹی لیکر سر پر ڈالنے اور بڑی ہائے ویلا مچانے لگا ہے، بس اسکی یہ بدحواسی دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آگئی"۔ (انتہیٰ)

اب ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اُسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفور لہم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کردیا، ابن التین تو ایک یزید ہی کی مغفرت پر سر بجبیں ہو رہے ہیں اور حضورؐ کی شان رحمۃ اللعالمین ساری ہی اُمت کی مغفرت تامہ کیلئے بار بار دُعا فرمارہی ہے جن میں نہ معلوم کتنے یزید ہونگے۔

یہ استفتا حضرت نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں دس شوال ۱۳۸۰ھ (۲۸ مارچ ۱۹۶۱ء) میں پہنچا، اسکے ساتھ ایک چند سطری خط سائل کی جانب سے اس مضمون کا بھی ملا کہ احقر کو جناب کے علم و عمل اور تقوی اور اخلاق پر اعتماد ہے، اسلئے گذارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ ماہ شوال کے ختم تک اس فتوی کا جواب دیدیا جائے۔

حضرت المخدوم نے اپنے شدید مشاغل اور متعدد عوارض کے باوجود دو دن میں اس کا جواب اپنے قلم مبارک سے تحریر فرماکر خدام کے حوالہ کیا کہ وہ اس کی نقل تیار کرلیں، لیکن جواب لکھنے میں جس قدر عجلت ہوئی اسی قدر اس کے ارسال کرنے میں تاخیر ہوتی چلی گئی اور تین ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ (۱۹ اپریل ۱۹۶۱ء) میں بصیغہ رجسٹری سائل کو یہ جواب بھیجا گیا۔

مولانا عامر صاحب عثمانی (مدیر تجلی) نے اس جواب کو پڑھ کر جو خط تحریر کیا وہ یہ ہے۔

مخدوم ومکرم مولانا ئے محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب استفتا پر مشتمل جناب کا ملفوف موصول ہو گیا تھا، لیکن بعض ناگزیر اسباب سے وصولیابی کی رسید دینے اور اظہار تشکر کرنے میں دیر ہوئی معاف فرمایئے گا

آنجناب نے اپنی بیماری کے باوجود اتنے مفصل جواب کی زحمت فرمائی یہ جناب کے اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی کا مظہر ہے، پھر جس پاکیزہ لب ولہجہ میں آپ نے جواب عنایت فرمایا ہے وہ یقیناً جناب کی عظمت کا نقش روشن ہے، اللہ تعالیٰ آپ جیسے کریم النفس بزرگوں کو تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور ہمیں توفیق دے کہ علمی مباحث میں آپ کی متانت، حلم اور منکسر مزاجی کا اتباع کرسکیں۔

یہ ضروری نہیں کہ مستفتی کو آپ کے ہر ارشاد سے اتفاق ہی ہو لیکن یہ اظہر من الشمس ہے کہ آپ کی تفہیم کا انداز صاحب علم و تقویٰ بزرگوں کی شایانِ شان ہے، اور علمی تبحر کا امانت دار۔

تمام موصولہ جوابات کا مطالعہ کر کے جناب مستفتی کس نتیجہ پر پہنچیں گے یہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے، فی الوقت اس عاجز پر آپ کا شکریہ فرض ہے اور اسی کی ادائیگی کے لئے یہ سطور بدیۂ خدمت کی ہیں، اگر موصولہ جوابات تجلی میں شائع کئے گئے تو پرچہ ضرور حاضر خدمت ہو گا، آپ کی صحت و عافیت کے لئے یہ گناہ گار دعا کرتا ہے اور آنجناب سے دُعائے خیر کا ملتجی ہے۔

عامر عثمانی، مدیر تجلی ۶ مئی سنہ ۱۹۶۱ء

ابھی آپ نے مدیر تجلی کا مکتوب اور ان کی طرف سے حضرت المخدوم کے لئے القاب و آداب، پاکیزہ لب و لہجہ، اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی، عظمت کا نقش روشن، علمی مباحث میں ان کی متانت، حلم اور منکسرانہ مزاجی، تفہیم کا انداز، صاحبِ علم و تقویٰ، بزرگوں کے شایانِ شان اور علمی تبحر کا امانت دار جیسے وقیع اور اونچے الفاظ ملاحظہ فرمائے، لیکن انہی القاب و آداب اور صفاتِ محمودہ سے متصف شخصیت نے مودودی صاحب کی تصنیفات و تالیفات کا جائزہ لیکر جب ان کا تعاقب کیا اور ان کے دجل و تلبیس کو آشکارا کیا تو ماہنامہ تجلی کے اسی تبصرے اور تنقید اور درشت لب و لہجہ قارئین کیلئے تصویر کا دوسرا رُخ ثابت ہوا۔

ابن التین اللہ میاں کو تقسیم مغفرت کے متعلق ایک ضابطہ بتا کر مشورہ دے رہے ہیں کہ حضور اسے مشروط کر دیجئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو حریصٌ علیکم کا تاج سر پر رکھے ہیں وہ حق تعالیٰ کے سامنے حقوق العباد (جسمیں قتلِ مُسلم بھی داخل ہے) کی معافی کے لئے ترحمِ خسروانہ کی اپیل کر رہے ہیں اور اُمت کو ولا تخش من ذی العرش اقلالاً کے عقیدے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

(۱۰) جب مغفور لہم حضور کا ارشاد ہے اور مقام تبشیر میں ہے تنزل کے طور پر اسکے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اس فوج کے لوگ گناہوں سے پاک اور پارسا تو نہ ہوں گے کہ مغفرتِ اوّل سے کامیاب ہوں اور بے حساب جنت میں چلے جائیں بلکہ ہوں گے ان میں سے اکثر مرتکبین کبائر، کوئی قاتل مسلم ہوگا کوئی آمر بہ قتل مسلم ہوگا کوئی مستبشر بہ قتل ہوگا کوئی مُدمنِ خمر ہوگا کوئی چیتوں اور کتوں سے شکار کا مشغلہ کرتا ہوگا، کوئی شعر گوئی میں تضیعِ اوقات کرتا ہوگا، ایسے لوگوں کیلئے بھی جب حضور نے مغفور لہم فرمادیا تو کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ جہادِ مدینہ قیصر کا ثواب اسقدر بے نہایت ہے اور یہ فعل ایسا پسندیدۂ حق ہے کہ اس فوج کے تمام افراد کے تمام گناہ صغائر بھی کبائر بھی، حقوق اللہ بھی حقوق العباد بھی سب بخشدیئے جائیں گے، بلکہ اگر بالفرض ان مجاہدین میں سے کسی کو (معاذ اللہ) ایک تقدیر ازلی کے بموجب کفر و ارتداد کا بھی ابتلا پیش آجائے گا تب بھی اُس غزوہ کے جملہ شرکاء کیلئے (بلا استثناء مرد و عورت، امیر و مامور، سپاہی و سپہ سالار) حق تعالیٰ کی دوسری تقدیر یہ بھی ہو چکی ہے کہ اس ابتلاء کے بعد ہی اسے پھر توبہ صادقہ کی توفیق یقیناً ہو جائے گی، اس طرح وہ مستحق مغفرت بن جائیگا اور حضور کا

فرمان سچا اور پورا ثابت ہو کر رہے گا، گویا حضورؐ نے مغفور لہم فرما کر اسی دوسری تقدیر خداوندی کی طرف اشارہ فرمایا تھا جو ابن السبتین کے گلے کے نیچے نہیں اتر رہی ہے۔

ایک نظریہ ہے کہ ہر مسلمان کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر ابن السبتین مکذبین بالقدر میں سے نہیں ہے تو ان کو آنکھ کھول کر وہ ارشاد نبوی دیکھنا چاہیئے جسے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب القدر عن سہل بن سعد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ زندگی بھر دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے، اسی طرح بندہ جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے آخری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے"

یہ تو تھی تقدیر کی تھیوری اور نظریہ، اب اسکی ایک مثال بھی عہد سعادت ہی کی سن لیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سے کچھ وحی قرآنی لکھوائی، آیت فتبارک اللہ احسن الخالقین پر پہنچ کر ایک تقدیر الٰہی ہی کی بموجب ان کو ارتداد کا ابتلا پیش آگیا مگر چونکہ ان کو جنتی ہونا تھا اسلئے دوسری تقدیر الٰہی سے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سعی سے ان کے عہد میں دوبارہ اسلام لائے اور فاتح مصر بنے، رضی اللہ عنہ، حالانکہ لسان نبوت نے (جہاں تک مجھے علم ہے ان کے بارے میں مغفور لہم کی بشارت دی بھی نہیں تھی، اگر یزید سپہ سالار غزوہ قسطنطنیہ کیلئے بھی جس سے شاید کفر و ارتداد ہوا بھی نہیں تھا، حق تعالیٰ نے حضورؐ کے ارشاد مغفور لہم کی لاج رکھنے کیلئے دوسری تقدیر، توبہ صادقہ، قبل الموت، وفات علی الایمان کی فرما دی ہو تو ابن السبتین کو اس تقدیر الٰہی سے انکار کیوں ہے؟ بینوا و توجروا۔

عنایت فرمائم سلمہٗ ، بعد سلام مسنون

کئی دن ہوئے اوّل رسالہ تجلّی اور پھر گرامی نامہ پہنچا ، رسالہ کی آمد سے تعجب ہوا کہ کیوں آیا ، معمولی ورق گردانی سے بھی پتہ نہ چلا کہ کیوں آیا پھر گرامی نامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی استفتا اسمیں ہے تو خیال ہوا کہ دارالافتاء میں بھیجدوں اسلئے کہ یہ ناکارہ مفتی نہیں ہے نہ فتاویٰ کے جواب لکھتا ہے ، اس ناکارہ کے نام جو فتاویٰ آتے ہیں وہ دارالافتاء ہی میں بھیجدیتا ہے بلکہ زبانی بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے تو مفتی صاحب کے پاس بھیجدیتا ہوں کہ افتاء کی ذمہ داری سخت ہے اور یہ ناکارہ افتاء کا اہل نہیں ہے ، لیکن ایک صاحب نے جو اتفاق سے یہاں بیٹھے تھے رسالہ کو دیکھا اور اسمیں اس ناکارہ کے نام پر نظر پڑ گئی تو انھوں نے متوجہ کیا ۔ اس پر دیکھ کر معلوم ہوا کہ فتویٰ نہیں ہے ۔ بلکہ بخاری شریف کی ایک حدیث کے متعلق اشکال ہے ۔ اس پر بھی اوّل تو یہ ہی خیال رہا کہ رسالہ اور گرامی نامہ دونوں واپس کردوں ، اسلئے کہ اوّل تو یہ ناکارہ اس میدانِ کارزار میں کودنے کی اہلیت نہیں رکھتا ، دوسرے کئی ماہ سے آنکھوں میں تکلیف ہے ۔ حکیم ڈاکٹر نزول آب بتاتے ہیں ۔ نومبر سے ڈاک بھی عموماً دوسرے ہی لکھ رہے ہیں ۔ اسلئے مراجعت کتب کی ان حالات میں ہمت بھی نہیں ہے ۔ پھر اس خیال سے کہ مشہور حدیث ہے ۔ بخاری شریف پڑھانے میں ۱۳۴۱ھ سے اس حدیث پاک پر کم و بیش کلام کرنا ہی پڑتا ہے اسلئے مراجعت کتب کی ضرورت بھی نہیں ۔

اسلئے جو ذہن میں سوالات کے متعلق حاضر ہے وہ لکھواتا ہوں، کوئی بات سمجھ میں آئے قبول فرمائیں، کوئی بات بھی قابلِ قبول نہ ہو تو کالائے بد بریش خاوند، اس پرچہ کو چاک فرمادیں، ردّ و قدح، مناظرہ اور جواب الجواب سے بندہ کو معذور خیال فرمادیں کہ یہ ناکارہ اس میدان میں کودنے کو آمادہ نہیں ہے۔

بندہ کے نزدیک عوام میں ایسے امور کا پھیلانا دینی حیثیت سے مضر ہے کہ وہ حدودِ دین میں نہیں رہتے، کسی ایک جانب کو جو بادی الرای میں ان کی سمجھ میں آجائے نہایت شد و مد سے لیکر دوسری جانب افراط و تفریط شروع کردیتے ہیں۔ لہٰذا مختصراً عرض ہے کہ۔

(۱) بندہ کے نزدیک مغفورٌ لھم سے مغفرتِ اُولیٰ ہی مراد ہے، جس سے دخولِ جنت اُولیٰ ہی مُراد ہے، اسکے باوجود ابن التین وغیرہ کو جو مشکلات پیش آئیں وہ آئندہ عرض کروں گا، اور اگر دخول غیر اُولیٰ ہی مُراد ہو تب بھی کوئی مانع نہیں۔ اس صورت میں تبشیر کا مصداق ان کی مَوت علی الایمان کی بشارت ہے کہ اس صورت میں منتہیٰ کے اعتبار سے دخولِ جنت مُراد ہے اور تبشیر عدم خلود فی النار کی ہے۔

(۲) اس کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ یہ یقیناً خاص حالات میں مخصوص تبشیر ہے اور اس حدیث پاک کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ان جملہ شرکاء جیش کی جن میں یزید بھی ہے مغفرت کی بشارت ہے۔

(۳) یہ تو ظاہر ہے کہ تبشیرات شرائط کے ساتھ مقید ہُوا کرتی ہیں، اسکی نظیر تو آپ نے خود ہی اپنے سوال نمبر ۵ میں لکھدی، اسکے علاوہ بھی کتب فضائل اعمال میں بہت سی نظیریں ملیں گی جو کتب حدیث کی معمولی ورق گردانی سے بکثرت مل سکتی ہیں

فضائلِ وضو، فضائل نماز، فضائل جہاد، روزہ، حج وغیرہ کے فضائل میں بکثرت تبشیرات ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب مقید بقیود ہیں، کیا یہ عقل میں آتا ہے کہ آدمی ہزاروں گناہ کرتا رہے اور وضو سب کو ساتھ ساتھ دھوتی رہے۔

(۴) یہ تو ظاہر ہے کہ جو شرط اس حدیث مغفور لہم میں مانی جائے گی وہ سب ہی جگہ ملحوظ ہوگی اور آپ نے تو نمبر پانچ میں خود ہی تسلیم کرلیا کہ ابن التین جو شرط لگاتے ہیں وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے۔

(۵) آپ کا یہ ارشاد کہ یہ بات صحیح تو ہے مگر اس کا طرزِ بیان شرط وجزا سے ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ دونوں طرح کے سیاق کثرت سے احادیث میں ملیں گے اسی حجۃ الوداع کے قصہ میں مشکوٰۃ کے اسی باب میں جس سے آپ نے حدیث مندرجہ سوال نمبر ۲ نقل کی ہے۔ حضرت جابر کی حدیث میں اللہ تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد اشہدکم انی غفرت لہم ہے۔

اس ناکارہ کے رسالہ فضائل رمضان میں متعدد روایات بغیر شرط وجزاء کے آپ کو ملیں گی مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت یغفر لہم فی آخرہ[1] اور حضرت انسؓ کی روایت اذا کان یوم عید ہم یاھی بھم ملٰئکتہ فقال یاملائکتی ماجزاء اجیرو فی عملہ، قالوا ربنا جزاءہ ان یوفی اجرہٗ قال ملائکتی عبیدی وامائی قضوا فریضتی علیھم ثم خرجوا یعجون الی الدعاء وعزتی وجلالی وکرمی وعلوی وارتفاع مکانی لاجیبنھم فیقول ارجعوا فقد غفرت لکم وبدلت سیاٰتکم حسنات قال

---

[1] فضائل رمضان صفحہ ۴۰

نیز جون مغفور الهم، کیا آپ اس حدیث کے جو مؤکد بالاحلاف بھی ہے مغفوراً لہم اور حدیثِ قسطنطنیہ کے مغفور لہم میں کوئی فرق کریں گے؟ جب کہ یہاں بھی شرط وجزا نہیں ہے، یا اس حدیث کی بنا پر جملہ صائمین کو دخول اولیٰ بخشیں گے، چاہے کتنے ہی فسق وفجور کے مرتکب ہوں اور کتنے ہی قتل عمداور نہب وغارۃ کے مرتکب یہ صائمین ہوں، اس نوع کی بکثرت روایات آپ کو ملیں گی

(۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی بشارتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں گی چاہے وہ افراد کی ہوں جیسا کہ عشرہ مبشرہ وغیرہ یا جماعت کی ہوں اُن سے دخولِ اُولیٰ ہی مُراد ہے، لیکن ناوکِ شرط سب جگہ مجبوراً ماننا پڑے گا ورنہ نصوص قطعیہ قرآن وحدیث جن میں کبائر پر وعیدیں آئی ہیں وہ سب غلط کہنا پڑیں گی، اسکے بعد جہاں کوئی معارض نہ ہوگا جیسا کہ عشرۂ مبشرہ وغیرہ کی روایات ہیں وہ اپنے ظاہر پر رہیں گی اور جہاں بھی روایات تبشیر دوسری نصوص بالخصوص نصوص قطعیہ سے معارض ہو جائیں گی وہاں مجبوراً تاویل کرنی پڑے گی، جیسا کہ ہمیشہ اختلاف روایات کے موقعہ پر کرنا پڑتا ہے، یہی مجبوری ان سب حضرات اکابر کو سلفاً خلفاً پیش آئی جس کی وجہ سے حدیث قسطنطنیہ کی تاویلات کی ضرورت پیش آئی اور مختلف تاویلات اکابر سے نقل کی گئیں۔

(۷) جب کہ ان حضرات کو بخاری شریف کی حدیث کی مجبوراً توجیہ کرنی پڑی، تو جمع الفوائد کی روایت (لکبیر بلین مطولاً[1]) سے مرعوب ہونا تو مشکل ہے اور ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کے بعد کسی غوث، قطب کو کیا حق ہو سکتا ہے

[1] جمع الفوائد صفحہ ۲۱۸ جلد دوم، مطبوعہ مطبعہ خیریہ میرٹھ

کہ خلاف شرع کچھ کہہ سکے جب کہ خود سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو لقد کدت تركن اليهم شيئاً قليلاً پر لاذقناك ضعف الحياة وضعف الممات کا ارشاد عالی وارد ہو گیا۔ لیکن جب یہ روایات ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزائه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه (الآیۃ) کی وعیدات قطعیہ کے خلاف ہو جائیں تو غوث قطب نہیں بلکہ عام مومن بھی روایت کی تاویل وتوجیہ کی طرف دوڑے گا۔

یہ امر آخر ہے کہ یزید اس آیت کا مصداق ہے یا نہیں، لیکن جن کے نزدیک اس آیت کے مصداق میں داخل ہے وہ ایک بخاری یا جمع الفوائد کیا نص قطعی کے مقابلہ میں سب اخبار آحاد کو رد کریں گے یا توجیہ کریں گے۔

(ب) بالفرض سے جو آپ نے لکھا وہ تو نیت سے تعلق رکھتا ہے جس کا اس ناکارہ کو تو علم نہیں کہ کس خیال سے قتل کیا تھا اس لئے یہ ناکارہ تو کوئی حکم نہیں لگاتا، مگر ابن التین، تفتازانی وغیرہ متشددین کے نزدیک اگر محض حصول سلطنت اور اپنے وقار کا مخالف اور دنیوی اغراض کے خیال سے قتل کیا ہو تو وہ تو سب کچھ کہیں گے۔

آپ نے حضرت عمرؓ کا ارشاد اتقیا اللہ کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا کہ حدیث کی کونسی کتاب میں ہے اور بندہ اس وقت مراجعت کتب سے معذور ہے مگر جمع الفوائد کے جس باب سے آپ نے ام سلمہ کی حدیث بالا نقل فرمائی اس باب میں ابن عمر کی یہ حدیث آپ نے ملاحظہ نہیں فرمائی انظروا الى هذا يسألني عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبي صلى الله عليه وسلم، وفى

روایۃ تسالونا عن قتل الذباب وقد قتلتم ابن بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی اخری ما اسالہم عن الصغیرۃ واجراھم علی الکبیرۃ[1] (للبخاری) اگر ابن عمر کے نزدیک یہ آپ کی مندرجہ حدیث کے تحت میں تھا اور ان کا قتل مامور بہ تھا تو وہ قاتل کو اجراء علی الکبیرہ نہ فرماتے۔

میرے خیال میں حضرت ابن عمر کا ذکر آپ نہ فرماتے تو آپ کیلئے زیادہ مفید ہوتا کیونکہ وہ آپ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں کہ وہ قاتلین کو مرتکب کبیرہ بتاتے ہیں حدیث اقتلوہ کائنامن کان اگر مشہور ہے تو لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق بھی شہرت میں کم نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہی مشہور ہے اور من رأی منکراً فلیغیرہ بیدہ (الحدیث) دونوں سے زیادہ مشہور ہے ولتاخذن علی یدی الظالم ولتاطرنہ علی الحق اطراً ولتقصرنہ علی الحق قصراً، او لیضربن اللہ قلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعنکم کما لعنہم[2] بھی حضور ہی کا ارشاد ہے۔

نیز جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مامور و مرسل امیر کے متعلق امر کے خلاف کرنے کی صورت میں معزول نہ کرنے پر ناراضی کا اظہار فرماتے ہیں جیسا ابوداؤد شریف کی حدیث ہے۔

لو رأیت ما لامنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اعجزتم اذا بعثت رجلا منکم فلم یمض لامری ان تجعلوا مکانہ من یمضی لامری۔[3]
تو اگر امام حسینؓ اپنے کو اس سے عاجز نہیں سمجھتے اور اس ارشاد کی تعمیل کی

---

[1] جمع الفوائد ص۲۷۱ جلد دوم [2] مشکوٰۃ۔ مطبوعہ رشیدیہ دہلی، [3] ابوداؤد شریف۔

سعی فرماتے ہیں تو وہ کیسے وعیدات بالا میں داخل ہوں گے اور جو حضرات عوارض یا عدم قوت کی وجہ سے یا فتنہ کے خوف سے اپنے کو عاجز سمجھتے ہیں ان کو یقیناً رد کرنا ہی چاہیے تھا۔ اسلئے جن حضرات صحابہ کرام نے شرکت سے روکا ان پر بھی اشکال نہیں اور جنھوں نے منکر کو روکنے کی سعی فرمائی ان پر بھی ملامت نہیں۔

(۸) یقیناً یہ وحی بھی ہے، بشارت بھی ہے، دخول اولی بھی ہے اور جو آپ فرمانا چاہیں وہ سب کچھ ہے لیکن خبر واحد ہے قطعی نہیں ہے، اسلئے جب اُن نصوص قطعیہ کے خلاف ہوگی جن میں کبائر اور قتل عمد وغیرہ پر وعیدیں ہیں تو لامحالہ کوئی توجیہ کرنی پڑے گی، اسی لئے اکابر سلفاً خلفاً توجیہات فرماتے رہے۔

(۹) یہ نمبر بالکل سمجھ میں نہیں آیا، میرے خیال میں تو اس نمبر میں آپنے سابقہ دلائل کا سب کا خود ہی رد کردیا۔ سلم وسلامتی والا اسلام اور شان رحمت للعالمین اور مالک کی غفاریت اور رحمانیت کی روح اپنی جگہ لیکن وہی سلم وسلامتی والا اسلام حدود وقصاص پر کتنا زور دیتا ہے۔ وہی رحمت للعالمین جن کی شان رأفت اور رحمت للعالمین ہونا نص قطعی ہے لیکن ان ہی کی صفات میں اذا انتھک من محارم اللہ تعالیٰ شیئ کان من اشدھم فی ذٰلک غضباً[1] بھی ہے وہ فتح مکہ کے عفو عام میں سے چند کو یہ کہہ کر مستثنیٰ بھی فرمادیتا ہے کہ لا اٰمنھم فی حل ولا حرم، اور ابن خطل کے تعلق باستار الکعبہ کے باوجود اقتلہ کا حکم فرماتا ہے مالک اور ارحم الراحمین اپنی ساری رحمت کے باوجود قرآن پاک میں اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا اولئک لاخلاق لھم

---

[1] شمائل ترمذی، باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فی الاٰخرۃ ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیامۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم۔ بھی فرماتا ہے۔ وہ انزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء بما کانوا یفسقون۔ بھی فرماتا ہے، جو سید الکونین کو بھی ولئن اتبعت اھواءھم من بعد ما جاءک من العلم انک اذاً لمن الظالمین ارشاد فرماتا ہے۔ جو من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون فرماتا ہے جو ثم قیل للذین ظلموا ذوقوا عذاب الخلد بھی فرماتا ہے، جو انا اعتدنا للظالمین نارا احاط بھم سرادقھا بھی فرماتا ہے جو قد خاب من حمل ظلما بھی فرماتا ہے، جو الذین ظلموا من ھؤلاء سیصیبھم سیأت ماکسبوا فرماتا ہے۔ جو لا یرد باسنا عن القوم المجرمین فرماتا ہے۔ جو انا من المجرمین منتقمون۔ بھی فرماتا ہے وہ وامتازوا الیوم ایھا المجرمون بھی فرماتا ہے، ان المجرمین فی عذاب جھنم خلدون بھی فرماتا ہے۔ ان المجرمین فی ضلال وسعر۔ یوم یسحبون فی النار علی وجوھھم ذوقوا مس سقر بھی فرماتا ہے۔ ومن یکتسب خطیئۃ او اثما ثم یرم بہ بریئا فقد احتمل بھتانا واثما مبینا بھی فرماتا ہے، وکفی بربک بذنوب عبادہ خبیرا بصیرا بھی فرماتا ہے، والذین کسبوا السیاٰت اور الذین فسقوا فماواھم النار بھی فرماتا ہے

کہاں تک نقل کروں، قرآن پاک کی سیکڑوں آیات ان مضامین وعید پر مشتمل ہیں، آپ خود غور کریں کہ جن لوگوں کی تحقیق میں یزید ظلم تعدی فسق وفجور کی آیات میں داخل ہو۔ اسکو بخاری شریف کی ایک روایت مغفور لھم میں داخل

ہونا کیسے بچا سکتا ہے۔

یہ امر آخر ہے کہ وہ ان میں داخل ہے یا نہیں؟ لیکن اگر داخل ہو تو آپ ہی بتائیں کہ آپ کیا کہیں گے آپ خود مجبور ہوں گے اسی کے کہنے پر جو تفتازانی وغیرہ نے کہا۔

آپ نے اس موقعہ پر عرفہ والی روایت مغفرت عامہ کی اپنی تائید میں لکھی مجھے حیرت ہے کہ یہ حدیث آپ نے کیوں لکھدی یہ حجۃ لکم ہے یا حجۃ علیکم، اس نے تو آپ کی ساری تحریر کا خود ہی جواب بتا دیا، کیا اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ سال بھر تک قتل و غارت کرتے رہیں، خوب لوٹ مار کریں، مسلمانوں کا قتل عام کریں، ان کے مالوں کو لوٹیں، نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں، کوئی معروف نہ کریں، کوئی منکر نہ چھوڑیں، عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرلیں پھر عمر بھر کو ان کی چھٹی ہے، جو جو مظالم چاہیں کرتے رہیں وہ سب باری عز اسمہ کے ذمہ اور حقوق اللہ اور اسکے محارم کا انتہاک سب معاف ــــ میری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ آپ نے یہ حدیث کیوں لکھدی جس کے متعلق ملا علی قاری نے ضعفہ غیر واحد من الحفاظ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ظاہر الحدیث عموم المغفرۃ وشمولہا حق اللہ وحق العباد الا انہ قابل للتقیید بمن کان معہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک السنۃ او بمن قبل حجہ

بان لم یرفث ولم یفسق ۔ ومن جملۃ الفسق الاصرار علی المعصیۃ وعدم التوبۃ ومن شرطہا اداء حقوق اللہ الفائتۃ وقضاء حقوق العباد

اور بحث کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اذا تاملت ذلک کلہ علمت انہ لیس

فی هذه الاحادیث مایصلح متمسکا لمن زعم ان الحج یکفر التبعات لان الحدیث ضعیف بل ذهب ابن الجوزی الی انه موضوع ـــ اور یہ بھی لکھا ہے قال البیہقی فلا ینبغی لمسلم ان یغر نفسہ بان الحج یکفر التبعات ۔ فان المعصیۃ شؤم وخلاف الجبار فی اوامرہ ونواہیہ عظیم واحدنا لا یصبر علی حمی یوم او وجع ساعۃ فکیف یصبر علی عقاب شدید ، وعذاب الیم الخ ۔ [1]

اس ناکارہ کی شرح موطا اوجز المسالک میں بھی اس مسئلہ پر مختصر بحث ہے جسمیں قاضی عیاض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے اجمع اھل السنۃ ان الکبائر لا یکفرھا الا التوبۃ ولا قائل بسقوطالدین ولو حقا اللہ کدین صلوٰۃ وزکوٰۃ ـــــــــ اور اسی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے من اعتقد ان الحج یسقط ما وجب علیہ من الحقوق یستتاب والا قتل ولا یسقط حق الادمی بحج اجماعا ۔ اھ ۔ [2] حالانکہ مختلف طاعات کے مکفر سیئات ہونے کے بارہ میں بہت کثرت سے روایات وارد ہوئی ہیں ۔ لیکن نصوص قطعیہ کے خلاف کی وجہ سے اکابر اُمت کو سلفا خلفا ان کی توجیہات مختلفہ کرنے کی ضرورت پیش آئی ، اس صورت میں اگر بخاری شریف کی ایک حدیث کے مغفورلہم کی توجیہات کرنی پڑیں تو کیا استحالہ ہے ۔

درحقیقت آپ نے عباس بن مرداس والی حدیث لکھ کر علماء کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ ابن التین کے فیصلہ کو آپ کے فیصلہ پر ترجیح دیں ۔

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ ص۲۲۱ جلد ثالث ، [2] اوجز المسالک جلد ثالث

آپ نے لکھا کہ ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفور لہم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کردیا۔ لیکن آپ ہی اپنے اقرار کی رو سے دیکھیں کہ عباس بن مرداس کی حدیث میں بھی وہی صیغہ ہے جو قسطنطنیہ والی حدیث میں ہے تو کیا آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام و تقدیس اور انعام خداوندی کی خاطر یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ سارے مسلمان خوب قتل و غارت، حرام کاری، زنا کاری وغیرہ ہر منکر کرتے رہیں، کسی معروف کے پاس نہ پھٹکیں، کسی منکر سے ذرا بھی نہ بچیں البتہ عمر بھر میں ایک حج کرلیں، پھر مزے ہی مزے ہیں۔

اسمیں ذرا تصنع نہیں کہ میری عقل بالکل حیران ہے کہ یہ عرفہ والی حدیث آپنے کیا سوچ کر لکھدی، ابن التین کے حامیوں کی خود ہی رہنمائی کی کہ بخاری شریف کی حدیث مغفور لہم قابل تاویل ہے، اسلئے کہ عرفہ والی حدیث کے بھی بقول آپکے وہی لفظ ہیں اور وہ قطعاً ماول ہیں، وہ اپنے ظاہر پر اگر ہیں تو آخرت میں جو ہوگا، سو ہوگا، دنیا میں بھی ظہر الفساد فی البر والبحر قائم ہو جائے گا، نہ معلوم ابن التین کی مخالفت میں آپ خود کہاں پہنچ گئے۔

(۱۰) بندہ کے خیال میں نمبر ۹ کے بعد اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

اسمیں آپ نے کوئی نئی بات نہیں لکھی بلکہ اسی کا دوسرے الفاظ میں اعادہ کردیا۔ میں ابن التین کی طرف سے آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب عرفہ والی حدیث اور قسطنطنیہ والی حدیث کے الفاظ بقول آپ کے ایک ہی ہیں اور اس جہاد میں مرتکبین کبائر قاتل مسلم آمر بالقتل وغیرہ سب ہی ہوں گے جیسا کہ مغفور لہم سے معلوم

ہوتا ہے اور سب کے جملہ معاصی ومظالم معاف جنت کا دخول اولیٰ ان کیلئے طے شدہ ہے تو پھر ساری دُنیا کے بدمعاش، لٹیرے، زانی، شرابی، بے نمازی، روزہ خور، ۔۔۔ سود خوار کیوں حج سے مغفورٌ لہم نہیں بنیں گے۔

کسی حاجی کا چاہے وہ حج سے قبل اور بعد کتنا ہی بدکار قاتل مسلمین کیوں نہ رہا ہو، جنت میں دخول اُولیٰ طے ہے اور ایک حج ہی کیا فضائل اعمال کی احادیث میں تکفیر السیئات اس کثرت سے وارد ہیں کہ لاتعد ولاتحصیٰ، لیکن اسکے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ المفلس من امتی من یاتی یوم القیامۃ بصلوٰۃ وصیام وزکوٰۃ ویاتی قد شتم ھذا وقذف ھذا واکل مال ھذا وسفک دم ھذا وضرب ھذا فیعطی ھذا من حسناتہ وھذا من حسناتہ (الی اٰخر الحدیث رواہ مسلم) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد آپ کے زعم باطل کے مطابق ضرور سچا ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد ومن یقتل مومنا متعمدا فجزائہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہٗ عذابا عظیما۔ بلا سے غلط ہو جائے۔

آپ نے آخر میں حدیث قدر کو بھی پیش کیا۔ بندہ اپنے قلت فہم کی وجہ سے اس استدلال کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسلئے کہ بندہ کو علم نہیں کہ علام الغیوب نے یزید کی تقدیر میں کیا لکھا تھا، آپ کے علم میں اگر ہے تو یقیناً حدیث سے استدلال کرلیں، اس ناکارہ نے تو قرآن پاک میں قل ماکنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم پڑھا ہے اور بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے انّ اناسا کانوا یؤخذون بالوحی فی عھد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم وان الوحی قد انقطع وانما ناخذکم الاٰن بما ظہر لنا من اعمالکم فمن اظہر لنا خیراً امناہ وقربناہ ولیس الینا من سریرتہ شیٔ اللّٰہ محاسبہ فی سریرتہ۔ ومن اظہر لنا سوءً لم نامنہ ولم نصدقہ وان قال ان سریرتہ حسنۃ[1] اسلئے ہم لوگ تو ظاہر حال ہی کے موافق حکم لگا سکتے ہیں باطن احوال یا مقدرات کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اسلئے جن کا ظاہر فسق و فجور میں مبتلا ہو اسکو عشرہ مبشرہ کی لائن میں شمار کرنا مشکل ہی ہے۔

یہ سب تو آپ کے استفسارات کے متعلق ہے، خود یہ ناکارہ اس مسئلہ میں حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہٗ کا متبع ہے۔ ایک طویل سوال کے ذیل میں حضرت قدس سرہٗ کا جواب یہ نقل کیا گیا ہے۔

"اس قدر تطویل سوال میں بے فائدہ کی ہے، حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے اگر وہ شخص قابل لعن کا ہے تو لعنت اسپر پڑتی ہے، ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے۔ پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا محقق نہ ہو جائے اسپر لعنت کرنا نہیں چاہیئے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہرچند موجب لعن کے ہیں مگر جن کو محقق اخبار سے اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی و خوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدون توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یونہی ہے اور جو علماء اسمیں تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا

---

[1] بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۳۶۰۔

اسکے بعد ان افعال کا وہ مستحل تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا، تحقیق نہیں ہوا. پس بدون تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں، لہٰذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعنت سے منع کرتا ہے اور یہ مسئلہ بھی حق ہے. پس جواز لعن و عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے. اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے، کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لعن نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں ہے تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں" فقط واللہ اعلم رشید احمد [1]

بس یہی اس ناکارہ کا مسلک ہے. رہی یہ بات کہ اسکے فسق و فجور کی روایات سب یکسر غلط ہیں (یہ دعویٰ) مشکل ہے جب کہ تاریخی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کو رد کرنا جو بحد تواتر تقریباً پہنچ گئی ہوں تاریخ سے کلیۃً اعتماد اٹھانا ہے، اور اگر یہ سب روایات اپنی کثرت کے باوجود رد کی جاسکتی ہیں تو پھر یہی کونسا نص قطعی ہے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا، یہ بھی تاریخ ہی کی روایات ہیں. مخالف کو حق ہے کہ وہ اس کی ہی تغلیط کردے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا.

آخر میں اس ناکارہ کی یہ بھی درخواست ہے کہ مسلمانوں کو اس اہم موقعہ پر دین کے اہم کاموں میں مشغول ہونا چاہیئے. یہ بے فائدہ بحث ہے جس کا اس وقت عمل سے کوئی تعلق نہیں ہم لوگوں کے ذمہ اس مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہے. عوام کی عقول ان وقائع کی باریکیوں تک پہنچنے سے قاصر ہے. دلائل ہر فریق کے پاس نصوص سے بکثرت ہیں. ایسی حالت میں ایسی فضول بحثوں سے عوام میں انتشار پھیلانا اس

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ کراچی جلد اول صفحہ ۳۹

ناکارہ کے نزدیک ہرگز مناسب نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مشہور مقولہ جس کو انہوں نے مشاجرات صحابہ کے متعلق سوال پر فرمایا تھا۔ تلك دماء طهر الله ايدينا فلا نلوث السنتنا بها۔ آب زر سے لکھنے اور اسوہ بنانے کے قابل ہے اس کو یہ ناکارہ اپنے رسالہ الاعتدال میں تفصیل سے لکھ چکا ہے، جی چاہے تو ملاحظہ کرلیں۔

لہٰذا یزید نے جو کچھ کیا وہ لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت میں داخل ہے۔

کہاں تک روئے گا او جینے والے مرنے والے کو
کچھ اپنی فکر کر تجھ کو پرائے غم سے کیا مطلب

اس وقت مسلمانان عالم الحاد و دہریت میں اور اس سے بڑھ کر ہمارے مسلمان ارتداد کے دروازہ پر ہیں مساعی جمیلہ کو ان کے پختہ مسلمان بنانے میں صرف کریں جس میں نہ کسی کا اختلاف نہ کوئی آخرت کی جوابدہی کا خطرہ وفقني الله واياكم لما يحب ويرضى۔

زکریا، مظاہر علوم (سہارنپور)
۱۱/ شوال ۱۳۸۰ھ

کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" پر ایک طائرانہ نظر

مولانا عزیز احمد صاحب بی۔ اے قاسمی ناظم شعبۂ دستار بندی دار العلوم دیوبند

ناظرین!

کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" کے مصنف جناب محمود احمد عباسی نے حوالجات میں بیجا تصرف اور تلبیس کر کے صحافتی دیانت کو مجروح فرمایا ہے، کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے پہلے ایک نظریہ قائم کر لیا کہ نعوذ باللہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خروج کیا اور یزید نہایت متقی اور پرہیزگار تھا۔ پھر اس نظریہ کے ماتحت کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور کتابوں میں جہاں کہیں یزید کی تعریف میں کوئی جملہ نظر آیا اُسے لے لیا، اور اسی عبارت میں جو جملے یزید یا عمر بن سعد کے نقائص میں تھے اُن کو حذف کر دیا۔ حالانکہ ایک تحقیقی مضمون میں جو برسہا برس کی ریسرچ کا نتیجہ ہو، یہی ہونا چاہیے کہ مناقب و معایب دونوں چیزوں کو اُجاگر کر کے پیش کیا جائے، نہ یہ کہ مناقب اُچھالے جائیں یا بغیر نقل کے ان کی غلط توجیہ کی جائے اور معایب پر پردے ڈالے جائیں، ذیل کے مضمون میں جناب محمود احمد صاحب عباسی نے جہاں جہاں دیدہ و دانستہ حوالجات اور ان کے تراجم میں تصرف کیا ہے ان میں سے چند بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ اس سے موصوف کی ریسرچ کا اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) منجملہ ان کے شیخ عبد المغیث بن زہیر الحربی تھے، جن کے متعلق علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں "کان من صلحاء الحنابلۃ وکان یزار" (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۳۲۸) یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے اور مرجع عوام تھے، انھوں نے امیر یزید کے حُسنِ سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی "ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویۃ اتی فیہ بالغرائب والعجائب" (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

ترجمہ: اور ان (شیخ عبد المغیث) کی تصنیف سے فضل یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے، جس میں بہت سے غریب و عجیب حالات بیان کئے ہیں۔

واوین کے درمیان جو عبارت ہے وہ کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" کے صفحہ ۵۵، ۵۶ کی ہے اب اصل کتاب کی عبارت ملاحظہ ہو، الشیخ عبد المغیث بن زہیر الحربی کان من

صلحاء الحنابلة وكان يزار وله مصنف فی فضل يزيد بن معاويۃ اتی فيه بالغرائب والعجائب وقد رد عليه ابو الفرج ابن الجوزی فاجاد واصاب. (البداية والنهاية ج ۱۲ ص ۳۲۸)

ترجمہ: شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربی صلحاءِ حنابلہ میں سے تھے لوگ ان کی زیارت کو آتے تھے، اور ان (شیخ عبدالمغیث) کی یزید بن معاویہ کی خوبیوں کے بارے میں ایک تصنیف ہے جس میں انھوں نے عجیب و غریب قسم کی باتیں بیان کی ہیں۔ اس تصنیف کا رَد علامہ ابوالفرج ابن الجوزی نے کیا ہے۔ پس انھوں نے اچھا اور صحیح رَد کیا۔

ابوالفرج ابن الجوزی کی کتاب کا نام ہے "الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید"

اولاً تو جناب محمود احمد عباسی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے کہ اتی فیہ بالغرائب والعجائب کا ترجمہ موصوف نے یہ کیا ہے کہ "بہت سے عجیب و غریب حالات بیان کئے ہیں" جس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ یزید کے حالات ایسے عمدہ تھے کہ ان کو سن کر تعجب ہوتا ہے؛ حالانکہ اہلِ علم جانتے ہیں کہ ایسے مواقع پر "غرائب و عجائب" کا استعمال اچھے معنی میں نہیں ہوتا ہے، بلکہ غیر مستند ہونے کے معنی میں ہوتا ہے، چنانچہ اس جملے کے معنی یہ ہوئے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالمغیث نے جو کتاب یزید بن معاویہ کی فضیلت میں لکھی ہے اُس میں غیر مستند باتیں لکھی ہیں۔ اب غور کیجئے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی مدح کر رہے ہیں یا اس کا ضعیف ہونا ثابت کر رہے ہیں۔

دوسرے فاضل مصنف نے اتی فیہ بالغرائب والعجائب کے فوراً بعد جو عبارت تھی اسے دانستہ چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ عبارت اسی کتاب کے بارے میں تھی جو شیخ عبدالمغیث نے یزید کی فضیلت کے بارے میں لکھی تھی اور اس عبارت میں شیخ عبدالمغیث کی کتاب کے بارے میں خود علامہ ابن کثیر کی رائے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ جو عبارت مکمل درج کی گئی ہے اس میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ابوالفرج ابن الجوزی نے شیخ عبدالمغیث کی اس کتاب کا رَد لکھا ہے جو یزید کی فضیلت میں تھی"۔ اس کے بعد علامہ ابن کثیر ابوالفرج ابن الجوزی کی کتاب کے بارے میں اپنی رائے لکھتے ہیں کہ اُنھوں نے بہت عمدہ اور بہت صحیح رَد کیا ہے، اب غور کیجئے کہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، اس سے یزید کی منقبت ظاہر ہوتی ہے یا تنقیص؟

جناب محمود احمد عباسی نے علامہ ابن کثیر کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان پر کیسا

بہتان باندھا ہے۔ حافظِ حدیث محدث ابن الجوزی اپنی کتاب مذکور میں فرماتے ہیں: وقد اجاز العلماء الورعون لعنہ (حاشیہ نبراس ص ۵۵۴)

ترجمہ: اور پرہیزگار علماء نے اس (یزید) پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے،
شیخ عبدالمغیث اور علامہ ابن الجوزی دونوں حنبلی ہیں۔

(۲) ایک دوسری عبارت "خلافتِ معاویہ و یزید" کی ملاحظہ ہو، خلیفہ ناصر نے امیر یزید کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب اُنھوں نے دیا، علامہ موصوف کے الفاظ میں سنئے:

فسألہ الخلیفۃ ایلعن ام لا؟ فقال لا اسوغ لعنہ لانی لو فتحت ھذا الباب لافضی الناس الی لعن خلیفتنا فقال الخلیفۃ ولم؟ قال لانہ یفعل اشیاء منکرۃ کثیرۃ منھا کذا وکذا ثم شرع یعدد علی الخلیفۃ افعالہ القبیحۃ مما یقع منہ المنکر،

(البدایۃ والنھایۃ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

ترجمہ: خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں، اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سے منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ اُمور ہیں، اُنھوں نے خلیفہ کے بُرے افعال گنانے شروع کئے جو جو منکرات سرزد ہوئے تھے (خلافتِ معاویہ و یزید ص ۵۶)

مذکورہ بالا ترجمہ جناب محمود احمد عباسی نے کیا ہے۔ اب علامہ ابن کثیر کی عربی عبارت کا صحیح ترجمہ دیکھئے۔ "خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ میں اس (یزید) پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا کیونکہ اگر میں (اجازت دے دوں اور) یہ (لعنت کا) دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ پر لعنت کرنے لگیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا اس لئے کہ وہ (خلیفہ) بہت سے منکرات پر عمل کرتا ہے مثلاً یہ اور یہ اُمور۔ پھر شیخ نے خلیفہ کے سامنے ان منکرات کو گننا شروع کر دیا جو خلیفہ سے سرزد ہوئے تھے۔"

جناب محمود احمد صاحب عباسی کے ترجمے کا اور اس ترجمہ کا مقابلہ کیجئے تو حسب ذیل باتیں ملیں گی:

لا انسوغ لعنه کا ترجمہ محمود احمد عباسی نے یہ کیا ہے کہ "لعن کرنا ہرگز جائز نہیں" حالانکہ ایک معمولی درجہ کا عربی داں بھی جانتا ہے کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اصل ترجمہ یہ ہے کہ "میں اس پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا" اور اس اجازت نہ دینے کی وجہ شیخ نے یہ بیان فرمائی کہ "اگر میں یزید پر لعنت کا دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ (ناصر) پر لعنت کرنے لگیں گے اور اس سے بغاوت کا چشمہ پھوٹ پڑے گا"۔ پھر خلیفہ نے سوال کیا کہ وہ کیوں؟ تو شیخ نے فرمایا "اس لئے کہ خلیفہ فلاں فلاں منکرات پر عمل کرتا ہے"۔ اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ یزید جن منکرات پر عمل کرتا تھا خلیفہ ناصر بھی ان ہی منکرات پر عمل کرتا ہے اس لئے اگر ان منکرات کی وجہ سے جن پر یزید عمل کرتا تھا میں یزید پر لعنت کرنے کی اجازت دیدوں تو لوگ خلیفہ ناصر پر بھی لعنت کرنے لگیں گے۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ آیا اس سے اس کی تعریف نکلتی ہے یا اس کی تنقیص؟ اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید پر لعنت نہ کرنی چاہئے، مگر اس سے یہ بات کیسے ثابت ہوئی کہ یزید منکرات پر عمل نہ کرتا تھا یا مستحق لعنت نہیں تھا اور بہت پاکباز تھا، بلکہ اس کے خلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ منکرات پر یقیناً عمل کرتا تھا، اس لئے جن امور کی وجہ سے خلیفہ ناصر یزید کو اپنے ذہن میں مستحق لعنت سمجھتے تھے (جیسا کہ ان کے سوال کرنے سے معلوم ہوتا ہے) وہ خود خلیفہ ناصر میں موجود تھے اسی بنار پر شیخ عبدالمغیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔

(۳) جناب محمود احمد عباسی نے کتاب "خلافت معاویہ و یزید" میں یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کے لئے حسب ذیل حوالہ نقل فرمایا ہے۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ حدیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبۃ الکوفی المتوفی سنہ ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات یعنی ثقہ راویانِ حدیث میں شمار کرتے تھے، مراسیل ابو داؤد میں ان کی مرویات ہیں (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۵)

تہذیب التہذیب کا یہ حوالہ نقل کرکے محمود احمد عباسی نے یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کی جو سعی کی ہے اس میں لوگوں کو بہت زبردست دھوکہ دیا ہے۔ ذیل میں تہذیب التہذیب کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے جس میں سے یہ ٹکڑا لیا گیا ہے۔

(یزید) بن معاویۃ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیۃ بن عبد الشمس ابو خالد ولد فی خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعہد الیہ ابوہ بالخلافۃ فبویع سنۃ ستین وابی البیعۃ عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولاذ بمکۃ والحسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ونھض الی الکوفۃ وارسل ابن عمہ مسلم بن عقیل بن ابی طالب لیبایع لہ بھا فقتلہ عبید اللہ بن زیاد وارسل الجیوش الی الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقتل کما تقدم فی ترجمۃ سنۃ احدی وستین ثم خرج اھل المدینۃ علی یزید وخلعوہ فی سنۃ ثلاث وستین فارسل الیھم مسلم بن عقبۃ المری وامرہ ان یستبیح المدینۃ ثلاثۃ ایام وان یبایعھم علی انھم خول وعبید لیزید، فاذا فرغ منھا نھض الی مکۃ لحرب ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ففعل بھا مسلم الافاعیل القبیحۃ وقتل بھا خلقا من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وابناھم وخیار التابعین رحمہم اللہ تعالیٰ واوحش القضیۃ الی الغایۃ، ثم توجہ الی مکۃ فاخذہ اللہ تعالیٰ قبل وصولہ واستخلف علی الجیش حصین بن نمیر السکونی فحاصروا ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ونصبوا علی الکعبۃ المنجنیق فادی ذلک الی وھی ارکانھا ووھی بناءھا ثم احرقت وفی اثناء افعالھم القبیحۃ فجأھم الخبر بھلاک یزید بن معاویۃ فرجعوا وکفی اللہ المؤمنین القتال، وکان ھلاکہ فی منتصف ربیع الاول سنۃ اربع وستین ولم یکمل الاربعین واخبارہ مستوفاۃ فی تاریخ دمشق لابن عساکر ولیست لہ روایۃ تعتمد وقال یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ احد الثقات حدثنا نوفل بن ابی عقرب ثقۃ قال کنت عند عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فذکر رجل یزید بن معاویۃ فقال قال امیر المؤمنین یزید فقال عمر رحمہ اللہ تعالیٰ تقول امیر المؤمنین یزید وامر بہ فضرب عشرین سوطا۔ ذکرتہ للتمییز بینہ وبین النخعی۔ ثم وجدت لہ روایۃ فی مراسیل ابی داود وقد نبھت علیھا فی الاستدراک علی الاطراف (تھذیب التھذیب للحافظ ابن حجر عسقلانی ۶۹۹ھ صفحہ ۳۶۰ و ۳۶۱ ج ۱۱) یہ پوری عبارت یزید کے بیان میں ہے کوئی لفظ کم و بیش نہیں ہے۔

ترجمہ: یزید بن معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد الشمس

یزید کی کنیت ابو خالد ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں خلافت کا ولیعہد بنایا، سنہ ۶۰ھ میں یزید کی بیعت کی گئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیعت سے انکار کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مکہ میں پناہ گزیں ہو گئے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے لئے چل کھڑے ہوئے اور اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل بن ابی طالب کو پہلے ہی روانہ کر دیا تاکہ کوفہ میں لوگوں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بیعت لیں، ان کو عبیداللہ بن زیاد نے قتل کر دیا، اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنہ ۶۱ھ میں شہید کر دیئے گئے جیسا کہ ان کے حالات میں ذکر کیا جا چکا ہے پھر ۶۳ھ میں اہلِ مدینہ نے یزید پر خروج کیا اور اس کی بیعت کو توڑ دیا تو یزید نے مسلم بن عقبۃ المری کی سرکردگی میں اہلِ مدینہ پر فوج کشی کرائی اور حکم دیا کہ تین دن تک مدینہ کو لشکری لوگ (ہر طرح) مباح سمجھیں اور حکم دیا کہ اہلِ مدینہ سے یزید کے واسطے خادم اور غلام بننے کے لئے بیعت لے، اور جب اس سے فارغ ہو جائے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جنگ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہو، چنانچہ حسب الحکم مسلم بن عقبۃ المری نے مدینہ میں افعالِ قبیحہ کئے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کی اولاد اور خیار تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی جماعت کو تہِ تیغ کر ڈالا اور اس واقعہ کو انتہائی برائی تک پہنچایا (چنانچہ مسند دارمی میں ہے کہ قتل و غارت گری اور عصمت دری وغیرہ سب کچھ مدینہ منورہ میں ہوا۔ تین روز تک مسجد نبوی میں نماز تک نہ ہوئی۔ تنہا سعید بن مسیب مسجد نبوی میں دیوانہ بن کر پڑے رہے۔ ان ایام میں مزار مبارک سے اذان و تکبیر کی آواز آتی تھی، اسی آواز پر وہ تنہا نماز ادا کیا کرتے تھے ورنہ مسجد نبوی میں نہ کوئی اذان دینے والا تھا اور نہ کوئی دوسرا نماز پڑھنے والا) پھر مکہ کی طرف روانہ ہوا مگر مکہ پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آکر ہلاک ہو گیا اور حصین بن نمیر سکونی کو قائم مقام بنا گیا، اس لشکر نے مکہ میں ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا محاصرہ کیا اور خانہ کعبہ پر (پتھر برسانے کے لئے) منجنیق (بڑے قسم کے گوپیے جن سے پتھر پھینکے جاتے ہیں) نصب کر دی اور خوب پتھر برسائے جس کی وجہ سے بیت اللہ کے ستون اور عمارت کمزور ہو گئی، پھر

(خانہ کعبہ) جلا دیا گیا۔ انہی کرتوتوں کے دَوران میں اچانک یزید بن معاویہ کے ہلاک ہو جانے کی اطلاع پہنچی (خبر سنتے ہی) لشکر واپس ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مکہ کے مؤمنین کو قتال سے بچا لیا اور یزید کی ہلاکت سنہ ۶۴ ہجری میں ماہ ربیع الاوّل کے نصف میں ہوئی، وہ عمر کے چالیس سال بھی پورے نہ کر سکا۔ ابن عساکر کی تاریخ دمشق میں اس کے پورے واقعات مذکور ہیں، یزید کی کوئی روایتِ حدیث قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیہ نے جو ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں بیان کیا کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا جو ثقہ ہیں کہ میں امیرالمؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر تھا، ایک شخص نے یزید بن معاویہ کا ذکر کیا اور کہا کہ "امیرالمؤمنین یزید نے یہ کہا"۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "تو یزید کو امیرالمؤمنین کہتا ہے"؟ اور اس شخص کے لئے بیس کوڑے مارنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس کے بیس کوڑے مارے گئے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس (یزید) کا ذکر یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے یہاں کیا ہے (ورنہ یہ صحاح ستہ کے راویوں میں نہ ہونے کی وجہ سے اس کتاب میں ذکر کئے جانے کے قابل نہیں ہے) مراسیل ابی داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی ملی ہے اور میں نے اطراف پر استدراک میں اس مرسل روایت پر تنبیہ کی ہے۔

اس عبارت کا مقابلہ اس عبارت سے کیجئے جو جناب محمود احمد صاحب عباسی نے پیش فرمائی ہے وہی کتاب ہے وہی صفحہ ہے مگر دیکھئے کس طرح قطع و برید کر کے یزید کو ثقہ راویوں میں شمار کرنے کی کوشش فرمائی ہے، دونوں عبارتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد جناب عباسی صاحب کی حسب ذیل غلطیاں منظرِ عام پر آجاتی ہیں۔

(الف) تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے جس میں حافظ صاحب موصوف نے صرف ان رجال (راویوں) کا تذکرہ فرمایا ہے جو صحاحِ ستہ کے راوی ہیں، لیکن جہاں کہیں دو ناموں میں اشتباہ ہوتا ہے، وہاں اشتباہ دور کرنے کے لئے دوسرے آدمی کا ذکر بھی کر دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ صحاح کے راویوں میں سے نہ بھی ہو۔ چنانچہ تہذیب التہذیب میں یزید کا جو ذکر ہے وہ اس لئے نہیں ہے کہ یزید صحاحِ ستہ کے راویوں میں سے ہے بلکہ

خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی زبانی سنیئے کہ یزید کا ذکر انھوں نے تہذیب التہذیب میں کیوں کیا؟ وہ فرماتے ہیں، ذکرتہ للتمییز بینہ وبین النخعی، یعنی میں نے یزید بن معاویہ اموی کا ذکر اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے کیا ہے۔

اب غور فرمائیے کہ جناب محمود احمد عباسی نے حقیقت کو کس طرح چھپایا اور تہذیب التہذیب میں یزید کا نام آجانے کی وجہ سے اسے رواۃِ حدیث میں شمار کر کے لوگوں کو فریب میں مبتلا کر دیا۔ یہاں نسیان نہیں ہے بلکہ دیدہ ودانستہ ایسا کیا گیا۔

(ب) جناب محمود احمد عباسی نے اسی حوالے میں محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبۃ الکوفی کا ایک قول نقل کیا ہے اور دعوٰی یہ کیا ہے کہ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ قول تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے۔

یہ دعوٰی بالکل جھوٹا ہے یحییٰ بن عبد الملک بن عتبۃ الکوفی کا نام سرے سے تہذیب التہذیب میں ہے ہی نہیں۔ البتہ یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ الخزاعی ابو زکریا الکوفی کا ذکر بے شک تہذیب التہذیب میں ہے۔ عذر کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتابت وطباعت کی غلطی ہے۔

(ج) جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃِ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبۃ الکوفی متوفی سنہ ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات یعنی ثقہ راویانِ حدیث میں شمار کرتے تھے۔

یہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور محدث یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں پر خالص افترا ہے کہ انھوں نے یزید کو ثقہ کہا ہے۔ بلکہ جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس میں ملاحظہ فرمائیے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ کی سند سے ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے خود یحییٰ ابن عبد الملک کو احد الثقات (ثقہ راویوں میں سے ایک) کہا ہے اور ان کے شیخ نوفل بن ابی عقرب کو بھی ثقہ کہا ہے تاکہ سند کی صحت میں شبہہ نہ رہے اور ان کی

سند سے خلیفۂ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص نے یزید کو امیر المؤمنین کہا تھا تو انھوں نے اس کے بیس[۲] کوڑے لگوائے، حالانکہ امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ بھی خاندان بنی اُمیہ میں سے ہیں جن کا نسب نامہ یہ ہے، عمر بن عبد العزیز بن مروان بن الحکم بن ابی العاص ابن امیۃ بن عبد الشمس القرشی الاموی، یہ صحاحِ ستہ کے راوی ہیں ان کا نسب اور یزید کا نسب اُمیہ پر جاکر مل جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے احد الثقات یحییٰ کی صفت بیان کی تھی مگر عباسی صاحب نے اسے یزید کے ساتھ چسپاں کردیا ہے جسے اہلِ علم عبارت دیکھ کر خود سمجھ سکتے ہیں۔

(ی) جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: "مراسیل ابو داؤد میں ان (یزید) کی مرویات ہیں"۔

مرویات جمع کا صیغہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد روایتیں ہیں، یہ بھی دھوکہ ہے مراسیل ابو داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی ہے، جسے امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، اس کو مرویات کے لفظ سے تعبیر کرنا امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ پر افترا ہے، جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے؛ سے ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں صاف ذکر ہے کہ "مراسیل ابو داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی مجھے ملی"۔ یہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ غور فرمایئے کہ کس طرح جناب عباسی صاحب نے دھوکہ دینے کی سعی کی ہے، ناظرین کی توجہ ایک اور بات کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں کہ عباسی صاحب نے جس "تہذیب التہذیب" سے ابن حجر اور یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے اسی "تہذیب التہذیب" میں امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یزید کے پورے بیان میں ایک لفظ بھی یزید کی مدح کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایسے الفاظ استعمال کئے جس سے اس کی منقصت ہی ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اس کی موت کے لئے لفظ "ہلاک" استعمال کرنا، ساتھ ہی یہ ذکر کرنا کہ اس نے اپنے لشکر کے سردار کو مدینہ منورہ کی غارتگری کا حکم دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فوج کشی کرائی۔ مدینہ منورہ کو تین دن تک ہر طرح مباح کردیا جس کے دوران میں قتل وغارت گری اور عصمت دری کے بے شمار واقعات پیش آئے، مکہ معظمہ پر چڑھائی کا حکم دیا جس کے نتیجہ میں خانہ کعبہ کی بنیادیں

کمزور ہوگئیں اور پھر خانہ کعبہ جلا دیا گیا۔ ان امور کے علاوہ کوئی لفظ بھی یزید کی منقبت میں ذکر نہیں کیا" تہذیب" کی عبارت کو اہل علم پھر غور سے پڑھیں، نیز حافظ ذہبی نے یزید کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے، (یزید بن معاویۃ ابن ابی سفیان الاموی روی عن ابیہ وعنہ ابنہ خالد وعبد الملک بن مروان۔ مقدوح فی عدالتہ لیس باھل ان یروی عنہ وقال احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ لا ینبغی ان یروی عنہ (میزان الاعتدال ۳۲۱۹ ص ۴۴۰ ج ۴)

ترجمہ: یزید بن معاویہ بن ابی سفیان الاموی نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ اور خود اس سے اس کے بیٹے خالد اور عبد الملک بن مروان نے روایت کی ہے، اور اس کا عادل ہونا مجروح ہے یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے روایت کی جائے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴) عباسی صاحب یزید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے" البدایۃ والنہایۃ" کی عبارت حسب ذیل پیش فرماتے ہیں:

وکان (ابو ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصیٰ وھو الذی صلی علیہ (البدایۃ والنھایۃ ص ۵۸، ج ۸)

ترجمہ: ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے، انھوں نے اسی (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

(خلافت معاویہ ویزید ص ۲۷)

اور پھر تحریر فرماتے ہیں" ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزید کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزید شرکت کی۔

(خلافت معاویہ ویزید ص ۲۷)

" البدایۃ والنہایۃ" کی مذکورہ بالا عبارت ہی کے آخر میں حسب ذیل عبارت بھی ہے، جسے عباسی صاحب نے دیدہ و دانستہ ترک کر دیا تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔

قال احمد حدثنا اسحٰق بن عیسیٰ قال حدثنی محمد بن قیس قاضی عمر بن عبد العزیز عن ابی صرمۃ عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال حین حضرتہ الوفاۃ قد کنت کتمت عنکم شیئا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعتہ

يقول لولا انكم تذ نبون لخلق الله قومًا يذ نبون فيغفر لهم، وعندى ان هذا الحديث والذى قبله حمل يزيد بن معاوية على طرفى من الارجاء وركب بسببه افعالا كثيرة انكرت عليه كما سنذكره فى ترجمته والله اعلم (البداية والنهاية ص ۵۹ ج ۸)

ترجمہ: حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں (ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میں تم سے ایک حدیث چھپائے ہوئے تھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ اگر تم لوگ گناہ والے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ایک ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ والی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انھیں بخشتا اور (حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میرے نزدیک اس حدیث نے اور اس سے قبل والی حدیث (من مات لایشرك بالله شیئاً جعله الله فی الجنة، بسند امام احمد) نے ہی یزید بن معاویہ کو جری کر دیا تھا، اور اسی وجہ سے اس (یزید) نے بہت سے افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کیا جیسا کہ عنقریب ہم اس کے ترجمہ میں ذکر کریں گے۔

آپ بتائیے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس پوری عبارت سے یزید کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے یا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے قبیح افعال کا ارتکاب کیا، یزید نے جو جنازہ کی نماز پڑھائی وہ بحیثیت امیر لشکر ہونے کے پڑھائی جو قانونِ اسلامی ہے، اس صورت میں فاضل ومفضول کا سوال پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ اس کے نظائر تاریخ اسلامی میں موجود ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ میں اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بڑے بڑے صحابہ تھے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لشکر کا سردار بنا کر روانگی کا حکم فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابہ موجود تھے

(۵) عباسی صاحب موصوف نے یزید کے محاسن ثابت کرنے کے لئے "البداية والنهاية" کی حسب ذیل عبارت بھی پیش فرمائی ہے: وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرامة والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأى فى الملك وكان ذا جمال حسن المعاشرة،

(البداية والنهاية ص ۲۳۰ ج ۸)

ترجمہ: اور یزید کی ذات میں قابلِ ستائش صفات حلم و کرم و فصاحت و شعر گوئی و شجاعت و بہادری کی تھیں، نیز معاملاتِ حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی و عمدگی بھی ان میں تھی (خلافتِ معاویہ و یزید ص ۴۹)

مگر اس عبارت کے فوراً بعد ہی حسب ذیل عبارت تھی جسے عباسی صاحب نے ریسرچ کا پورا حق ادا کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ وکان فیہ ایضا اقبال علی الشھوات وترك بعض الصلوات فی بعض الاوقات واماتتھا فی غالب الاوقات (البدایۃ والنھایۃ ص ۲۳ ج ۸)

ترجمہ: اور نیز اس (یزید) میں شہواتِ نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کرنا پایا جاتا ہے، اور نمازوں کو بے وقت پڑھنا تو اکثر اوقات رہتا تھا۔

غور کیجئے کہ عباسی صاحب نے عبارت میں قطع و برید کر کے کس طرح دھوکہ دیا ہے، البدایۃ والنہایۃ کی اس عبارت کے موجود ہوتے ہوئے ان اوصاف جنھیں عباسی صاحب نے ذکر کیا ہے۔ مثلاً حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی، شجاعت و بہادری وغیرہ سے یزید کے متقی و پرہیزگار و ثقہ ہونے پر کیسے روشنی پڑ سکتی ہے؟ جس کے لیے عباسی صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور روزِ روشن میں لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک دی اور ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ حقیقت پر جو پردے پڑے ہوئے تھے انھیں اس ریسرچ نے چاک کر دیا۔

(۶) جناب عباسی صاحب نے عمر بن سعد کے بارے میں تہذیب التہذیب کی حسب ذیل عبارت نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عمر بن سعد کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہو چکا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جا سکتی ہے، (خلافتِ معاویہ و یزید ص ۲۱۴)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزھری ابو حفص المدنی سکن الکوفۃ روی عن ابیہ وابی سعید الخدری وعنہ ابنہ ابراھیم وابن ابنہ ابو بکر بن حفص وابو اسحق السبیعی والعیزار بن حریث ویزید بن ابی مریم وقتادۃ والزھری ویزید بن ابی حبیب وغیرھم وقال العجلی کان یروی عن ابیہ احادیث وروی عنہ الناس وھو تابعی ثقۃ (تھذیب التھذیب ص ۴۵۰ ج ۷)

ترجمہ: عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی کوفہ میں رہے، انھوں نے اپنے والد سے اور ابو سعید خدری سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابو بکر بن حفص اور ابو اسحٰق السبیعی اور عیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم و قتادہ و زہری و یزید بن حبیب وغیرہ نے روایت کی ہے، اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ عمر بن سعد نے

اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے اور خود ثقہ تابعی تھے (خلافتِ معاویہ ویزید ص ۲۱۴، ص ۲۱۵)

تہذیب ہی میں مذکورہ بالا عبارت کے فوراً بعد یہ عبارت ہے جسے جناب عباسی نے نہایت دیدہ دلیری سے نظر انداز کر دیا، وھو الذی قتل الحسین، یعنی یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کو قتل کیا، ظاہر عبارت سے صاف ثابت ہے کہ یہ قول وھو الذی قتل الحسین، محدث العجلی کا ہے جس کو عباسی صاحب نے نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ ہے وہ زبردست ریسرچ،

اس کے آگے کی عبارت ہے، وذکر ابن ابی خیثمۃ بسند له ان ابن زیاد بعث عمر ابن سعد علی جیش لقتال الحسین وبعث شمر بن ذی الجوشن وقال له اذهب معه فان قتله والا فاقتله وانت علی الناس وقال ابن ابی خیثمۃ عن ابن معین کیف یکون من قتل الحسین ثقة قال عمر بن علی سمعت یحیی بن سعید یقول ثنا اسمٰعیل ثنا العیزار عن عمر بن سعد فقال له موسی رجل من بنی ضبیعة یا ابا سعید هذا قاتل الحسین فسکت فقال له عن قاتل الحسین تحدثنا فسکت وروی ابن خراش عن عمرو بن علی نحو ذلك، فقال له رجل اما تخاف الله تروی عن عمر بن سعد فبکی وقال لا اعود،

(تهذیب التهذیب ص ۴۵۱ ج ۷)

ترجمہ: ابن ابی خیثمۃ نے اپنی سند سے بیان کیا کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو ایک لشکر کی قیادت سپرد کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کے لئے بھیجا اور شمر بن ذی الجوشن سے کہا تم بھی ان کے ساتھ جاؤ، اگر یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کریں تو فبہا، ورنہ تم ان کو قتل کر دینا اور تم لوگوں پر امیر ہو گے، اور ابن ابی خیثمۃ نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ ابن معین نے فرمایا کہ وہ شخص کیسے ثقہ ہو سکتا ہے جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا۔ عمرو بن علی نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو کہتے سنا کہ ہم سے اسمٰعیل نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم سے عیزار نے عمر بن سعد سے روایت کی (اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ) ان سے بنی ضبیعہ قبیلے کے ایک شخص موسیٰ نے کہا کہ اے ابو سعید یہ تو قاتلِ حسین ہیں، پس وہ خاموش ہو گئے، پھر ان سے کہا کہ تم ہم سے قاتلِ حسین کی روایت کرتے ہو پھر بھی وہ خاموش ہی رہے، اور ابن خراش نے بھی عمرو بن علی سے اس

جیسی روایت کی ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ اس شخص نے کہا کہ تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ عمر ابن سعد سے روایت کرتے ہو" اس پر وہ رو پڑے، اور فرمایا کہ میں اب دوبارہ ان (عمر ابن سعد) سے روایت نہ کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن معین اور سعید بن القطان، ابن ابی خیثمۃ اور قبیلہ بنی ضبیعۃ کے موسیٰ وغیرہ جو ائمۂ رجالِ حدیث ہیں عمر بن سعد کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں تنہا العجلی کے قول کو نقل کر دینا ریسرچ کے پردہ کو چاک کر دیتا ہے۔ یحییٰ بن معین جیسے امام الجرح والتعدیل کے مقابلہ میں محدث عجلی کا قول کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتا۔ عیزار بن حریث وہی شخص ہے جن کو "تہذیب" میں عمر بن سعد کے شاگردوں میں ذکر کیا ہے، جس کی تصریح خود عباسی صاحب نے کی ہے" ان ہی عیزار سے "تہذیب" کے اسی صفحہ میں محدث موسیٰ کہہ رہے ہیں کہ قاتلِ حسین رضی اللہ تعالیٰ سے ہمارے سامنے روایت بیان کرتے ہو جس پر عیزار بن حریث نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا اور یہی روایت بواسطہ شعبہ عن ابی اسحٰق عن العیزار کی سند سے میزان الاعتدال ص ۲۵۸ جلد ۲ میں موجود ہے۔ فقط (ماہنامہ دار العلوم دیوبند، جنوری سنہ ۱۹۶۰ء)

یزید

اکابر علماءِ اہلِ سُنّت دیوبند کی نظر میں

ترتیب و حواشی

قاری محمد ضیاء الحق

فہرست عنوانات

عرضِ ناشر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا وَّ مُسَلِّمًا - اما بعد

اللہ رب العزت کا عظیم احسان ہے کہ اس نے ہمیں اہلسنت والجماعت کے نظریات وعقائد کو کما حقہ پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

امت مسلمہ کو غلو فی الدین اور تفریق بین المسلمین جیسے فتنوں سے بچانے کی غرض سے مکتبہ اہل سنت وجماعت کا قیام ۱۴۱۰ھ میں عمل میں آیا تھا۔ اس مکتبہ کے قیام کا بنیادی مقصد صحابہ کرامؓ اور اہل بیت اطہارؓ کے مقام کا تحفظ ہے۔ چنانچہ اس سے قبل اس مکتبہ سے چند کتابیں "شہدائے کربلا پر افتراء"، "اکابر صحابہؓ پر بہتان" اور "یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں" شائع ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کتابوں کو کما حقہ پذیرائی حاصل ہوئی اور یہ کتابیں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات نے ان کتابوں سے بخوبی استفادہ کیا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

انہی مطبوعات میں سے ایک رسالہ "یزید اکابر علماء اہل سنت دیوبند کی نظر میں" بھی ہے جس میں اکابرین دیوبند کے فتاویٰ اور تصریحات یکجا کر دی گئی ہیں تاکہ علماء دیوبند کا نام لے کر یزید کی حمایت کرنے والوں پر اتمامِ حجت ہو جائے

اہل سنت عوام الناس بھی اس رسالے سے بخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ علماء دیوبند کے افکار وخیالات موجودہ دور کے نواصب کے نظریات سے کس حد تک مماثلت رکھتے ہیں۔

ہمارے اسلاف اکابر علماء دیوبند کا طرۂ امتیاز ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ انہوں نے ہر مسئلے میں اعتدال اور میانہ روی کو اختیار فرمایا ہے انہوں نے

افراط و تفریط کی راہ کبھی اختیار نہیں کی، غلو اور انتہا پسندی سے یہ حضرات کوسوں دور تھے، علم و فضل، تقویٰ و طہارت، اخلاص و للّٰہیت میں یہ حضرات اپنی مثال آپ تھے۔

علماء دیوبند میں سے ہر ایک نے امت کی اصلاح کے لئے ایسے عظیم کارنامے انجام دیئے کہ بڑی بڑی جماعتیں اور انجمنیں بھی اس انداز پر کام نہ کرسکیں۔ انہوں نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں اللہ کے بندوں کو نورِ ایمان میں رنگ دیا۔ افسوس تو یہ ہے کہ آج ان اکابرِ دیوبند کے نام لیوا حضرات مسلکِ اعتدال سے ہٹ چکے ہیں۔ افراط و تفریط کی وجہ سے زیغ و ضلال کا شکار ہیں۔ اور اگر کالج، یونیورسٹی کے اساتذہ و طلبہ کی حد تک یہ خرابی رونما ہوتی تو شاید اتنا افسوس نہ ہوتا جتنا کہ علومِ دینیہ پڑھنے پڑھانے والوں کو دیکھ کر اور ان کی تحریریں پڑھ کر افسوس ہوتا ہے جو بقول حضرت نانوتویؒ یزید کا کلمہ پڑھ رہے ہیں مسلکِ دیوبند کی مساجد میں بھی بعض ائمہ و خطباء کا یہی حال ہے فَاِلَی اللّٰہِ المشتکیٰ!

یہ رسالہ ہم اسی غرض سے طبع کرا رہے ہیں تاکہ کم از کم دیوبندی مسلک کی فکر رکھنے والے حضرات اہلِ علم اور تمام سنی مسلمان یزید کے فضائل و مناقب کا علَم اٹھانے کے بجائے کم از کم توقف اور میانہ روی کا راستہ ضرور اختیار کریں۔ منبر و محراب سے یزید کے مدحیہ قصیدے نہ پڑھے جائیں۔ رفض اور شیعیت کی تردید کے لئے علاج بالضد کا راستہ اختیار نہ کیا جائے بلکہ اکابر علماء دیوبند اہلِ حق نے جو طرز اختیار کیا اسی انداز سے روافض کا رد کیا جائے۔ علمی و تاریخی تحقیق کی روشنی میں ہر ایک ذمہ دار شخص ذاتی حد تک یہ جان لے کہ علماء اسلام سلفاً و خلفاً یزید کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ دورِ جدید کے ناصبیوں نے جو یہ پروپیگنڈا کر رکھا ہے کہ علماء دیوبند تاریخ دان نہیں تھے اگر وہ تاریخ کا بنظرِ غائر مطالعہ کرتے تو ضرور یزید کو اچھا کہتے۔ ان کے اس دجل اور تلبیس کی پول بھی کھل جائے اور علماء دیوبند کے ساتھ علمی نسبت اور عقیدت و محبت رکھنے والے کسی تلبیس اور دھوکہ کا شکار

نہ ہوں ۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ

ناظرین سے ہماری بس اتنی استدعا ہے کہ جو کتاب بھی ہم شائع کریں اس کا ٹھنڈے دل سے مکرر سہ کرر بغور مطالعہ کرکے فیصلہ کریں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حق ہے یا نہیں، اور پھر اگر مطالعہ کے بعد آپ کا دل خود اس امر کی گواہی دے کہ یہ حق کی دعوت ہے تو اس دعوت کو عام کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں، کتاب کو خود خریدیں استطاعت ہو تو اس کے مزید نسخے خرید کر دوست احباب کو ہدیہ کریں۔ خاص طور پر اپنی مسجد کے خطیب اور امام صاحب کو اس کا نسخہ پیش کریں ورنہ خود پڑھیں اور دوسروں کو اس کے پڑھنے کی دعوت دیں

مکتبہ کے وسائل محدود ہونے کی بنا پر عرصہ دراز سے یہ رسالہ معرضِ التوا میں تھا حال ہی میں ہم نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس کی طباعت کا فیصلہ کیا ۔ کاغذ کتابت اور طباعت کے مصارف بہت بڑھ گئے ہیں اس کے باوجود ہم نے کتاب کی قیمت نہایت ہی مناسب رکھی ہے تاکہ ہر آدمی اس کو خرید کر پڑھ سکے ۔

آخر میں اللہ رب العزت کی جناب میں عرض ہے کہ اپنی بارگاہ میں اس کے مرتب وناشر اور ان کے والدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے ۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے آمین ثم آمین ۔ وما توفیقی الا باللہ

ناچیز مظفر لطیف عفی عنہ
ابن محمد عبدالرحیم خاطر رحمہ اللہ

۲۵ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ یوم الجمعہ
۱۶ جولائی ۱۹۹۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی لا الٰہ ھو رب العرش رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین محمدٍ وّآلہ
وصحبہ وعلی عباد اللہ المصطفین الصالحین اجمعین الی یوم الدین

امابعد اس دور میں جس طرح رفض کا فتنہ چل رہا ہے اسی طرح اس کے بالمقابل ناصبیت بھی فروغ پا رہی ہے، اور افسوس یہ ہے کہ رفض کے مقابلے میں بجائے اس کے کہ اُن اصولی مباحث میں گفتگو کی جاتی کہ جن میں اہل سنت اور شیعوں کا بنیادی اختلاف ہے، جیسے ایمان بالقرآن کا مسئلہ، عصمتِ ائمہ کی بحث، اثبات تقدیر اور رویتِ باری کے مسائل اور حضرات خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مطاعن کے رد کے بجائے اب جب سے محمود احمد عباسی کی کتاب خلافتِ معاویہ ویزید چھپ کر آئی ہے بحث اس پر ہوتی ہے کہ یزید جنتی تھا یا نہیں، مروان صحابی تھا یا نہیں، حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے مقابلے میں حق پر تھے یا نہیں۔ حالانکہ یہ مسائل اہل سنت اور شیعوں کے درمیان اہم نزاعی مسائل ہیں۔

اہل سنت یزید کو کبھی اچھا نہیں کہتے، علماء حق کی تصریح کے مطابق وہ فاسق تھا۔ اس کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ علمائے اسلام میں اس کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ آیا یزید اپنے بُرے کرتوتوں کی وجہ سے اسلام پر مرا یا کفر پر، اور اس پر لعنت کرنا روا ہے یا نہیں؟

اکابر علمائے دیوبند کا جو معتدل اور محتاط فیصلہ یزید کے بارے میں ہے، ہم ناظرین کی معلومات کے لئے اس کو منظرِ عام پر لانا مناسب خیال کرتے ہیں تاکہ لوگ اس کے بارے میں افراط اور تفریط سے بچیں۔ اور اُن نواصب پر اتمام حجت ہو جائے جو

حضرات اکابر علمائے دیوبند کا نام لے کر نہ صرف یزید کی برأت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ اس کے خود ساختہ فضائل اور مناقب پر بھی اپنا زورِ قلم خرچ کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں ہم نے ایسے تمام نام نہاد معتقدین اکابر علماء دیوبند کی تلبیس کا پردہ چاک کیا ہے جو اپنی عقیدت کا اظہار کر کے اکابر و اسلاف پر کھلم کھلا الزام تراشیاں کر رہے ہیں،

معزز ناظرین کو اس رسالہ کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ اکابر دیوبند کے فتاویٰ اور ان کی تحریریں کس حد تک یزید کے ساتھ ہیں

وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ

محمد ضیاء الحق

۲۵ ر رجب المرجب ۱۴۰۹ھ یوم الجمعہ

۳ ر مارچ ۱۹۸۹ء

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی تصریحات

اقتباسات از مکتوباتِ قاسمیؒ

پس ممکن کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید را لائق خلافت خود، چنانکہ مذکور خواہد شد، دیدند و بر خبث افعالِ او مطلع نشدہ باشند و دیگران او را قابلِ خلافت ندیدند یا دیدند و باز حالِ او متبدل شد۔ ازین وجہ از بیعتش انکار کردند ص۳۵ و ص۳۶

پس ممکن ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید کو اپنی جگہ خلافت کے لائق دیکھا جیسا کہ ذکر آئے گا اور یزید کے برے افعال کی انہیں کچھ خبر نہ ہو، اور دوسروں نے اس کو خلافت کے قابل نہ پایا اور بعدازاں اس کی حالت بدل گئی ہو اس وجہ سے انہوں نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا ہو۔ اھ

نہایۃ ما فی الباب بسبب خرابیہائی پنہانی کہ داشت ہمچو منافقان کہ در بیعت الرضوان شریک بودند و بوجہ نفاق رضوان اللہ نصیب اوشان نشد، یزید ہم از فضائلِ این بشارت محروم شد۔ ص۳۸

زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں ہے کہ ان پوشیدہ خرابیوں کے باعث کہ یزید رکھتا تھا۔ منافقوں کی طرح جو بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ اور نفاق کی وجہ سے ان کو اللہ کی رضا نصیب نہ ہوئی اسی طرح یزید بھی اس بشارت کی فضیلتوں سے محروم رہا۔ اھ

ہاں پس از انتقالِ اوشان یزید پای خود از شکم برآورد و دل بکام و دست بجام سپرد۔ اعلانِ فسق نمود و ترکِ صلوٰۃ داد۔ بحکم بعض مقدمات سابقہ قابلِ عزل گردید و این قسم تحول احوال گفتہ آمدہ ام کہ ممکن است محال نیست۔ ص۳۹ و ۴۰

ہاں ان کے انتقال کے بعد یزید نے پر پرزے نکالنے شروع کیے اور دل کو خواہشِ نفس اور ہاتھ کو جام شراب پر لے گیا۔ کھلم کھلا فسق کرنے لگا اور نماز چھوڑ دی، بعض سابقہ تمہیدوں کی بنا پر معزول کرنے کے لائق ہو گیا، اور یزید کے اس قسم کے حالات کی تبدیلی بیان کرتا آیا ہوں کیونکہ ممکن ہے محال نہیں

تاہم ہیچ صعوبتی براصول اہل سنت نیست. چہ یزید اندرین صورت یا فاسق معلن بود، تارکِ صلوٰۃ وغیرہ یا مبتدع بود چہ از روسای نواصب است باین ہمہ عموم خلافتش غیر مسلّم ص۵۲	تاہم اہل سنت کے اصول پر کوئی دشواری باقی نہیں رہی ہے کیونکہ یزید اس صورت میں یا کھُلم کھلا فاسق تھا نماز کا ترک کرنے والا وغیرہ یا بدعت کا مرتکب تھا. کیونکہ وہ نواصب کے سرداروں میں سے تھا، ان سب پہلوؤں کے پیشِ نظر اس کی عام خلافت کا منعقد ہونا مسلّم نہیں۔ اھ

"ہدیۃ الشیعہ" سے اقتباسات

چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سید الشہداء کی جانِ نازنین پر جو کچھ گذرا وہ سب جانتے ہیں، باعث اس کا فقط حق گوئی تھا ورنہ یزید کا کلمہ کہدیتے تو جان کی جان بچتی اور الٹے مال و دولت اور اعزاز و اکرام ہوتا ص۱۷۳

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یزید پلید سے خلافتِ مغصوبہ کے طالب ہوئے یہاں تک کہ نوبت شہادت کو پہنچی۔ ص۲۸۱

"اجوبۂ اربعین" سے اقتباس

اوروں کی بیعت سے یزید کی بیعت اُن کے ذمہ لازم نہ ہوئی تھی جو کوئی عقل کا پورا جس کو دھتورے کے پینے کی حاجت نہیں بوجہ بیعت اہل شام جو یزید پلید کے ہاتھ پر کر چکے تھے، حضرت امام ہمام پر اعتراض کرے، یا مذہبِ اہل سنت پر آوازہ پھینکے۔

جلد اول ص۹۳

یزید کے بارے میں استاذ الاساتذہ، منبع العلوم والحِکم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی ان تصریحات سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوئے۔

۱ - یزید فاسق معلن یعنی کھلا فاسق تھا اور مبتدع۔

۲ - اس لئے اس کی خلافت ناقابلِ تسلیم تھی، اور اس کو معزول ہو جانا چاہیے تھا۔

۳ - یزید کو پلید کہنے میں کوئی قباحت نہیں۔

۴ - وہ مے نوش بھی تھا اور تارکِ صلوٰۃ بھی۔

۵ - یزید کے بُرے کرتوتوں کی اس کے والد کو اطلاع نہ ہو سکی

قطب العالم فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی تصریحات

فتاویٰ رشیدیہ سے اقتباسات

یزید کو کافر کہنا

سوال : یزید کہ جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا ہے وہ یزید آپ کی رائے شریف میں کافر ہے یا فاسق ؟

جواب : کسی مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں، یزید مومن تھا بسبب قتل کے فاسق ہوا کفر کا حال دریافت نہیں کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدہ قلب پر موقوف ہے۔ ص ۲۲۲

(کتاب ایمان اور کفر کے مسائل)

یزید پر لعنت کرنا

سوال : یزید کہ جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرایا وہ قابلِ لعن ہے یا نہیں گو کہ لعن کرنے میں احتیاط کرے، بہت سے اکابردین در بابِ لعن یزید تحریر فرما چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ شبِ شہادت کو میں نے ایک آواز غیب سے سنی کہ کوئی کہتا تھا۔ شعر

ایھا القاتلون جھلاً حسیناً بشروا بالعذاب والتذلیل
قد لعنتم علی لسان ابن داود وموسی وحامل الانجیل

(کذا فی تحریر الشہادتین وصواعق محرقہ)

اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں :

قال صلی اللہ علیہ وسلم "من اخاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : "جس نے

ؔ ترجمہ : اے وہ لوگو جنہوں نے حسین کو جہالت سے قتل کیا، عذاب اور ذلت کی خوشخبری حاصل کرو، تم ابن داؤد کی زبان پر لعنت کئے گئے ہو اور موسیٰ اور صاحبِ انجیل کی زبان پر

تحریر الشہادتین میں اسی طرح لکھا ہے

اھل المدینة أخافه الله وعلیه
لعنة الله والملائکة والناس
أجمعین (رواہ مسلم) وکان
سبب خلع اھل المدینة
أن یزید أسرف فی المعاصی

اہل مدینہ کو ڈرایا اللہ تعالیٰ اس کو ڈرائے گا
اور اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں
کی لعنت ہوگی (اس کو مسلم نے روایت کیا ہے)
اور اہل مدینہ نے بیعت کو اس لئے توڑ دیا کہ یزید نے
گناہوں میں بے حد زیادتی کردی تھی

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وقتل وجیئ برأسه فی
طست حتی وضع بین یدی
ابن زیادٍ لعن الله قاتله
وابن زیاد معه ویزید
ایضًا۔

پس حسین قتل کیے گئے اور ان کا سر طشت میں لایا
گیا حتی کہ ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا اللہ تعالیٰ اس
پر اور قاتلِ حسینؓ اور اس کے ساتھ یزید پر لعنت
کرے۔

اور بعض محققین مثل امام جوزی اور ملا سعد الدین تفتازانی وغیرہ رحمہم اللہ بھی لعن کے قائل ہیں۔ چنانچہ مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

وجہ قول جوازِ لعن آنست کہ ابن جوزیؒ
روایت کردہ کہ قاضی ابو یعلی در کتابِ
خود "معتمد الاصول" بسندِ خود از
صالح بن احمد بن حنبلؒ روایت کردہ کہ
گفتم پدرِ خود را کہ اے پدر مردم گمان
می برند کہ ما مردم یزید را دوست
می داریم، احمد گفت کہ اے پسر کسے کہ
ایمان بخدا و رسول داشتہ باشد او را
دوستی یزید چگونہ روا باشد و چرا لعنت
نہ کردہ شود بر کسیکہ خدا بر وے در کتابِ خود

لعنت کے جواز کا قول اس بنا پر ہے کہ ابن جوزیؒ نے
روایت کی ہے کہ قاضی ابو یعلی اپنی کتاب "معتمد الاصول"
میں اپنی سند کے ساتھ صالح بن احمد بن حنبلؒ سے روایت
کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ اے باپ
لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم یزید کے لوگوں کو دوست
رکھتے ہیں، احمد نے فرمایا کہ اے بیٹے جو شخص کہ خدا
و رسول پر ایمان رکھتا ہو اس کی دوستی یزید کے ساتھ
کس طرح جائز ہو سکتی ہے اور کیوں نہ لعنت
کی جائے اس شخص پر جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب
میں لعنت فرمائی ہو، میں نے کہا قرآن میں یزید پر

لعنت کردہ، گفتم در قرآن کجا بر یزید لعنت کردہ است ، احمد گفت فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ الخ	لعنت کہاں ہے تو امام احمدؒ نے فرمایا فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ الخ میں (ترجمہ) سو اگر تم کنارہ کش ہو تو آیا تم کو احتمال بھی ہے کہ تم دنیا میں فساد مچا دو اور آپس میں قطع قرابت کر دو۔

(سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، پارہ ۲۶)

اور نیز مکتوبات ص۲۰۱ میں ہے :

غرضکہ کفر بر یزید از روایتِ معتبرہ ثابت می شود پس او مستحقِ لعن است اگرچہ در لعن گفتن فائدہ نیست لیکن الحب فی اللہ والبغض فی اللہ مقتضی آنست۔ واللہ اعلم	غرضکہ یزید پر کفر معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے پس وہ مستحقِ لعنت ہے اگرچہ لعنت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے دشمنی کا مقتضی یہی ہے ، واللہ اعلم

ان عباراتِ مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات کفر کے بھی قائل تھے اور بعض حضرات اکابرِ دین لعن کو جائز نہیں فرماتے ہیں۔ اس واسطے کہ یزید کے کفر کا حال متحقق نہیں، پس وہ قابلِ لعن نہیں۔ لہٰذا یزید کو کافر کہنا اور لعن کرنا جائز ہے یا نہیں مدلل ارقام فرمائیں۔

جواب : حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے، اگر وہ شخص قابل لعن کا ہے تو لعن اس پر پڑتی ہے ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے، پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا محقق نہ ہو جائے اس پر لعنت کرنا نہیں چاہیئے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے ، لہٰذا یزید کے وہ افعالِ ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جس کو محقق اخبار اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی و خوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدون توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یوں ہی ہے۔ اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ دل میں وہ مؤمن تھا اس کے بعد اُن افعال کا وہ مستحق تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا، تحقیق نہیں ہوا، پس بدونِ تحقیق اس امر کے

لعن جائز نہیں، لہٰذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔ پس جواز لعن اور عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رشیدیہ، کتاب ایمان اور کفر کے مسائل ص۲۴۸ تا ۲۵۰)

حضرت معاویہؓ کا یزید کو خلیفہ بنانا

سوال : حضرت معاویہؓ نے اپنے روبرو یزید پلید کو ولی عہد کیا ہے یا نہیں ؟

جواب : حضرت معاویہ نے یزید کو خلیفہ کیا تھا اس وقت یزید اچھی صلاحیت میں تھا۔ فقط واللہ اعلم۔

حضرت معاویہ کا وعدہ حسین سے

سوال : جبکہ حضرت معاویہؓ نے حضرت امام حسینؓ سے اقرار نامہ لکھا تھا کہ تا زندگی یزید پلید کو ولی عہد نہ کروں گا پھر حضرت معاویہ اپنے قول سے کیوں پھر گئے اور یزید پلید کو کیوں ولی عہد کیا۔ صحابی سے اقرار توڑنا بعید معلوم ہوتا ہے۔ قمار باز اور شرابخور یزید پہلے ہی سے تھا یا ولی عہدی کے وقت نہ تھا مفصل صحیح کس طور پر ہے؟

جواب : حضرت معاویہؓ نے کوئی وعدہ عہد یزید کے خلیفہ کرنے کا نہیں کیا یہ واہیات وقائع ہیں فقط یزید اول صالح تھا بعد خلافت کے خراب ہوا تھا۔

کیا شمر حافظِ قرآن تھا؟

سوال : وعظ میں سنا ہے کہ شمر قاتلِ امام حسین علیہ السلام بڑا حافظِ قرآن تھا بروقت قتل کرنے امام ہمام کے نو سیپارہ ذرا دیر میں پڑھ لیے تھے یہ سچ ہے یا غلط؟

جواب : یہ قصہ ڈھکوسلا جہال واعظین کا ہے (فتاویٰ رشیدیہ، مسائلِ منثورہ ص۵۵۲)

ہدایۃ الشیعہ سے اقتباس

یزید کی امامت اجماعی نہ تھی، خواص نے رد کیا عوام کا اعتبار نہیں۔

مگر جیسا اجماع پانچ پہلوں[1] پر ہوا تھا یزید پر کون سا اجماعِ اہل حق ہوا تھا وہ تو متغلّب مزور ہوگیا تھا، اور اجماعِ عوام کچھ معتبر نہیں، اس کو اس پر قیاس کرنا کمالِ بلادت ہے۔ اس اجماع (اہل حق) کو حضرت امیر[2]ؓ نے جائز رکھا اس کو حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے رد کیا۔ کجا زمین کجا آسمان، ہوش درکار ہے۔ (ہدایۃ الشیعہ ص۹۵)

اب حقیقت خلفاء خمسہ (حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی اور تغلّبِ یزید پلید مثل آفتاب روشن ہوگیا اگر کور باطن نہ سمجھے تو کسی کا کیا قصور؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

(ہدایۃ الشیعہ ایضاً ص)

یزید کو کافر کہنے میں احتیاط ہے

السلام علیکم۔ آپ کا یہ پرچہ آیا بعض ائمہ نے جو یزید کی نسبت کفر سے کفِ لسان کیا ہے وہ احتیاط ہے، کیونکہ قتل حسینؓ کو حلال جاننا کفر ہے، مگر یہ امر کہ یزید قتل کو حلال جانتا تھا محقق نہیں ہے لہذا کافر کہنے سے احتیاط رکھے، مگر فاسق بے شک تھا، علیٰ ہٰذا دیگر قتلہ حسینؓ کا حال ہے۔

اور جس شخص کو تحقیق ہوگیا ہے کہ اس نے اس فعل کو بُرا جان کر کیا اور توبہ نہیں کی وہ کافر نہیں کہتے احتیاطاً۔ مگر فاسق پر لعن کرنے کو جائز کہتے ہیں سو یہ مسئلہ تاریخ دانی سے تعلق رکھتا ہے مسئلہ میں سب کو اتفاق ہے۔ فقط والسلام

رشید احمد عفی عنہ ۲۲ محرم بروز جمعہ
بنام رفیع اللہ صاحب شاہجہانپوری
(فتاویٰ رشیدیہ ص۴۹)

حضرت گنگوہیؒ کی تصریحات سے حسب ذیل امور واضح ہوئے:

(۱) یزید فاسق تھا (۲) اس کے افعال موجبِ لعن تھے (۳) تغلّبِ یزید پلید مثل آفتاب روشن ہے (۴) یزید پہلے مؤمن تھا بسبب قتل حسینؓ کے فاسق ہوا کفر کا حال دریافت نہیں (۵) اس پر جوازِ لعن کی معقول وجہ ہو سکتی ہے مگر ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے کیونکہ لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

---

[1] یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم
[2] امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تصریحات

رفع شبہ در شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ

امداد الفتاویٰ سے اقتباسات

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت یا محض تقلیداً للشیعہ حضرات اہل سنت والجماعۃ مانتے ہیں یا اس پر کوئی دلیل شرعی بھی ہے، میرے خیالِ ناقص میں تو اس پر کوئی دلیل شرعی نہیں اور محض شیعوں کی تقلید سے یہ بات مانی جاتی ہے کیونکہ صرف جان دینا شہادت نہیں بلکہ جان دینا واسطے اعلاء کلمۃ اللہ کے شہادت ہے، کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من قاتل فی سبیل اللہ لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا۔

اور کربلا کے معرکے میں یہ بات کہاں پائی جاتی ہے وہاں تو صرف یہ بات تھی کہ یزید کے لشکر نے بحکمِ یزید یہ چاہا کہ آپ یزید کی سلطنت میں داخل ہو جائیں اور یزید کو بادشاہِ وقت تسلیم کر لیں مگر امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کو بادشاہ وقتی تسلیم نہیں کیا اور صاف انکار کر کے یہ فرمایا کہ ما عندی لہٰذا جواب، پس ایسی صورت میں یزید کے لشکر اگر سیاست سے کام نہیں لیتے تو کیا کرتے کیونکہ اسلام میں بھی تو سیاسی احکام موجود ہیں اور سیاست کا اقتضاء تو یہی ہے کہ جو کوئی بادشاہ وقتی کی سلطنت سے انکار کرے اور بادشاہ کا مدمقابل بننا چاہے تو اس کو مار ڈالو چنانچہ صحاح ستہ میں تقریباً انہی الفاظ کی حدیث موجود ہے یعنی جب امر سلطنت کسی ایک پر مجتمع ہو اور سلطنت کی باگ ڈور کسی ایک کے قبضہ میں آ دے اور اس کے بعد کوئی دوسرا شخص مدمقابل بننا چاہے تو اس کی گردن مار دو۔ اور اس میں شک نہیں کہ احکامِ شریعت عام ہیں، اہل بیت وغیرہ سب اس میں یکساں شامل ہیں۔ پس اگر یزید کے لشکر نے اس حدیث پر عمل کیا اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ان کے

مدمقابل بننا چاہتے تھے تو انہوں نے جو کیا بے جا کیا، کیونکہ امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ سے اسی خیال پر گئے تھے کہ تخت نصیب ہوگا، باوجودیکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ تجربہ کار اصحاب ان کو منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ اہل کوفہ وغیرہ کے خطوط پر اعتماد نہ کیجئے، مگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں مانا اور اہل کوفہ نے جو متعدد خطوط انہیں لکھے تھے کہ آپ آئیے جب آپ تشریف لائیں گے تو ہم سب تمہارے ساتھ ہو جائیں گے اور یزیدیوں کو نکال کر آپ کو تخت سلطنت پر بٹھائیں گے۔ چنانچہ آپ نے ان کے خطوط پر بھروسہ کیا اور گئے مگر اہل کوفہ نے وفا نہیں کی اور کسی نے ساتھ نہیں دیا اور اسی لئے کوفی لا یوفی مشہور ہے چونکہ یزیدیوں کو خبر لگی کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے مدمقابل بننے کے لئے آئے ہیں اس لئے انہوں نے یہ چالاکی کی کہ آپ کو کوفہ میں آنے ہی نہ دیا بلکہ راہ میں رود فرات کے اس پار آپ کو روک رکھا، طرح طرح کی کوشش کی کہ امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کو بادشاہِ وقت تسلیم کرلیں اور قتال کی نوبت نہ آئے چنانچہ پانی بند کیا اور قسم قسم کی تکالیف دیں تاکہ امام صاحب کسی طرح مان جائیں اور قتال کا موقعہ درمیان میں نہ آئے جب یزیدی مجبور ہوئے تو انہوں نے عملاً بالحدیث المذکور سیاست سے کام لیا، پس شہادت کیوں ہوئی؟ اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یزید کو بادشاہ وقت تسلیم کرنا ناجائز تھا اس لئے امام حسین نے تسلیم نہیں کیا اور جان دیدی کیونکہ یزید کو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بادشاہِ وقت مان لیا تھا، اور ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو مرتبے میں بحکم قرآن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑے تھے۔ قال اللہ تعالےٰ:

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ۔ یعنی فتح مکہ سے قبل جنہوں نے جہادِ مالی ونفسی کیا ہے ان کا مرتبہ بہت بڑا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد جہاد مالی ونفسی کیئے ہیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امام حسین وامام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جہادِ مالی ونفسی قبل فتح مکہ نہیں کیے کیونکہ یہ دونوں حضرات تو قبل فتح مکہ کے کم سن

بچے تھے، پس وہ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنہوں نے قبل فتح مکہ کے جہاد مالی و نفسی کیئے ہیں بحکم قرآن مرتبے میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حضرات صحابہؓ میں سے بہت سے یزید کی سلطنت میں شامل تھے اور اس کو بادشاہِ وقت تسلیم کر لیا تھا اس لیے یہ کہنا بھی غیر ممکن ہے کہ یزید کو بادشاہ وقت ماننا گناہ کبیرہ تھا اور اس حدیث پر "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ" امام حسینؓ نے عمل کیا اور جان دیدی، کیونکہ ایسا جانا جائے گا تو ان صحابہؓ پر فسق کا الزام عائد ہوگا جس کو کوئی سنی کہہ نہیں سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ یزید کو بادشاہِ وقت تسلیم نہ کرنا گناہ نہ تھا کیونکہ دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو فاسق مسلمان مانا جائے گا یا کافر مانا جائے گا اگر کافر مانا جائے گا تو کافر کی اطاعت بھی فی غیر معصیۃ اللہ در وقت مجبوری جائز ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰةً ط القرآن	نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ (آل عمران آیت ۲۸)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعۂ کربلا میں یزید کے غلبہ کو دیکھ کر ضرور یہ کہنا صحیح ہے کہ امام حسینؓ کو اس آیت پر عمل کرنا جائز تھا مگر انہوں نے کیوں عمل نہ کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی شان میں وارد ہے سید شباب اھل الجنۃ کیونکہ اس سے اور شہادت سے کوئی تعلق نہیں، اور یہ حدیث بھی بر تقدیر صحت کے بطور عموم کے قابل نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سے شاب ہوں گے جو مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ میں داخل ہیں پس ان کا مرتبہ یقیناً امام حسینؓ سے بڑا ہے، اور یہ بھی نہیں کہ شہادت پر اجماع ہے کیونکہ اجماع کے لئے سند درکار ہے (واین ھو؟) یہ البتہ ممکن ہے کہ کہا جائے کہ امام حسینؓ سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے اس لئے انہوں نے جان دیدی مگر اس میں میرا کلام نہیں، میرا کلام تو اس میں ہے کہ ہم لوگ کس دلیل کی بنا پر

ان کو شہید سمجھیں گے کیونکہ مجتہد کی غلطی صرف اس کے حق میں کام آنے والی ہے کہ کم از کم ایک اجر ان کو ملا، غیروں کے لئے حجت نہیں ہو سکتی۔ فقط

جناب کی عادتِ شریفہ یہ ہے کہ ضرور جواب دیتے ہیں، مگر نہ معلوم کس وجہ سے آپ مجھے جواب نہیں دیتے۔ بہر حال ملتمس ہوں کہ جواب سے ارشاد فرمایئے (بیرنگ ارسال فرما دیجئے) جواب تفصیلی ہو تاکہ دوبارہ تکلیف دینے کی ضرورت نہ پڑے۔

جواب: میں بعض مصلحتوں سے بیرنگ خط بھیجتا نہیں، جب آپ کو جواب منگانا ہو ٹکٹ بھیجدیا کیجئے۔

یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے، دوسرے صحابہ نے جائز سمجھا حضرت امام نے ناجائز سمجھا اور گو اکراہ میں انقیاد جائز تھا مگر واجب نہ تھا اور متمسک بالحق ہونے کے سبب یہ مظلوم تھے اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ پس ہم اسی بنائے مظلومیت کی بنا پر ان کو شہید مانیں گے، باقی یزید کو اس قتال میں اس لئے مظلوم نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا۔ خصوص جبکہ حضرت امام آخر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا، اس کو تو عداوت ہی تھی۔ چنانچہ حضرت امام حسن رضؓ کے قتل کی بنا یہی تھی۔[۱] (مسائل مثنوی)

---

[۱] جیسا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز نے خود بہشتی زیور حصہ آٹھ صفحہ ۴۷ پر بُری عورتوں کے تذکرے میں جعدہ بنت اشعب کے تذکرے کے ذیل میں لکھا ہے:

"یہ حضرت امام حسنؓ کی بیوی ہے یہ ایسی ڈوبی کہ یزید جو حضرت امام حسنؓ کا دشمن تھا اس کے بہکانے سے اپنے ایسے پیارے مقبول خاوند کو زہر دیا۔ یزید کم بخت نے اس بدبخت کو یہ چکمہ دیا تھا کہ تجھ سے نکاح کرلوں گا اور ایک لاکھ درہم دوں گا (جس کی قیمت قریب تیس ہزار روپے کے ہوتی ہے) جب زہر دیا گیا اس کی تیزی سے حضرت امام حسن رضؓ کی آنتیں اور کلیجہ کٹ کٹ کر دستوں کی راہ نکل گیا اور چالیس روز یہی تکلیف اٹھا کر انتقال فرمایا۔ اس وقت اس عورت نے یزید کو کہلا بھیجا کہ اب وعدہ پورا کرو، اُس نے صاف جواب دیا کہ میں تجھ کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ غرض بدنصیب کو گناہ کا گناہ ہوا اور دنیا کی مراد بھی پوری نہ ہوئی" اھ

[۲] ملاحظہ فرمائیں اصلی، مدلل و مکمل بہشتی زیور مع بہشتی گوہر۔ طبع کتب خانہ اصلی بہشتی زیور ناظم آباد کراچی ۱۳۹۴ھ

اور مسلّط کی اطاعت کا جواز الگ بات ہے۔ مگر مسلّط ہونا کب جائز ہے، خصوص نا اہل کو اس پر خود واجب تھا کہ معزول ہوجاتا، پھر اہلِ حل وعقد کسی اہل کو خلیفہ بناتے

(۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ تتمہ خامسہ ص۵۱)

از امداد الفتاویٰ جلد چہارم ص۴۶۳ تا ص۴۶۵

سوال: یزید کو لعنت بھیجنا چاہیے یا نہیں، اگر بھیجنا چاہیے تو کس وجہ سے، اور اگر نہ بھیجنا چاہیے تو کس وجہ سے؟ بیّنوا توجروا۔

جواب: یزید کے بارے میں علماء قدیماً وحدیثاً مختلف رہے ہیں بعض نے تو اس کو مغفور کہا ہے بدلیل حدیث صحیح بخاری:

ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
اوّل جیش من امّتی یغزون	میری امت میں پہلا وہ لشکر جو مدینہ قیصر (روم)
مدینۃ قیصر مغفور لھم	پر لشکر کشی کرے گا بخشا ہوا ہو گا۔
مختصراً من حدیث الطویل روایۃ ام حرام۔	(یہ حضرت ام حرام کی روایت کردہ طویل حدیث کا اختصار ہے)
قال القسطلانی کان اوّل	چنانچہ قسطلانی (شارحِ بخاری) فرماتے ہیں کہ مدینہ قیصر
من غزا مدینۃ قیصر یزید	پر پہلا لشکر کشی کرنے والا یزید بن معاویہ
بن معاویۃ ومعہ جماعۃ	ہے اور اس کے ساتھ کبارِ صحابہ کی جماعت تھی
من سادات الصحابۃ کابن عمر	جیسے ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور
وابن عباس وابن الزبیر وابی	حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم۔
ایوب الانصاری وتوفی بھا ابو ایوب سنۃ	اور حضرت ابو ایوب انصاری کا تو اسی مقام پر ۵۲ھ
اثنتین وخمسین من الھجرۃ۔	میں وصال ہوا۔
کذا قالہ فی خیر الجاری۔	اسی طرح خیر جاری میں ہے۔
وفی الفتح قال المھلب	اور فتح الباری میں ہے مہلب کہتے ہیں کہ اس

فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لأنه أول من غزا البحر ومنقبة لولده لأنه أول من غزا مدینة قیصر۔ اھ

حدیث میں حضرت معاویہؓ کی منقبت ہے کیونکہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے بحری جنگ کی، اور ان کے بیٹے کی بھی منقبت ہے اس لئے کہ وہی ہے جس نے پہلے پہل مدینہ قیصر پر لشکرکشی کی۔

اور بعضوں نے اس کو ملعون لکھا ہے (لقولہ تعالیٰ) کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ (الآیہ)

پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کر دو اپنی قرابتیں، یہ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں (پارہ ۲۶ سورہ محمد، آیت ۲۳)

فی التفسیر المظهری قال ابن الجوزی انه روی القاضی ابویعلی فی کتابه (معتمد الاصول) بسنده عن صالح بن احمد بن حنبل انه قال قلت لأبی یا أبت یزعم بعض الناس إنا نحب یزید بن معاویة فقال احمد یا بنی هل یسوغ لمن یؤمن بالله أن یحب یزید ولِمَ لا یلعن رجل لعنه الله فی کتابه قلت یا ابت این لعن الله یزید فی کتابه قال حیث قال فَهَلْ عَسَيْتُمْ لآیت اھ

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے کہ ابن جوزیؒ نے فرمایا کہ قاضی ابویعلیٰ نے اپنی کتاب "معتمد الاصول" میں اپنی سند کے ساتھ جو صالح بن احمد بن حنبل سے ہے، روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ ابا جان بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت کرتے ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا کہ بیٹے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ یزید بن معاویہ سے دوستی رکھے؟ اور ایسے شخص پر کیونکر لعنت نہ کی جائے جس پر خود حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت فرمائی ہے میں نے کہا آبا جان! اللہ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے، فرمایا اُس موقع پر جہاں یہ ارشاد ہے فهل عسیتم الخ

مگر تحقیق یہ ہے کہ چونکہ معنی لعنت کے ہیں اللہ کی رحمت سے دور ہونا اور یہ ایک امر غیبی ہے جب کہ شارع بیان نہ فرمائے کہ فلاں قسم کے لوگ یا فلاں شخص خدا کی رحمت سے دور ہے، کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔ اور تتبع کلام شارع سے معلوم ہوا کہ نوع ظالمین وقاتلین پر تو لعنت وارد ہوئی ہے کما قال تعالیٰ :

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ	سن لو پھٹکار ہے اللہ کی ناانصاف لوگوں پر
(ہود پ ۱۲)	
وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا	(اور فرمایا) جو کوئی قتل کرے کسی مسلمان کو جان کر
فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَ	اس کی سزا دوزخ ہے، پڑا رہے گا اسی میں اور
غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ	اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور
عَذَابًا عَظِيْمًا (النساء پ ۵)	اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب

پس اس کی تو ہم کو بھی اجازت ہے، اور یہ علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کون اس نوع میں داخل ہے اور کون خارج اور خاص یزید کے باب میں کوئی اجازت منصوصہ ہی نہیں پس بلا دلیل اگر دعویٰ کریں کہ وہ خدا کی رحمت سے دور ہے اس میں خطر عظیم ہے۔ البتہ اگر نص ہوتی تو مثل فرعون، ہامان وقارون وغیرہم کے لعنت جائز ہوتی، و اذ لیس فلیس (جب نص نہیں تو لعنت نہیں) اگر کوئی کہے کہ جیسے کسی شخص معین کا ملعون ہونا معلوم نہیں، تو کسی خاص شخص کا مرحوم ہونا بھی تو معلوم نہیں، پس صلحاء مظلومین کے واسطے رحمۃ اللہ علیہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ یہ بھی اخبار عن الغیب بلا دلیل ہے۔

جواب یہ ہے کہ رحمۃ اللہ علیہ سے اخبار مقصود نہیں بلکہ دعا مقصود ہے اور دعا کا مسلمانوں کے لئے حکم ہے۔ اور لعن اللہ میں یہ نہیں کہہ سکتے اس واسطے کہ وہ بد دعا ہے اور اس کی اجازت نہیں۔ فافہم

اور آیت مذکورہ میں نوع مفسدین وقاطعین پر لعنت آئی ہے اس سے لعن یزید پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جو استدلال فرمایا ہے

اس میں تاویل کی جائے گی یعنی ان کان منہم (اگر یزید اُن میں سے ہو)، یا مثل اس کے لحسن الظن بالمجتہد۔ البتہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قاتل و آمر و راضی بقتل حسین پر وہ لعنت بھی مطلق نہیں بلکہ ایک قید کے ساتھ یعنی اگر بلا توبہ مرا ہو، اس لیے کہ ممکن ہے ان سب لوگوں کا قصور قیامت میں معاف ہو جائے، کیونکہ ان لوگوں نے کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کے ضائع کئے اور کچھ ان بندگانِ مقبول کے۔ اللہ تعالیٰ تو تواب اور رحیم ہے ہی۔ یہ لوگ بھی بڑے اہل ہمت اور اُولوالعزم تھے، کیا عجب کہ بالکل معاف کردیں بقول مشہور ع "صد شکر کہ ہستم میانِ دو کریم" پس جب یہ احتمال قائم ہے تو ایک خطر عظیم میں پڑنا کیا ضرور۔ اھ

اسی طرح اس کو مغفور کہنا بھی سخت نادانی ہے کیوں کہ اس میں بھی کوئی نص صریح نہیں

رہا استدلال حدیثِ مذکور سے تو وہ بالکل ضعیف ہے کیونکہ وہ مشروط ہے بشرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور وہ امر مجہول ہے۔ چنانچہ قسطلانی میں بعد نقل قول مہلب کے لکھا ہے:

وتعقبه ابن التین وابن المنیر بما حاصله انه لایلزم من دخوله فی ذلك العموم أن لایخرج بدلیل خاص اذ لایختلف أهل العلم أن قوله علیه السلام مغفور لهم مشروط بأن یکونوا من أهل المغفرة حتی لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذلك لم یدخل فی ذلك العموم اتفاقا فدل علی

اور ابن التین اور ابن المنیر نے مہلب کے بیان پر اعتراض کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی خاص دلیل کی بنا پر وہ اس عموم سے خارج نہ ہو۔ اب اہل علم کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ حدیث پاک میں جو مغفرت کا وعدہ ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل بھی ہوں چنانچہ ظاہر ہے کہ اس غزوہ میں شریک ہونے والا اگر کوئی شخص اس کے بعد مرتد ہو گیا تو وہ بالاتفاق اس مغفرت کے عموم

ان المراد مغفور لهم لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم	میں داخل نہ ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ مغفرت کی شرط موجود ہو (اور جس میں یہ شرط مفقود ہو
(حاشیہ بخاری ج۱ ص۴۱۰ مطبوعہ احمدی)	وہ اس مغفرت میں داخل نہ ہوگا)

پس توسط اس میں یہ ہے کہ اس کے حال کو مفوض بعلم الٰہی کرے اور خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہے لان فیہ خطر اً (کیونکہ اس میں خطرہ ہے) اور کوئی اس کی نسبت کچھ کہے تو اس سے کچھ تعرض نہ کرے لان فیہ نصرا (کیونکہ اس میں یزید کی حمایت ہے)۔

اس واسطے خلاصہ میں لکھا ہے:

انہ لا ینبغی اللعن علیہ ولا علی الحجاج لأن النبی علیہ السلام نہی عن لعن المصلین ومن کان من أھل القبلۃ وما نقل من النبی علیہ السلام من اللعن لبعض من أھل القبلۃ فلما انہ یعلم من احوال الناس مالا یعلمہ غیرہ۔ اھ	یزید اور حجاج پر لعنت مناسب نہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمازیوں اور اہل قبلہ پر لعن کرنے سے روکا ہے، اور جو نبی علیہ السلام سے بعض اہل قبلہ پر لعن منقول ہے وہ تو محض اس وجہ سے ہے کہ آپ لوگوں کے حالات کے ایسے جاننے والے تھے جو دوسرے نہیں جانتے ۔ اھ

اور احیاء العلوم ج ثالث باب آفۃ اللسان ثامنہ میں لعنت کی خوب تحقیق لکھی ہے، خوفِ تطویل سے عبارت نقل نہیں کی گئی۔ من شاء فلیراجع الیہ

اللّٰھم ارحمنا ومن مات ومن یموت علی الایمان واحفظنا من آفات القلب واللسان یا رحیم یا رحمٰن

(امداد الفتاویٰ جلد خامس ص ۴۲۵ تا ۴۲۷)

حضرت تھانویؒ کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ:

(۱) یزید فاسق تھا

(۲) اس کو اہل بیت سے عداوت تھی چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دے کر قتل کرنے کی بنا بھی یہی تھی۔

(۳) اس پر واجب تھا کہ خود معزول ہوجاتا تاکہ اہلِ حل وعقد اس کی جگہ کسی اہل کو خلیفہ بناتے
(۴) حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید مظلوم تھے
(۵) اس کو مغفور کہنا سخت زیادتی ہے کیونکہ اس میں کوئی نص صریح نہیں۔
(۶) توسط اس میں یہ ہے کہ اس کے حال کو مفوض بعلمِ الٰہی کرے اور خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہے کیونکہ اس میں خطرہ ہے اور کوئی اس کی نسبت کچھ کہے تو اس سے تعرض نہ کرے کیونکہ اس میں یزید کی حمایت ہے۔

مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کی تصریحات

کفایت المفتی سے اقتباسات

سوال: کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعد میرے بارہ خلیفہ ہوں گے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو ان کے نام تحریر فرمادیں۔ دوسرے یہ کہ یزید بن معاویہ کو کافر یا ملعون کہنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے یا نہیں؟

المستفتی ۲۴۰۷ عبد الغفار مالیر کوٹلہ
۵ رجب ۱۳۵۷ھ یکم ستمبر ۱۹۳۸ء

جواب: بارہ خلیفوں والی روایات صحیح ہیں مگر ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ خلیفوں تک اسلام کی قوت وشوکت قائم رہنے کی خبر دی ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ بارہ خلیفہ خلفائے راشدین ہوں گے، خلافت راشدہ یا خلافت نبوت کی مدت تو تیس سال تک بیان فرمائی ہے۔

یزید بن معاویہ کو کافر وملعون کہنے والے خاطی ہیں ان کو کافر کہنا بھی نہیں چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دھلی

(کفایت المفتی، کتاب العقائد ص ۱۳۲/۱ج)

سوال: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت غصبِ خلافت کا الزام، نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت باوجود اس کے فسق وفجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں

کس حد تک صحیح و درست ہے ۔ المستفتی سید خلیل حیدر ۔ کانپور
۵ رصفر ۱۳۵۶ھ

جواب : حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے ۔ انہوں نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی کیونکہ یزید سے بہتر اور اولیٰ و افضل افراد موجود تھے ، لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال و افعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہو گی کیونکہ اسلام اور قرآن پاک کا اصول ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۔ اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنا چاہیے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔ دہلی
(کفایت المفتی ص ۲۲۸ ج ۱)

سوال : جنگِ کربلا جہاد تھا یا کوئی سیاسی جنگ تھی ؟

جواب : جنگ کربلا یزید کی طرف سے محض سیاسی تھی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی سیاستِ حقہ کا پہلو غالب تھا، مسلمانوں اور کافروں کی جنگ نہ تھی مسلمانوں مسلمانوں ہی کی باہمی لڑائی تھی ۔ ایک فریق باطل پر تھا اور اس کی طرف سے انتہائی ظلم و فساد اور خونخواری کا مظاہرہ ہوا اور امام مظلوم کی طرف سے حقانیت مظلومیت اور صبر و رضا کا انتہائی درجہ ظہور میں آیا ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔ دہلی
(کفایت المفتی ص ۲۸۷)

سوال : قاتلانِ حسینؓ اور یزید پلید کو گالیاں دینا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب : قاتلانِ حسینؓ کے متعلق اتنا کہنا تو جائز ہے کہ انہوں نے بہت بڑا گناہ اور ظلم کیا مگر گالیاں دینا درست نہیں اور لعنت کرنا جائز نہیں ۔ المؤمن لا یکون لعاناً ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔ دہلی
کفایت المفتی ص ۲۸۸ ج ۱

سوال: ایک روز چند اشخاص اہل السنہ والجماعۃ کے ایک جگہ بیٹھے تھے اس میں تذکرہ مذہب کا تھا تفضیل الشیخین پر فریقین متفق ہیں

(۱) احمد کا دعویٰ ہے کہ اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اعلیٰ ہے محمود کا دعویٰ ہے کہ صحابہؓ کی شان اہل بیت اطہار سے بڑھی ہوئی ہے، اور یہ کہ صحابہؓ کی شان میں حدیث آئی ہے کہ جو کوئی ان کی پیروی کرے گا ہدایت پائے گا اس کے علاوہ قرآن کی آیت سے بھی ان کی شان و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے۔ احمد نے کہا کہ اہل بیت کی شان میں بھی حدیثیں آئی ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں دو چیزیں اپنے بعد موجب نجات اپنی امت میں چھوڑے جاتا ہوں، ان میں سے ایک قرآن پاک اور دوسری اہل بیت ہے جو ان دونوں کو اختیار کرے گا نجات پائے گا، محمود نے کہا کہ وہ حدیث جو صحابہ کی شان میں ہے اس کے مقابل میں اہل بیت کی شان کی حدیث نہیں ہے۔

(۲) اسی مجلس میں ذکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا آیا، اس پر محمود نے کہا کہ وہ عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ احمد نے کہا کہ مجھے عشرہ مبشرہ کی تو تحقیق نہیں لیکن آپ صحابی ضرور ہیں۔ مگر آپ سے کچھ غلطی ہوئی، چنانچہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے تحفہ اثنا عشریہ میں لکھا ہے کہ ان سے خطا ضرور ہوئی۔ محمود نے کہا کچھ بھی ہو لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا درجہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسین علیہ السلام یعنی اہل بیت سے بڑھا ہوا ہے۔ براہِ کرم اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

(۳) بعدہٗ ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ ایسا اعتراض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان پر بھی ہے کیونکہ وہ نابالغی کی حالت میں ایمان لائے تھے نابالغی کے ایمان اور فعل کا اعتبار نہیں ہے۔

(۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر کن کن صحابہؓ کو فضیلت ہے؟

(۵) ایک بار تذکرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا آیا تو کسی نے کہا کہ ان کی شہادت تو مروان کے فعل سے ہوئی جیسا کہ مشہور ہے کہ فاقبلوا کی جگہ فاقتلوا لکھ دیا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خبر ملی کہ دشمنوں نے حضرت خلیفۂ سوم کے مکان کو گھیر لیا ہے اور حملہ آور ہیں تو اپنے دونوں صاحبزادوں کو مسلح کر کے بھیجا اور سمجھا دیا کہ حضرت عثمان کو دشمنوں کے آزار سے بچانا، اس پر محمود نے کہا کہ یہ کام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا صرف دکھانے کا تھا حقیقۃً ان کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت منظور نہ تھی۔

حضرات علماء کرام سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا واقعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ؟

المستفتی شیخ شفیق احمد ضلع مونگھر
۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ - ۹ جولائی ۱۹۳۵ء

جواب ۵: صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان بھی رفیع اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان بھی بہت بلند ہے، اہل بیت میں داخل ہونے کا شرف جدا ہے، اور فضیلتِ صحبت جدا ہے۔ دونوں کے متعلق صحیح حدیثیں موجود ہیں، جن لوگوں کو دونوں شرف حاصل ہوئے یعنی وہ اہل بیت میں بھی ہیں اور صحابی بھی ہیں جیسے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما ان کی فضیلت دونوں جہت سے ثابت ہے، اور جو اہل بیت میں شامل ہیں مگر صحابی نہیں ہیں ان کو ایک شرف حاصل ہے دوسرا نہیں۔ جو صحابی ہیں مگر اہل بیت میں شامل نہیں ان کو بھی ایک شرف حاصل ہے دوسرا نہیں۔ اس کے بعد علم و تقویٰ اور دیگر صفات کی وجہ سے فضیلت کے مراتب کم و بیش ہوتے ہیں اس لئے اس بارے میں اسی قدر اعتقاد پر اکتفا کرنا اسلم ہے۔ شیخینؓ کی فضیلت کلیہ باوجود اہل بیت میں داخل نہ ہونے کے صرف صحابی ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے اوصافِ کاملہ، علم و تقویٰ اور خدماتِ دینیہ کی بنا پر ہے جن میں وہ خاص امتیازی شان رکھتے ہیں۔

(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، عشرہ مبشرہ میں داخل نہیں ہیں اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ وہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں ان کے لیے وہ مناقب جو احادیث میں آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے اور حضور نے ان کو اپنا کرتہ مرحمت فرمایا تھا اور دعا دی تھی، اور ان کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے (آگے کچھ عبارت رجسٹر میں منقول نہیں)

(۳) یہ اعتراض مہمل اور لغو ہے یہ تو حضرت علی کی فطری اور طبعی صلاحیت کی دلیل ہے کہ بچپنے میں ہی ان کو معرفت حق اور قبول صداقت کی توفیق مبدأ فیاض سے عطا ہوئی تھی۔

(۴) ترتیب فضیلت ترتیب خلافت کے موافق ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی، حضرت عمر فاروق رضی، حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی، حضرت علی رضی سے افضل ہیں، ان تینوں کے بعد حضرت علی رضی باقی صحابہ سے افضل ہیں۔

(۵) یہ خیال کہ حضرت علی رضی نے صرف دکھاوے کے لئے حضرت حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) کو بھیجا تھا حفاظت منظور نہ تھی بدگمانی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ایسی بدگمانی کرنا مناسب نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

کفایت المفتی ج ۲ ص ۱۴۰ تا ۱۴۲

حضرت مفتی اعظم کی تصریحات سے حسب ذیل امور واضح ہوئے۔

(۱) یزید خلیفہ راشد نہ تھا مگر اس کو کافر نہیں کہنا چاہیئے اور نہ ملعون۔

(۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی کیونکہ یزید سے بہتر و اولیٰ و افضل افراد موجود تھے۔ بایں ہمہ ان کی شان میں گستاخی سے پرہیز لازم ہے

(۳) جنگ کربلا یزید کی طرف سے محض سیاسی تھی۔

(۴) قاتلان حسین رضی نے بہت بڑا گناہ اور ظلم کیا۔

(۵) حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما اہل بیت ہونے کے ساتھ ساتھ صحابی رسول بھی ہیں۔

(۶) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

امام العصر خاتم المحدثین و المفسرین، زبدۃ الفقہاء و المتکلمین مولانا السید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تصریح

قوله عمرو بن سعيد الخ	عمرو بن سعید الخ۔ اس کے قول سے احتجاج
لا يتمسك بقوله هذا فانه	درست نہیں کیونکہ یہ شخص یزید کا عامل تھا
عامل يزيد و يزيد فاسق	اور یزید بلاشبہ فاسق تھا۔ اور شرح فقہ
بلا ريب وفى شرح الفقه الاكبر	اکبر مصنفہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ میں
لملا على القارى روى عن	ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے روایت ہے
احمد بن حنبل ان يزيد كافر	کہ "یزید کافر ہے"
وكان عمرو بن سعيد جمع العساكر	اور عمرو بن سعید نے تمام لشکروں کو جمع
ليكون على ابن الزبير معاونا	کیا تاکہ یزید کی طرفداری میں عبد اللہ بن زبیر
ليزيد على عبد الله بن الزبير	پر لشکرکشی کرے۔ الخ

عرف الشذی علی جامع الترمذی

باب ماجاء فی حرمۃ مکۃ ص۳۳۲ (مطبع قاسمیہ دیوبند)

حضرت شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ و برد مضجعہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ عمرو بن سعید کے اس قول سے محض اس لئے احتجاج درست نہیں کہ وہ یزید جیسے شخص کا مقرر کردہ عامل تھا جس کے فسق میں ذرا بھی شک نہیں۔

گویا حضرت شیخ اجل کے نزدیک بھی فسقِ یزید ناقابلِ تردد ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی تصریحات

مکتوباتِ شیخ الاسلام سے اقتباسات

ع۱ اس کے فسق وفجور کا علانیہ ظہور ان کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی اطلاع ان کو نہ تھی۔ صفحہ ۲۵۰ ج اول، مکتبہ دینیہ دیوبند ضلع سہارنپور۔

ع۲ پھر یزید کا بعد از ظہورِ فسق وفجور وہ حالی ہی نہیں رہا تھا جو ابتداء میں تھا یعنی اس کے اعمالِ شنیعہ درجۂ کفر کو اگر پہنچ گئے تھے جیسا کہ امام احمدؒ اور ایک جماعت کی رائے ہے تب تو وہ یقیناً معزول عن الخلافۃ ہو ہی گیا تھا۔ اب امام حسین رضی اللہ عنہ کا ارادہ جنگ خروج ہی نہیں شمار ہو سکتا، اور اس کی حرکاتِ ناشائستہ درجۂ کفر کو نہ پہنچی تھیں (جیسا کہ جمہور کا قول ہے) تو اول یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ ممکن ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی رائے یہی ہو جو کہ حضرت امام احمدؒ اور ان کے موافقین کی ہے علاوہ ازیں فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا نہیں، یہ مسئلہ اس وقت تک مجمع علیہ نہیں ہوا تھا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کی رائے یہ تھی کہ وہ معزول ہو گیا اور اس بناء پر اصلاحِ امت کی غرض سے انہوں نے جہاد کا ارادہ فرمایا۔ پھر باوجود اس کے خلع کا مسئلہ تو آج بھی متفق علیہ ہے۔ یعنی اگر خلیفہ نے ارتکاب فسق کیا تو اصحابِ قدرت پر اس کو عزل کر دینا اور کسی عادل متقی کو خلیفہ کرنا لازم ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کے عزل اور خلع سے مفاسد مصالح سے زائد نہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اُن کے اتباع کی رائے میں مفاسد زیادہ نظر آئے، وہ اپنی بیعت پر قائم رہے، اور اہلِ مدینہ نے عموماً بعد از بیعت اور واپسی وفد از شام ایسا محسوس نہیں کیا اور سبھوں نے خلع کیا جس کی بناء پر وہ قیامت خیز واقعہ حرہ نمودار ہوا، جس سے مدینہ منورہ اور مسجدِ نبوی اور حرم محترم کی انتہائی بے حرمتی اور تذلیل ہوئی۔ کیا مقتولینِ حرہ کو شہید نہیں کہا جائے گا۔

پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اہلِ کوفہ کے مواعید پر مطمئن ہوئے بالخصوص

حضرت مسلم و عقیل رحمۃ اللہ علیہما کے خطوط کے بعد جن میں پورا اطمینان اہل کوفہ کی طرف سے دلایا گیا تھا، اس لئے اُن کا ارادہ جہاد یقیناً صحیح تھا اور خلع کرنے اور خروج کرنے میں کسی طرح باغی قرار نہیں دیئے جاسکتے، ان کو صاف نظر آرہا تھا کہ اس حالت میں مفاسد کا قلع قمع ہو جائے گا اور خلل بہت کم ہوگا۔ اپنی ظفر مندی کے لئے متیقن تھے۔ پھر آپ اس کو بھی نظر انداز نہ فرمائیں کہ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوگیا کہ اہل کوفہ نے غدر کیا ہے اور مسلم و عقیل رحمہما اللہ تعالیٰ شہید کر دیئے گئے۔ اور یزید کی فوج یہاں آپہنچی ہے تو یہ کہلا بھیجا کہ میں کوفہ نہیں جاتا اور نہ تم سے لڑنا چاہتا ہوں مجھ کو مکہ معظمہ واپس جانے دو، دشمن اس پر راضی نہ ہوا اور اصرار کیا کہ اس کے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مکہ معظمہ واپس نہیں جانے دیتے تو مجھ کو چھوڑ دو کسی دوسری طرف چلا جاؤں گا، وہ اس پر راضی نہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھے یزید کے پاس لے چلو میں خود اس سے گفتگو کرلوں گا، وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا اور جنگ یا بیعت پر مصر رہا، یہ تاریخی واقعہ بتلاتا ہے کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ہر طرح مجبور و مظلوم قتل کئے گئے ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی شہادت میں کلام کیا جائے تو تعجب خیز نہیں تو کیا ہے۔ اھ ص ۲۶۸ و ص ۲۶۹

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحؒ کی تصریحات سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے

(۱) یزید کا فسق ظاہر ہونے کے بعد پہلے جیسا حال نہ رہا۔

(۲) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید مظلوم ہیں۔

(۳) حضرت شیخ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت انتہائی جامعیت اور اختصار سے فرمادی ہے کہ کوئی منصف مزاج جو ذرا بھی بصیرت رکھتا ہو مزید اس پر اعتراض نہیں کرسکتا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ اکابر کے قول کے مطابق اگر یزید کا فسق و فجور درجۂ کفر تک پہنچ گیا تھا تو پھر وہ معزول

ہوگیا جس کی بنا پر اس کے خلاف قتال کرنا جائز تھا بصورتِ دیگر اگر اس کے کرتوت درجۂ کفر تک نہیں پہنچے تھے تو اس صورت میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اجتہادی رائے یہ تھی کہ وہ اس صورت میں بھی قابلِ عزل ہے جس کے بعد قتال جائز ہے

ایک تیسری صورت بھی ہو سکتی ہے کہ بوجہ فسق کے اس کو معزول کرنا اور خلعِ بیعت ضروری تھا لیکن یہ مشروط ہے فتنہ و فساد نہ ہونے کے ساتھ ایسی صورت میں جبکہ اتنی پیچیدگیاں موجود تھیں صحابۂ کرام کے اجتہاد میں اختلاف ہونا ناگزیر تھا حضرت امام مظلوم رضی اللہ عنہ اپنے خاص موقف کی بنا پر شہید ہوئے تھے۔

علمائے اہل سنت کے اقوال میں جو اختلاف نظر آتا ہے وہ درحقیقت مبنی ہے صحابۂ کرام رضؓ کے مابین اجتہادی اختلاف پر لیکن یہاں بات واضح طور پر ذہن میں رہنی چاہیئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا اختلاف اس بنا پر نہیں ہوا تھا کہ ان میں سے بعض یزید کو صالح اور عادل سمجھتے تھے اور بعض فاسق و فاجر، وجہ یہ ہے کہ جن صحابہ رضؓ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے خلاف جنگ سے روکا تھا انہوں نے یہ کہہ کر نہیں روکا تھا کہ چونکہ یزید ایک صالح اور عادل شخص ہے لہٰذا آپ اس کی مخالفت ترک کردیں بلکہ انہوں نے تفریق بین المسلمین کے اندیشے سے منع کیا یا اہل کوفہ پر بوجہ کوفی لا یوفی کے عدم اعتماد کا اظہار کیا تھا اس لئے ان کو روکنا چاہتے تھے تاکہ نقصان نہ اٹھائیں۔ واللہ اعلم۔

سند العلماء مفتی اعظم ہند و صدر مفتی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ کا فتویٰ

حکم لعنتِ یزید	یزید پر لعنت کا حکم
سوال: گروہے می گوید کہ یزید حاکم و والی مسلمین بہ بیعت اکثر اہل اسلام مقرر شدہ بود واگرچہ فسق و فجورِ وی معروف ست لیکن والی از فسق	ایک گروہ کہتا ہے کہ یزید حاکم اور والی مسلمانان اکثر اہل اسلام کی بیعت سے مقرر ہوا تھا، اگرچہ اس کا فسق و فجور معروف ہے لیکن حاکم فسق سے معزول نہیں ہوتا۔

معزول نمی شود. وگروہے دیگر می گوید کہ اگر دراول امر ولایت و امارتِ وے تسلیم ہم کردہ شود تاہم چون عامہ مسلمین از طاعتِ وے برآمدند و خلع بیعتِ او کردند او والی ایشان نماند و بوجہ آن افعالِ شنیعہ کہ از وصادر شدہ اند لعنت بر وے جائز است پس فیصلہ شما درین باب چیست ؟

جواب : راجح عند اہل السنۃ والجماعۃ عدم تکفیر و عدم لعن یزید است، اگرچہ در ظلم و جور و تعدی و فسقِ او کلام نیست لیکن این امور موجبِ کفر و ارتدادِ او نمی تواند شد، واگر باشد تا وقتیکہ یقینِ او حاصل نہ شود تکفیر نباید کرد۔

والحق ما قالہ ابن الحاج و نقل عنہ فی شرح الفقہ الاکبر وحقیقۃ الامر التوقف فیہ ومرجع امرہ الی اللہ سبحانہ اھ

واین توقف ہم حکم عدم تکفیر و عدم لعن می کند و قصہ خلافت دیگر است خلیفہ از فسق معزول نمی شود۔

پس درین چنین مسائل مختلف فیہا نزاع وجدال مناسب شانِ علماء

اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگرچہ شروع شروع میں اس کی ولایت و امارت تسلیم کر لی گئی تھی تاہم چونکہ عام مسلمانوں نے اس کی اطاعت سے عدول کیا تھا اور خلع بیعت کر دی تو وہ اُن کا والی نہ رہا اور اس وجہ سے کہ بُرے افعال اُس سے صادر ہوئے اس پر لعنت کرنا جائز ہے لہٰذا آپ لوگوں کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے ؟

جواب : اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک راجح عدم تکفیر اور عدم لعن ہے اگرچہ اس کے ظلم وجور اور تعدی و فسق میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن یہ امور موجبِ کفر و ارتداد نہیں ہو سکتے، اگر یہ امور موجبِ کفر و ارتداد بھی ہو جائیں تو جب تک اس کا یقین نہ ہو جائے تکفیر نہیں کرنی چاہیئے۔ اور جو کچھ ابن امیر الحاج نے کہا بالکل حق ہے اور شرح فقہ اکبر میں نقل کیا کہ حق بات تو یہ ہے کہ اس بارے میں توقف کیا جائے اور اس کا معاملہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد ہے۔ اور یہ توقف بھی عدم تکفیر اور عدم لعن کا حکم کرتا ہے اور خلافت کا قصہ دوسرا ہے کہ خلیفہ فسق سے معزول نہیں ہوتا، اور بعض کے نزدیک معزول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان جیسے مختلف فیہ مسائل میں جنگ وجدال

نیست وسکوت بہتر است۔ علماء کی شان کے مناسب نہیں بلکہ سکوت

فقط بندہ عزیزالرحمٰن بہتر ہے۔ اھ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۷ ج)

مفتی دارالعلوم دیوبند طبع کتب خانہ عزازیہ دیوبند۔

حضرت مفتی عزیزالرحمٰن رحمہ اللہ کے فتویٰ سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے:

(۱) یزید کے ظلم، جور وتعدی وفسق میں کوئی کلام نہیں بایں ہمہ توقف بہتر ہے

(۲) اس قسم کے مختلف فیہ مسائل میں جنگ وجدال علماء کی شان کے مناسب نہیں۔

احتیاط سکوت میں ہے۔ نہ یزید کی حمایت میں سرگرم ہونا چاہیئے اور نہ ہی اس کی مخالفت اور طعن وتشنیع کو اپنا شعار بنانا چاہیئے۔ (ضیاء)

فاسق اور یزید کے الفاظ

یزید کا فاسق ہونا اہل سنت والجماعت کے مسلک میں متفق علیہ ہے۔

اکابر اسلام مثلاً حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی اور فخر المتکلمین حضرت مولانا حیدر علی صاحب فیض آبادی (مصنف "منتہی الکلام وازالۃ الغین وغیرہ) نے یزید کو بعض جگہ فاسق اور بعض جگہ پلید لکھا ہے۔ لفظ پلید پر حامیانِ یزید زیادہ برافروختہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ فاسق اور پلید کا ایک ہی مطلب ہے چنانچہ فسق اور فسوق کے لغوی معنی یہ ہیں :- نافرمانی۔ بدکاری کی زندگی۔ اللہ کی نافرمانی سرکشی اور بدی۔ نیک بختی کی راستے سے دوری۔ اور فاسق کے معنی بدکار، نافرمان، گنہگار، پاپی، سرکش، زناکار (المعجم الاعظم جلد ۴)۔

فسق کے درجات ہیں اور عموماً فسق بمعنی نافرمانی اور گناہ استعمال ہوتا ہے۔ یزید پر حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ وغیرہ اصحاب مدینہ نے شراب پینے اور نماز ترک کرنے کا کھلم کھلا الزام لگایا تھا جیساکہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۳۲ میں لکھا ہے۔ تو جب اصحابِ مدینہ نے یزید کو پلید کہدیا تو اگر حضرت نانوتوی وغیرہ اکابر امت یزید کو پلید کہدیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ افسوس ہے کہ جو لوگ اکابرِ دیوبند کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے وہ دیوبندی کہلوا کر بھی ان حضرات پر جرح کرتے ہیں۔

ماخوذ از "خارجی فتنہ" بتغیر یسیر ص ۶۰۴-۶۰۵

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تصریحات

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنی تصنیفِ لطیف "شہید کربلا" میں تحریر فرماتے ہیں

تنبیہ : یزید کی یہ زود پشیمانی اور بقیۂ اہل بیت کے ساتھ بظاہر اکرام کا معاملہ محض اپنی بدنامی کا داغ مٹانے کے لئے تھا یا حقیقت میں کچھ خدا کا خوف اور آخرت کا خیال آگیا یہ تو علیم وخبیر ہی جانتا ہے، مگر یزید کے اعمال اور کارنامے اس کے بعد بھی سیاہ کاریوں

ہی سے لبریز ہیں، مرتے مرتے بھی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کے لیے لشکر بھیجے ہیں۔ اسی حال میں مرا ہے۔ عاملہ اللہ بما ھو اہلہ (مؤلف) صفحہ ۹۴-۹۵ (طبع دار الاشاعت کراچی)

ہلاکت یزید

شہادت حسینؓ کے بعد یزید کو بھی ایک دن چین نصیب نہ ہوا، تمام اسلامی ممالک میں خونِ شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہو گئیں، اس کی زندگی اس کے بعد دو سال آٹھ ماہ اور ایک روایت میں تین سال آٹھ ماہ سے زائد نہیں رہی۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا اور اسی ذلت کے ساتھ ہلاک ہوا صفحہ ۱۰۳

قاتلانِ حسینؓ کا یہ عبرت ناک انجام معلوم کر کے بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی ہے کَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (القلم) بڑا ہے کاش وہ سمجھ لیتے۔ اھ صفحہ ۱۰۵

آگے فرماتے ہیں: "حضرت ابوہریرہؓ کو شاید اس فتنہ کا علم ہو گیا تھا وہ آخر عمر میں یہ دعا فرماتے تھے کہ یا اللہ میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں ساٹھویں سال اور نوعمروں کی امارت سے ہجرت کے ساٹھویں سال ہی یزید جیسے نوعمر کی خلافت کا قضیہ چلا اور یہ فتنہ پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (صفحہ ۱۰۶)

حضرت مفتی صاحب کی عبارات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ یزید اپنے افعالِ ناشائستہ کی بنا پر اس لائق نہیں کہ اس کی تعریف و توصیف کی جائے، جیسا کہ نواصب اپنے جلسوں اور تقاریر میں "امیر المؤمنین یزید رحمۃ اللہ علیہ" زندہ باد کے نعرے لگواتے ہیں اور اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو مزید اذیت پہنچانے کا سامان کرتے ہیں ایسے لوگ بنصِ قرآنی اپنے کو لعنتِ خداوندی کا مستوجب بنا رہے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا۔ (الاحزاب پ۲۲)	بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر خدا کی پھٹکار ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کیا ہوا ہے۔ (الاحزاب پارہ ۲۲)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دار العلوم دیوبند کی تصریحات[1]

(۱) امام احمدؒ کے نزدیک قتلِ حسینؓ میں یزید کا ہاتھ بلاشبہ کارفرما تھا کیونکہ امام احمد ایسے فسادِ عظیم فرما کر یزید کو اس پر مستحقِ لعنت فرما رہے ہیں جس کے معنی یزید کے قاتلِ حسین ہونے کے صاف نکلتے ہیں خواہ امرِ قتل سے وہ قاتل ہے یا رضا بالقتل سے قاتل ٹھہرے اسے بھی حکماً قاتل ہی کہا جائے گا۔ اھ ص ۱۲۴

(۲) امام احمد بن حنبلؒ نے تو قرآن کریم کی ایک پوری آیت ہی اس پر منطبق کر کے اس کے عموم سے بدلالتِ قرآنی یزید کو موردِ لعنت قرار دیا اھ ص ۱۲۵

(۳) ان کا منشا صرف یزید کو ان غیر معمولی ناشائستگیوں کی وجہ سے مستحق لعنت قرار دینا یا زیادہ سے زیادہ لعنت کا جواز ثابت کرنا ہے لعنت کو واجب بتلانا نہیں اھ ص ایضاً

(۴) خلاصہ یہ کہ جنہوں نے لعنت کا جواز ثابت کیا ہے وہ یزید پر لعنت کرنے کو

---

[1] حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں، ہم نے رسالے کے آغاز میں جس کتاب کا ذکر کیا تھا وہ "خلافتِ معاویہ و یزید" نامی کتاب ہے جس کے مصنف محمود احمد عباسی صاحب ہیں۔ اس کتاب میں عباسی صاحب نے حتی الامکان اپنا زورِ قلم یزید کے مناقب و فضائل کے بیان پر صرف کر دیا ہے بقول ان کے یہ ان کی ایک تاریخی ریسرچ ہے کہ یزید کو صرف خلیفۂ برحق بلکہ عمرِ ثانی بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے، یزید کا ذاتی و سیاسی کردار بے عیب ظاہر کیا جائے جس کا لازمی اثر یہ ظاہر ہوا کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ذاتی کردار مشکوک ہو گیا۔ چنانچہ موجودہ دور کے نواصب کے سرخیل عباسی صاحب نے اہل بیتِ رسول کی توہین، ان کی تحقیق و تجہیل میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا یہاں تک کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت سے بھی انکار کر بیٹھے اور یزید کو حضرت امام کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ عباسی صاحب کے خیال میں انہوں نے دین کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی کہ تحقیق انیق کا ایک نیا باب امت کے سامنے آیا، اب جبکہ اہل علم و فضل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

[2] حضرت قاری صاحبؒ نے محمود احمد عباسی کی کتاب خلافتِ معاویہ و یزید کے رد میں ایک کتاب بنام "شہید کربلا اور یزید" تالیف فرمائی ہے جس کے چند اہم اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں

ضروری نہیں قرار دیتے اور جنہوں نے لعنت سے روکا ہے وہ ان کے اثباتِ جواز کے منکر نہیں یعنی ایک فریق یزید کو مستحقِ لعنت بتلاتا ہے اور دوسرا شغلِ لعنت کو پسند نہیں کرتا، اس لیے یزید پر لعنت سے بچنے والا کسی بھی فریق کا مخالف نہیں کہلایا جا سکتا یہی راستہ ہم اختیار کیے ہوئے ہیں، پھر بھی مثبتینِ لعنت کے اقوال کی یہ پیشکش لوگوں کو یزید کی لعنت پر اُکسانے کے لئے نہیں، بلکہ صرف یہ بتلانے کے لئے ہے کہ ائمہ ہدایت کے ہاں کسی کے بارہ میں لعنت کا جواز بلکہ لعنت کا سوال اٹھ جانا اس کے اچھے کردار کی دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ بدکرداری اور فسق ہی کی دلیل ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ لعنت کے اقوال ان ائمہ کی طرف سے بلاشبہ یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل اور وزنی شہادت ہے۔ اھ ص ۱۳۶

(۵) پس جیسے کفر سرزد ہو جانے پر کوئی نیکی کارآمد نہیں رہتی اور نہ زبانوں پر آتی ہے

حضرات میں ایسے لوگ کم ہیں جو اسلامی تاریخ پر وسیع نظر رکھتے ہوں تو عوام میں پڑھا لکھا طبقہ اسلامی تاریخ سے کب واقف ہو سکتا ہے خصوصاً بعض پروفیسر زاور لیکچرار حضرات اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور اب ایک ذہنی انتشار کی نئی صورت پیدا ہو گئی۔ ایک پڑھا لکھا شخص جب حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں یزید کا نام امیر المومنین کہکر لے تو یہ حضرات بہت خوش ہوتے ہیں کہ دیکھئے صاحب ہم نے دین کی کتنی بڑی خدمت کی برسہا برس سے امت میں یہ غلط فہمی چلی آرہی تھی جس میں بڑے بڑے محدثین مفسرین متکلمین حتی کہ بعض مورخین بھی مبتلا رہے۔ آج ہم نے اپنی اس تاریخی ریسرچ کے ذریعہ حقائق سے پردہ اٹھا دیا یہ ہماری کتنی بڑی دین کی خدمت ہے حالانکہ تعلیم یافتہ طبقہ چونکہ تاریخ پر سطحی نظر رکھتا ہے اس لئے وہ بہت جلد ان کی تاریخی ریسرچ بلکہ نظریاتی ریسرچ کا شکار ہو جاتا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ حق کیا ہے۔ ہمارا اسلاف امت کبھی ہم سے غلط بیانی نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ قرناً بعد قرن اور نسلاً بعد نسل سب اسی غلطی میں مبتلا ہوتے چلے آئے تا آنکہ عباسی صاحب کا دور نا محمود آیا اور انہوں نے یزید کی طرف سے وکالت کا صحیح حق ادا کیا۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔ اس لئے جب ابتداء میں مذکورہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں ایک عجیب ہلچل سی مچ گئی، کالج اور یونیورسٹی

ایسے ہی فسق کی بعض حرکتیں یا بے ادبی اور گستاخی کی بعض نوعیں سرزد ہو جانے پر نہ کوئی نیکی بارآور رہتی ہے نہ زبانیں اس کا تکلم گوارہ کرتی ہیں اور نہ ہی مقبولیت عند اللہ باقی رہتی ہے

پس تجربہ کردیم درین دیر مکافات　　　با دردکشان ہر کہ در افتاد بر افتاد

غرض یہ اصول ہے عقلی بھی، شرعی بھی اور طبعی بھی کوئی جذباتی بات نہیں اسی میں یزید گرفتار ہوا۔ اس کے ایک ہی فسق (قتلِ حسینؓ) نے اس کی ساری خوبیوں کو خاک میں ملا دیا۔ اور کوئی بھی اس جرم کے بعد اس کی کسی بھلی بات سننے کا بھی روادار نہ رہا　ص ۱۴۸

(۶) بہرحال یزید کے فسق و فجور پر جب کہ صحابہ کرام سب کے سب ہی متفق ہیں خواہ متبعین ہوں یا مخالفین پھر ائمہ مجتہدین بھی متفق ہیں اور ان کے بعد علمائے راسخین، محدثین، فقہاء مثل علامہ قسطلانی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ ہیثمی، علامہ ابن جوزی، علامہ سعدالدین

سے منسلک وہ پروفیسرز اور لیکچرار حضرات جو یا تو عربی سے کم واقفیت رکھتے ہیں یا بالکل ہی ناواقف ہیں اور شعبہ تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے زبانِ اردو اس انوکھے اندازِ بیان سے بڑی حد تک تاثر قبول کیا اور اپنے زیرِ اثر طلبہ حضرات کو عباسی صاحب کی جدید اور مسلمات کے خلاف تحقیقات سے روشناس کرایا جس کے فوری اور لازمی نتیجے کے طور پر نوجوان جوشیلے طلبہ میں جو فکری انقلاب پیدا ہونا شروع ہوا وہ حضرات اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عموماً اور شہیدِ مظلوم سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے خصوصاً ایک بُعد اور نفرت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کے برعکس یزید سے عقیدت و احترام اور معاذ اللہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر یزید کے فضائل و مناقب کے بیان پر منتج ہوا۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

یہ وہ اندھی عقیدت تھی جس کی عباسی صاحب نے آبیاری کی اس کے برگ و بار سے ان تمام حضرات نے فائدہ حاصل کیا جو اصل ماخذ و مراجع سے ناآشنا ہونے کے سبب ان کی طرف رجوع نہیں کر سکتے یا اگر کر سکتے ہیں تو اتنی زحمت گوارا نہیں کرتے اس لئے جب پکا پکایا مل جائے تو سر دُھننے کی کیا ضرورت۔

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند　　　در جہلِ مرکب ابدالدہر بماند　　　(ضیاء الحق)

تفتازانی، محقق ابن ہمام، حافظ ابن کثیر، علامہ الکیا الہراسی جیسے محققین یزید کے فسق پر علماء سلف کا اتفاق نقل کر رہے ہیں اور خود بھی اسی کے قائل ہیں پھر بعض ان میں سے اس فسق کے قدر مشترک کو متواتر المعنی بھی کہہ رہے ہیں، جس سے اس کا قطعی ہونا بھی واضح ہے۔ پھر اوپر سے ائمہ اجتہاد میں سے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ بن حنبل کا یہی مسلک الکیا الہراسی نقل کر رہے ہیں اور وہ خود شافعی ہیں اور فتویٰ دے رہے ہیں تو ان کی نقل ہی سے یہ مسلک امام شافعیؒ اور فقہ شافعی کا بھی ثابت ہوتا ہے تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟!

ص ۱۵۳

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی تصریحات

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف معارف السنن شرح ترمذی میں رقمطراز ہیں

عمرو بن سعید کان والیاً علی المدینة من جهة یزید بن معاویة وکان یجهز لقتال عبد الله بن الزبیر معاونةً لیزید وعمرو بن سعید هذا هو ابن العاصی بن امیة القرشی الأموی یُعرف بالاشدق وملقب بلطیم الشیطان یُکنی اباامیه قتله عبد الملك بن مروان بعد ان امنه سنة سبعین، کما هو مذکور تفصیله فی البدایة والنهایة لابن الکثیر فی الجزء الثامن	عمرو بن سعید مدینہ پر یزید بن معاویہ کی طرف سے والی بنایا گیا تھا، اُس نے یزید بن معاویہ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قتال کی تیاری کی، یہ عمرو بن سعید بن العاص ابن امیہ قرشی اموی ہے اور اس کو اشدق کے نام سے جانا گیا ہے اس کا لقب لطیم الشیطان ہے اور ابوامیہ اس کی کنیت ہے۔ عبدالملک بن مروان نے ۷۰ھ میں اس کو امان دینے کے بعد قتل کر دیا تھا جیسا کہ اس کی تفصیل البدایہ والنہایہ کی جلد ثامن میں موجود ہے، اور

وقصة قتالہ عبد اللہ بن الزبیر معروفة وملخصہا ان معاویة لما عہد بالخلافة بعدہ لابنہ یزید فبایعہ الناس الا اربعة منہم الحسین بن علی وابن الزبیر رضی اللہ عنہما، ثم الامام الحسین رضی اللہ عنہ سار الی الکوفة باصرار أھلہا، فوقع ما وقع واما ابن الزبیر فاعتصم بحرم مکة ویسمی عائذ البیت وغلب علی امر مکة فکان یزید یامر ولاتہ علی المدینة ان یجھزوا لقتالہ الجیش الی ان أدی ذلک وأمثالہ لخلع اھل المدینة ببیعة یزید فانتج ذلک وقعة الحرة بالمدینة فقتل فیہا مئون من الصحابة وابنائھم وافتض فیہا الف عذراء علی ما یقال، ووقع شر عظیم وفساد کبیر علی مایجد شاہ التاریخ فانا للہ وانا الیہ راجعون، اھ وذلک سنة ثلاث وستین من الھجرة النبویة علی

عبد اللہ بن زبیر سے اس کا قتال معروف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنایا تو لوگوں نے ان سے بیعت کرلی سوائے ان چار کے جن میں حسین بن علی اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما شامل ہیں، پھر امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کے اصرار پر کوفہ چلے گئے چنانچہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہوگیا، اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حرم مکہ میں پناہ حاصل کی اور اسی لئے ان کو "بیت اللہ کے پناہ گزیں" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور مکہ کے امور پر ان کو غلبہ حاصل ہوگیا تھا لہٰذا یزید نے اپنے مدینہ کے ولاۃ کو حکم دیا کہ وہ ان سے قتال کرنے کے لئے لشکروں کو تیار کریں (اور قتال پیش آیا) یہاں تک کہ ان کارروائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل مدینہ نے یزید کی بیعت کو توڑ ڈالا جس کے صلے میں حرہ کا واقعہ پیش آیا اور اس میں سو صحابہ مع اپنی اولاد کے شہید ہوگئے (اسی میں شرکائے حدیبیہ سب ختم ہوئے) اور ایک ہزار دوشیزہ لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی جیسا کہ کہا گیا ہے اور بہت بڑا فساد و فتنہ واقع ہوا جیسا کہ تاریخ کے بیان سے ظاہر ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور یہ واقعہ ۶۳ھ

صاحبها الصلوات والتحية
ويزيد لاريب في كونه فاسقًا
ولعلماء السلف في يزيد و
قتله الامام حسين خلاف في
اللعن والتوقف، قال ابن
صلاح في يزيد ثلاث فرق،
فرقة تحبه، وفرقة تسبه
وتلعنه وفرقة متوسطة
لاتتولاه ولا تلعنه، قال
وهذه الفرقة هي المصيبة
و يقول ابن العماد في "الشذرات"
بعد نقله ولا أظنّ الفرقة
الاولى توجد اليوم،
وعلى الجملة فما نقد عن
قتله الحسين والمتحاملين
عليه يدل على الزندقة
وتهاونهم بمنصب النبوّة
وما اعظم ذلك، ثم
كلمه التفتازاني في شرح
النسفية من نقل الاتفاق
على جواز اللعن، وان
رضا يزيد بقتله و
استشاره بذلك واهانته

میں پیش آیا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ
یزید فاسق تھا اور علماء سلف میں یزید، قتلِ
حسین یزید پر لعنت کرنے کے بارے میں اختلاف
ہے کہ لعنت کی جائے یا توقف اختیار کیا جائے۔
چنانچہ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ یزید کے بارے میں
تین گروہ ہیں۔ ایک وہ جو اس سے خاص لگاؤ
رکھتے ہیں، دوسرے وہ جو اس کو گالیاں دیتے
ہیں اور لعنت کرتے ہیں، تیسرے وہ جو اس بارے
میں متوسط ہیں نہ اُس کو بُرا مانتے ہیں اور نہ ہی
اُس پر لعنت کرنے کو روا رکھتے ہیں، ابن صلاح
فرماتے ہیں کہ یہ فرقہ اعتدال پر ہے۔ اور ابن العماد
شذرات میں اس کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میں نہیں
سمجھتا کہ اول قسم کے لوگ (یزید کو چاہنے والے)
آج بھی ہوں گے۔ اھ
مجموعی طور پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل
اور ان کے قاتل پر اُبھارنے والوں سے متعلق جو کچھ
کتبِ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہی
ہے کہ یہ زندقہ ہے اور دراصل اس سے مذہب
نبوت کی توہین معلوم ہوتی ہے اور اس سے بڑھ
کر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ پھر تفتازانی کی بات
جو انہوں نے شرح نسفیہ میں نقل کی ہے کہ جواز
لعنت یزید پر اتفاق ہے (جس سے لعنت کے جواز
پر صاف دلیل معلوم ہوتی ہے) اور یزید کی

اهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم مما تواتر معناه وان كان تفصيله احادًا ۔

ثم نقل عن الحافظ ابن عساکر انه نسب الى يزيد قصيدة منها :

ليتَ[1] اشياخي ببدر شهدوا
جزع الخزرج من وقع الاسل

لعبت هاشم بالملك فلا
ملك جاءه ولا وحي نزل

قال فان صحت عنه فهو كافر بلا ريب[2] وبعد تفصيل قال :

قال اليافعي : واما حكم من قتل الحسين اوامر بقتله عمن استحل ذلك فهو كافر وان لم يستحل ففاسق فاجر والله أعلم اھ ۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ کے قتل پر رضامندی اور اس پر اظہارِ مسرت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی توہین کی خبر اگرچہ معنیً متواتر ہے مگر واقعے کی تفصیلاً آخبر احاد کے درجہ میں ہیں

پھر ابن عساکر سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے ایک قصیدہ یزید کی طرف منسوب کیا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں

حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ اگر ان اشعار کی نسبت یزید کی طرف درست ہے تو وہ بلاشبہ کافر ہے ، اور اسی موقعہ پر کچھ تفصیل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یافعی کا قول ہے انہوں نے فرمایا کہ جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا یا اس نے قتل کیا اور اس کو جائز اور حلال جانا تو وہ کافر ہے اور اگر حلال اور جائز جان کر ایسا نہ کیا تو وہ فاسق فاجر ہے ، واللہ اعلم

---

[1] کاش کہ میرے بزرگ بدر کے معرکے میں نیزوں کی مار پڑنے سے خزرج کی چیخ وپکار کو دیکھتے ہاشم نے ملک کو برباد کردیا نہ ان کے پاس کوئی فرشتہ آیا اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی ۔

[2] يقول الحافظ ابن كثير في البداية والنهاية (۸-۲۲٤) فهذا ان قاله يزيد بن معاوية فلعنة الله عليه ولعنة اللاعنين وان لم يكن قاله فلعنة الله على من وضعه عليه يشنع به عليه اھ منه

البدایۃ والنہایہ میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ یزید بن معاویہ ہی کا قول ہے تو اس پر اللہ کی اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو اور اگر اس نے یہ نہیں کہا تو اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جس نے اس کو گھڑا ہے اور وہ ایسی بُری بات کو اس کی طرف منسوب کرتا ہے ، اھ ۔

محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ کی تصریحات

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن[1] صاحب اعظمی مدظلہ العالی[2] اپنے ایک مضمون "حضرت معاویہ کی شان میں سوءِ ادبی اور اس کا جواب" میں خواجہ حسن نظامی کے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے کہ (حضرت معاویہؓ نے حضرت امام حسنؓ کو زہر دلوایا تھا) لکھتے ہیں کہ :

"اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون سے جس ناپاک اور خبیث وجود کا ہاتھ رنگین ہے اسی نے حضرت حسنؓ کو بھی زہر دلوایا تھا۔ چنانچہ مسلّم الثبوت اور مستند مؤرخ و محدث علامہ سیوطیؒ نے اس دردناک داستانِ غم کو لکھتے ہوئے اس کی صاف تصریح کی ہے کہ جس ننگِ انسانیت نے حضرت امام حسینؓ کے ساتھ یہ ستم روا رکھا تھا وہ یزید عَلَیْہِ مَا یَسْتَحِقُّہٗ ہے (تاریخ الخلفاء ۱۳۰)"

("النجم" لکھنؤ۔ جمادی الاولیٰ ۔ جمادی الاخریٰ ۔ ۱۳۲۹ھ ص ۳۹)

حضرت مولانا اعظمی نے یزید کو ننگ انسانیت، ناپاک اور خبیث اور قاتلِ حسین قرار دیا ہے۔

یزید کو "صالح اور عادل" اور "امیر المؤمنین" لکھنے کی جسارت کرنے والے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اور غور کریں کہ کل روزِ محشر میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے۔

حضرت مولانا اعظمی نے اپنے اسی مضمون میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ پانچویں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت یہ مذکور ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان

---

[1] ماخوذ از کشف خارجیت حصہ سوم ص ۵۳۴ تا ص ۵۳۹ (بتغیر یسیر)
مصنفہ قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ

[2] مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب نے رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

میں گستاخی کی تھی تین کوڑے لگوائے حالانکہ وہ اپنے زمانۂ خلافت میں کسی کو کوڑے مارنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۶۱، صواعق محرقہ ص۱۳۱)

آگے چل کر حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں: "حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے شخص کو جس نے یزید کو امیرالمؤمنین کے لقب سے یاد کیا تھا بیس کوڑے لگانے کا حکم دیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء، صواعق محرقہ ص۱۳۲-۱۳۴)

ماخوذ از النجم ص۳۵

حضرت مولانا کی تحریر سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ اہل سنت والجماعۃ کے متفقہ فیصلے کے مطابق یزید فاسق تھا، نیز بجائے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔

تتمہ

ناظرین کو ذہنی انتشار، پراگندگی اور نواصب کی تلبیسات سے بچانے کے لئے

اکابر اہل سنت علماء دیوبند رحمہم اللہ اجمعین کے فتاویٰ وتحقیقات، ان کے افکار و نظریات مدلل طریقے سے پیش کر دیئے گئے ہیں اگرچہ اس موضوع پر متعدد رسائل اور چھوٹی بڑی کتابیں یزید کی حمایت یا مخالفت میں شائع ہو چکی ہیں اور جب تک اس قسم کے فتنے دنیا میں باقی ہیں اس وقت تک یہ بحثیں چلتی رہیں گی۔ ہم نے تو اس رسالہ کو محض اس غرض سے مرتب کیا ہے تاکہ جس شخص کو پہلے ہی سے اکابر دیوبند سے عقیدت و احترام کا تعلق ہے وہ ان بزرگوں کی تحریروں کو پڑھے اور پھر خالی الذہن ہو کر اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا طالب ہو تو انشاء اللہ اس مسئلہ سے متعلق جو کچھ اقرب الی الحق ہے اللہ جل ذکرہٗ اس کے قلب پر وارد فرما دیں گے۔ رسالہ مذکورہ میں جن علمائے ربانیین کے رشحاتِ قلم اس مسئلے سے متعلق آپ نے ملاحظہ کئے ہیں ان کی تحریر و تقریر میں جہاں ٹھوس علمی مواد موجود ہوتا ہے وہاں ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی متلاشئ حق ایک مرتبہ ان کی بات پر سنجیدگی سے غور کر لے تو بفضلِ خداوندی اس کی دستگیری غیب سے ہو جاتی ہے۔ آپ کو بے شمار واقعات اس قسم کے مل جائیں گے بلکہ ایسے حضرات بھی اس وقت موجود ہیں کہ جن کو جو کچھ حاصل ہوا وہ انہی ہستیوں کا فیضان اور انہی کا

مرہونِ منت ہے۔ پھر دل کی گہرائیوں سے ان بزرگوں کے لئے دعائیں نکلتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کروڑوں بلکہ بے شمار رحمتیں ان کی قبروں پر نازل فرمائے اور نور سے منور فرمائے کہ ان کی بدولت ہم کو حقائق کا ادراک ہوا۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ابھی ابھی آپ نے جو تحریریں پڑھی ہیں ان کو بار بار پڑھیں اور غور کریں تو آپ پر اس مسئلہ میں اعتدال کی راہ واضح ہوجائے گی۔ ایسا نہ ہو کہ کل بر سرِ محشر خدانخواستہ ہمیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صرف اس لئے رسوائی کا سامنا کرنا پڑے کہ ہم نے دفاعِ صحابہؓ، حبِ صحابہ اور مدحِ صحابہ کو سپر بنا کر اہل بیت اطہارؓ اور بالخصوص حضرات حسنینؓ کی تنقیص اور تحمیق کی اور ان کے ساتھ زیادتیاں کرنے والوں، بالخصوص یزید علیہ ما یستحقہ، کو مرتبے کے اعتبار سے ان سے بالاتر کر دیا۔ کیا ایسا ستم ڈھانے والے یہ خیال نہیں کرتے کہ تاجدارِ مدینہ آقائے نامدار، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس طرزِ عمل سے کتنی اذیت پہنچتی ہوگی۔ غور فرمائیے کہ اگر روافض حضرات شیخین و دیگر اصحابِ رسول اور ازواجِ طیبات وطاہراتؓ بالخصوص عفیفۂ کائنات امّ المؤمنین والمومنات حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی جناب میں لب کشائی کی جسارت کریں تو ہر باغیرت سُنی مسلمان کے نزدیک ان کا یہ تبرا اتنا عظیم جرم ہے کہ وہ قابلِ گردن زدنی ہیں۔ کوئی سُنی مسلمان خواہ وہ کیسا ہی فاسق اور بے عمل کیوں نہ ہو ان کی اس حرکت کو برداشت نہیں کرسکتا فی الواقع ہے بھی یہی بات کیونکہ جب ہم اپنے والدین اور خاندان کے بزرگوں کے بارے کوئی لفظ توہین آمیز سننا گوارہ نہیں کرتے تو ازواجِ مطہراتؓ سے بڑھ کر کونسی مائیں اور صحابہؓ سے بڑھ کر اور کون سے بزرگ ہوسکتے ہیں کہ جن کا حددرجہ احترام اور عظمت ہمارے دلوں میں ہونی چاہیئے۔ معلوم ہوا کہ درحقیقت بغضِ صحابہؓ اور عداوتِ صحابہؓ ہی کا دوسرا نام بغضِ رسول اور عداوتِ رسول ہے۔ صحابیؓ سے کینہ رکھنے والا محبِ رسول ہو ہی نہیں سکتا اور یہ مسئلہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے، معمولی سمجھ رکھنے والا بھی تھوڑی سی غور و فکر کے بعد اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو اب یہ معلوم کرنا بھی چنداں دشوار نہ ہوگا کہ روافض کے تمام تر افکار و نظریات بلکہ پورے مذہبِ شیعہ کا رکنِ اعظم یہی ناپاک سوچ ہے جس پر رفض اور شیعیت کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ بالفاظِ دیگر اگر شیعہ کی اصولِ اربعہ[1] سے یہ مسئلہ خارج ہوجائے تو چشم زدن میں یہ عمارت زمیں بوس ہوجائے گی۔ آپ غور فرمائیں تو اس کا حاصل یہ ہے کہ دینِ اسلام کے عینی گواہ جو صحابہؓ ہی ہوسکتے ہیں ان کی عدالت و ثقاہت کو امت کی نظر میں مشکوک بنا دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کسی شخص کی نظر میں قابلِ جرح ہوگئے، ان کا کردار دیانت و امانت حتیٰ کہ ان کا ایمان بھی معاذ اللہ مشکوک ہوگیا تو ساری شریعت اور دین پر سے اعتماد اٹھ ہوگیا۔ وھو المقصود (اور یہی ان کا مقصد بھی ہے)

غرض یہ کہ روافض نے صحابہؓ کی (معاذ اللہ) تکفیر کا راستہ اختیار کیا مگر اہل بیت کی محبت کا سہارا لیا جس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ناقلین دین صحابہ نقلِ مذہب میں عادل نہ تھے اور جو کوئی دین و شریعت کو حاصل کرنا چاہے تو اہل بیت سے حاصل کرے۔ درحقیقت اس فرقہ ضالہ نے امت

---

[1] وہ چار کتابیں جو روافض کے ہاں سب سے زیادہ معتبر اور مستند خیال کی جاتی ہیں جیسے اہل سنت کے ہاں صحاح ستہ کا درجہ ہے

مسلمہ کی بنیاد پر کاری ضرب لگائی۔

رفض اور شیعیت سے ملتا جلتا دوسرا فتنہ ناصبیت کا ہے کہ جس نے روافض کی طرح صحابہ کرام رضی کی محبت کا سہارا لیا اور رافضیت کے تدارک کے لئے علاج بالضد کی صورت میں سامنے آیا، جس طرح روافض کبار صحابہ رض پر (معاذ اللہ) کیچڑ اچھال کر اہل بیت اطہار کی محبت کا دم بھرتے ہیں اسی طرح نواصب اہل بیت کی شان میں ناشائستہ زبان استعمال کرکے صحابہ رض سے اپنی بے پناہ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں اس فرقہ ضالہ سے بھی مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں قسم کے فتنوں کے ردّ عمل کے طور پر ایک تیسرے فتنے نے جنم لیا، یہ خارجیت کا ناسور ہے جس نے صحابہ و اہل بیت ہر دو کی حرمت کو پامال کیا جس سے امت کو بے حد نقصان ہوا اور ہو رہا ہے۔

آپ نے ابھی جس رسالے کا مطالعہ کیا ہے اس میں مقتدر اور جید علماء دیوبند کے ارشادات جو یزید کی شخصیت سے متعلق ہیں آپ نے بغور پڑھ لئے ہوں گے جس سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حامیانِ یزید جس جوش و خروش سے یزید کی حمایت کا علم اٹھائے پھرتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے تئیں اکابرین دیوبند کی روحانی اولاد ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں تو یزید کی پرزور حمایت کے ساتھ اپنے ان بلند بانگ دعووں میں کس حد تک سچے ہیں۔
يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ [1]

سردست ہم نے ناصبیوں کے تاریخ داں بلکہ (بقول ان کے) مجددین تاریخ اسلام ریسرچ اسکالروں کی قلعی کھولنے کے لئے علماء راسخین کی گرانقدر روزنی شہادتوں کو آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے جن کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ایک صاحب بصیرت انسان کے لئے یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ آیا یزید "امیر المومنین، صالح، متقی اور جنتی تھا" یا کچھ اور؟ فیصلہ آپ خود کیجئے۔

یزید علیہ ما یستحقہ کا ذاتی کردار کچھ بھی رہا ہو ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں۔ بحث تو اس میں ہے کہ کیا یزید اس پوزیشن میں ہے کہ اس کو نہ صرف اہل بیت اطہار اور حضرات حسنین رض کے مقابلے پر لایا جائے بلکہ اس کا مقام ان سے بھی بالاتر کر دیا جائے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

اگر حبِ صحابہ رض کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا تو حبِ اہل بیت رض کے بغیر بھی ایمان کامل نہیں ہوتا خاص کر وہ اہل بیت جن کو اہل بیت ہونے کے ساتھ ساتھ شرفِ صحابیت بھی حاصل ہے اس اعتبار سے ان کو دوہری فضیلت حاصل ہے، پھر حبِ صحابہ کی آڑ لے کر اہل بیت سے عداوت رکھنا اور یزید سے محبت کرنا بلکہ اس کا دفاع کرنا کس ایمان کے مکملات میں سے ہے۔

مزید برآں محبانِ یزید یہ بھی نہ بھولیں کہ احادیث مبارکہ کی کتب معتبرہ میں کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں کہ جس میں کسی ایک صحابی نے بھی یزید کو صالح اور عادل قرار دیا ہو، کیا چودھویں

---

[1] یہ لوگ اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔

صدی کے نواصب صحابہ کرامؓ سے زیادہ یزید کو قریب سے دیکھ رہے ہیں؟ اور کیا یزید سے ان کی شناسائی اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی زیادہ ہے؟

ہو سکتا ہے کوئی کور باطن یہاں بھی ضد اور ہٹ دھرمی سے یہی کہے کہ اگر (نعوذ باللہ) صحابہ کرامؓ یزید پر ایسی تاریخی ریسرچ کرتے جیسی میں نے کی ہے تو وہ بھی یزید کی مدح وثنا میں رطب اللسان ہو جاتے، تو یقیناً ایسے بدنصیب شخص کو آپ مسلوب العقل[1] ہی کہیں گے۔

این خیال است و محال است و جنون

اللہ رب العزت ہم سب مسلمانوں کو اس قسم کی ناپاک سوچ سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک حب صحابہؓ کی طرح حب اہل بیت بھی ایمان کا جزء ہے۔ نیز اہل بیت کی محبت کو حسن خاتمہ میں بہت بڑا دخل ہے، جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا اپنے والد ماجد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل بیت کرامؓ کی محبت کو ایمان کی حفاظت اور حسن خاتمہ میں بڑا دخل ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب والد صاحبؒ کو سکرات شروع ہوئے تو میں نے یہ بات آپ کو یاد دلائی، فرمایا الحمد للہ والمنۃ کہ میں اس محبت میں سرشار اور اس دریائے احسان میں غرق ہوں۔

الٰہی بحق بنی فاطمہ ؛ کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ (بحوالہ زبدۃ المقامات ص ۱۲۳)

حضرت مجددؒ علیہ الرحمۃ کے والد بزرگوار سکرات کے عالم میں بھی فرما رہے ہیں کہ "میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے سے محبت وتعلق کی برکات دم واپسیں کے وقت بھی محسوس کر رہا ہوں" بطور مفہوم مخالف کے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اہل بیت کی عظمت ومحبت دل میں نہیں رکھتے انہیں حسن خاتمہ کی دولت نصیب ہونا مشکل ہے جس کی بنیادی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ایسے لوگوں کا ایمان ہر وقت خطرات کی زد میں ہوتا ہے بہ الفاظ دیگر ان کا ایمان غیر محفوظ ہے۔ ممکن ہے کہ ایسے محروم القسمت لوگ عالم سکرات میں بھی امیر المومنین یزید زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے رخصت ہوں (اعاذنا اللہ منھا) اللہ تعالیٰ ہم سب کو سوء خاتمہ سے اپنی پناہ میں رکھے آمین۔

آخر میں تمام ناظرین کرام کی خدمت میں بصد ادب واحترام عرض ہے کہ اس رسالے کا مطالعہ کرتے وقت آپ اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ جن بزرگ ہستیوں کے فتاویٰ وتحقیقات آج ہماری نظروں کے سامنے ہیں یہ وہ فرشتہ صفت لوگ ہیں جن کے علم وتقویٰ، اخلاص وللہیت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ دور جدید کے روشن خیال محققین سے یہ حضرات ان تمام تر خوبیوں میں بدرجہا فائق اور ممتاز تھے۔ جب ہمیں علمائے دین میں سے کسی نہ کسی کی بات کو تسلیم کرنا ہی ہے تو ان حضرات اکابرین دیوبند کی تحقیقات اور فیصلوں کو کیوں نہ مانا جائے جو موجودہ دور کے ناصبی محققین سے ہر اعتبار سے بہتر تھے جبکہ یہ امر بھی مسلم ہے کہ ان ہستیوں نے یقیناً اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ جو کچھ بھی فرمایا دلائل واضحہ وبراہین قاطعہ کی روشنی میں فرمایا،

---

[1] عقل سے کورا۔ دیوانہ

جس میں پوری پوری احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔[1]

اب اگر کوئی شخص جس نے بہتان بازی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا ہو یہی رٹ لگائے جائے کہ ان بزرگوں نے تحقیق نہیں کی یا یہ حضرات تاریخ سے ناآشنا تھے تو اس سے بڑھ کر عاقبت نااندیش اور کون ہو سکتا ہے۔ درحقیقت اسلافِ امت پر سے اعتماد اٹھانے کی یہ گھناؤنی سازشیں ہر دور میں ہوتی آئی ہیں بہت سی ایسی تحریکیں جو بڑے پرکشش ناموں اور انتہائی جذباتی نعروں کے ساتھ اٹھیں مگر چونکہ اکابرین اہل حق کی سرپرستی اور دعائیں ان کے ساتھ نہیں تھیں اس لئے ان کے ذریعے کوئی خیر کا سلسلہ جاری نہ ہو سکا نہ ہی اصلاح کا پہلو ان میں غالب رہا بلکہ یوں ہی افراط و تفریط کا شکار ہو کر ملیامیٹ ہو گئیں۔ نہ صرف یہ کہ اس قسم کے لوگ خود ڈوبے بلکہ اچھے اچھوں کو اپنے ساتھ لے ڈوبے مَن شَذَّ شُذَّ فِی النَّار ۔ اس کے برعکس جس اللہ کے بندے نے اسلاف و اکابرین کے دامن سے خلوصِ نیت کے ساتھ وابستگی اختیار کی وہ نہ صرف خود بامراد ہوا بلکہ بہت سوں کی ہدایت کا ذریعہ بھی بنا اور وہ ڈوبنے سے بچ گئے۔

ذی اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

ہم بارگاہِ رب العزت میں بصد عجز و نیاز دست بدعا ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں اہل حق علمائے دیوبند کے نقشِ قدم پر صحیح طور سے چلنے کی توفیق عطا فرمائے ان کے دامن سے حقیقی وابستگی ہم کو نصیب فرمائے، ہماری اس حقیر سی کوشش کو قبولیت کا شرف عطا فرمائے دعاۃِ ضلال اور فتن و ملاحم سے ہماری حفاظت فرما کر ہم کو حسن خاتمہ کی دولت نصیب فرمائے۔ ؎ این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد۔

کثیر الذنوب والآثام
محمد ضیاء الحق غفرلہ ولوالدیہ
۵ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ شب جمعہ - ۱۶ جولائی ۱۹۹۳ء

---

[1] جیسا کہ رسالہ مذکورہ کے گذشتہ اوراق سے ظاہر ہے۔ عیاں را چہ بیان

حُبِّ آلِ مُحمّد ﷺ

الحمد لله رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و علی ذریتہ و عترتہ و اهل بیتہ اجمعین۔

حضور اقدس ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ جو جو انھیں محبوب تھا ہم بھی انھیں چاہیں اور ان سے پیار کریں۔ جن جن سے تعلق خاطر تھا ہم بھی ایک قلبی رابطہ ان سے محسوس کریں اور ان کا ادب واحترام، ان کی تعظیم و توقیر جی کی گہرائیوں میں محسوس کریں، اگر ہم ایسا محسوس نہیں کرتے تو خود حضور ﷺ سے ہماری محبت میں نقص ہے اور ہزار ہم محبِ رسول ہونے کا دعویٰ کریں، اگر یہ کیفیت نہیں ہے تو یہ حُبِّ رسول ﷺ محض ایک فریبِ نفس ہے۔ محبوب کی ہر شے عزیز ہوتی ہے وہ لباس جو محبوب پہنتا ہے اور جس میں اس کی خوشبو بسی ہوتی ہے، جی کو بھلا معلوم ہوتا ہے ایک عاشق نے کہا:

اے گل بتو خور سندم، تو بوئے کسے داری

"اے پھول تُو اس لیے بھلا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ سے یار کی خوشبو آتی ہے۔"

اس گھر کے در و دیوار پر پیار آتا ہے، جس میں محبوب نے زندگی بسر کی ہو قیس عامری کہتا ہے:

امر علی الدیار دیار لیلی
اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا
و ماحب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیارا

"میں لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرتا ہوں، کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں، کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں۔ کچھ ایسی بات نہیں کہ ان کے گھروں کے پتھروں اور اینٹوں پر میں ریجھا ہوا ہوں، نہیں، یہ تو اس کی محبت کا تقاضا ہے جو ان گھروں میں رہتا تھا۔"

وہ راہیں جن سے یار گزرتا ہے ان راہوں پر پیار آتا ہے:

وہاں وہاں ابھی رقصاں ہے بوئے عنبر و گل
جہاں جہاں سے چمن میں بہار گزری ہے

قیس عامری کہتا ہے:

من آل لیلیٰ واین لیلیٰ

"لیلیٰ اب کہاں ہے، لیلیٰ کے بچوں کے چہروں میں لیلیٰ کی جھلک دیکھتا ہوں۔"

یہ محبت کی عام واردات ہیں۔ محبت تو جہاں بھی ہوگی، اس کے برگ و بار یہی ہیں۔ ان کیفیتوں کا حال صحابہ کرامؓ سے پوچھو، آپ ﷺ کے وضو سے جو پانی بچ جاتا، صحابہؓ اس پر جھپٹ پڑتے۔ (صحیح بخاری کتاب الوضوء باب استعمال فضل وضوء الناس، نسائی، کتاب الطہارۃ باب الانتفاع بفضل الوضوء)

صحابہ اسے تبرکاً اور تیمناً جسم پر ملتے تھے۔ آپ ﷺ کا لعاب مبارک صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں پر گرتا تھا۔ آپ ﷺ حجامت کرواتے تو عاشقوں کا آپ ﷺ کے گرد ہجوم ہوتا تھا اور آپ ﷺ کے بالوں کو سر سے اترتے ہی اچک لیتے تھے (صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبیؐ)

صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ ﷺ کی ان نشانیوں کو آخرت کا توشہ سمجھتے تھے اور مرنے کے بعد بھی اپنے آپ سے جدا کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ جب حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تو ان کی والدہ آپ ﷺ کے پسینے کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیتیں اور اپنے عطر میں ملا لیتی تھیں۔ حضرت انسؓ فوت ہونے لگے تو انہوں نے نصیحت کی کہ:

"میرے لاشے پر حنوط ملو تو اس میں حضور ﷺ کے پسینے میں بسا ہوا عطر بھی ملا لینا۔" (صحیح بخاری کتاب الاستیذان)

حضرت معاویہؓ کے پاس آپ ﷺ کی ایک قمیص، ایک تہ بند، ایک چادر اور چند موئے مبارک تھے۔ انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ مجھے ان کپڑوں میں دفناؤ اور یہ موئے مبارک میرے ساتھ رکھو۔

ایک دن حضور ﷺ حضرت ام سلیمؓ کے گھر تشریف لائے، گھر میں مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا۔ حضرت ام سلیمؓ نے مشکیزے کا دہانہ کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ میرے آقا ﷺ کے مقدس ہونٹوں نے اس دہانے کو مس کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد)

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ محبوب کی ہر شے عزیز ہوتی ہے، اس کی گلیاں عزیز، اس کا آستانہ عزیز، اس کا پیراہن عزیز، اس کی جوتیاں عزیز، اس کا گھرانہ عزیز اور اس کے خادم عزیز۔

پس اس ذاتِ اطہر و اقدس کی محبت کا ایک بدیہی تقاضا ہے کہ اہلِ بیتؓ سے محبت ہو جیسا کہ خود رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: " احبونی لحب اللہ واحبوا اہل بیتی لحبی۔" "اللہ کی محبت کی بنا پر مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی بنا پر میرے گھرانے کے افراد سے محبت کرو۔" (ترمذی)

پھر گھرانا بھی وہ کہ خود خدا آخری صحیفۂ آسمانی میں ان سے خطاب کرتا ہے اور ان کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان کرتا ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔" (الاحزاب: ۳۲)

"اے پیغمبر کے گھر والو! خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے ہر طرح کی گندگی دور کر دے اور تمہیں ایسا پاک صاف کر دے جیسا کہ پاک صاف کرنے کا حق ہوتا ہے۔"

وہ جن کی عظمت و عزت کا یہ عالم کہ قرآن مجید میں ان پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہو جب یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔" (الاحزاب: ۵۶)

"بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔"

تو ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا:

امرنا اللہ ان نصلی علیک یارسول اللہ! فکیف نصلی علیک؟

"اللہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آپ ﷺ پر درود بھیجیں، آپ ﷺ ہمیں سکھائیں کہ ہم آپ ﷺ پر کیسے درود بھیجیں۔"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یوں کہو:

"اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ" (صحیح مسلم جلد اول)

وہ جن کے مجد و شرف کا یہ مقام کہ حجۃ الوداع کے خطبے میں کتاب اللہ کے ساتھ آپ نے ان کا ذکر کیا: " انا تارک فیکم الثقلین، کتاب اللہ واہل بیتی۔"

"میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور میرے گھرانے کے افراد۔" (صحیح مسلم)

وہ جن کی فضیلت کعبے کا دروازہ تھام کر آپ ﷺ نے یوں بیان فرمائی:[1]

الا ان مثل اهل بیتی فیکم مثل سفینة نوح، من رکبها نجا و من تخلف عنها هلک.

"دیکھو! میرے اہلِ بیت کی مثال تم میں کشتیٔ نوح کی سی ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ بچ گیا، جو اس سے دور رہا ہلاک ہو گیا۔" (مسند امام احمد عن ابی ذر)

وہ جن کے احترام کو ملحوظ رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی:

"و لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیهما." (ترمذی)

"کتاب اللہ اور اہلِ بیت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں گے۔ پس خیال رکھنا کہ میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔"---- سیدا شباب اهل الجنة رضی الله عنهما

بالخصوص حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ رضی اللہ عنہما سے آپ کو ایک خاص قلبی لگاؤ تھا۔ ان کی پیدائش کے وقت خود حضور ﷺ نے ان کے کان میں اذان دی تھی اشهدان لا اله الا الله کی صدا اُن کی رُوح میں اتاری تھی، اور اپنا لُعابِ مبارک ان کے دہن میں ڈالا تھا۔ آپ ﷺ انہیں چومتے تھے اور سینے سے لگا کر بھینچتے تھے۔ مسند امام احمد میں ہے: یضم الیه حسنا وحسینا -

وہ لوگ جنہیں رسول اللہ ﷺ کے انوار و برکات کی معرفت حاصل ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کیسی سعادتِ عظمیٰ ہے جو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ رضی اللہ عنہما کے حصے میں آئی۔ بارگاہِ رسالت میں جن کی محبوبیت کا یہ عالم کہ آپ ﷺ فرمائیں:

"هذان ابنای و ابنا ابنتی. اللهم انی احبهما واحبهما واحب من یحبهما." (ترمذی)

"حسن اور حسین، یہ میرے بیٹے، میری بیٹی کے بیٹے، اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو اپنا محبوب بنا اور جو ان سے محبت کرے تو بھی ان سے محبت کر۔"

وہ جن کے بارے میں آپ ﷺ فرمائیں: "الحسن و الحسین سیدا شباب اهل الجنة." (ترمذی) "حسنؓ اور حسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔"

---

(۱) متن میں یونہی مذکور ہے، صحیح یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے کعبے کا دروازہ تھام کر یہ حدیث مبارک روایت کی۔ (درّ السحابہ ص[illegible])

وہ جن پر آپ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سرخ قمیص پہنے ہوئے آئے اور چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ منبر سے اُترے اور دونوں کو گود میں اُٹھایا اور فرمایا:

صدق اللہ! انما اموالکم و اولادکم فتنۃ، نظرت الی ھذین الصبیین یمشیان ویعثران فلم اصبر حتی قطعت حدیثی و رفعتھما۔" (ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے، تمہارا مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہی تو ہیں، میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہوسکا اور اپنی بات قطع کرتے ہوئے میں نے انہیں اٹھالیا۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی تو حضرت حسینؓ کی عمر پانچ برس اور بعض روایتوں کے مطابق سات برس تھی۔

البدایہ والنہایہ میں ہے: کان الصدیق یکرمہ ویعظمہ وکذلک عمرؓ و عثمانؓ۔ "حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا احترام کرتے تھے اور ان کی تعظیم بجالاتے تھے اور یہی حال حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا تھا۔"

یہ بیان حضرت حافظ ابن کثیرؒ کا ہے جو نہایت محتاط مؤرخ اور بلند پایہ محقق ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے محبت کرتے تھے بلکہ اس پانچ سات سال کے بچے کی تعظیم بجالاتے تھے۔

اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ رضی اللہ عنہما کا نہایت درجہ احترام کرتے تھے۔ ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت امام حسنؓ سے ملے اور کہا کہ ذرا پیٹ کھولیے، جہاں حضرت سرور عالم ﷺ نے بوسہ دیا تھا وہیں میں بھی بوسہ دوں گا۔ انہوں نے پیٹ سے کپڑا ہٹایا اور آپ نے وہیں بوسہ دیا۔" (احمد)

ایک بار بہت سے لوگ مسجدِ نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آ نکلے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص کہنے لگے: "میں تمہیں بتاؤں کہ زمین پر رہنے والوں میں سے آج آسمان والوں کو کون سب سے زیادہ محبوب ہے؟ یہی جو جارہا ہے۔"

صحابہ کرامؓ کو جو محبّت اور عقیدت حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے تھی اس کا سرچشمہ وہی عشق اور والہانہ شیفتگی تھی جو صحابہ کرامؓ کو حضور ﷺ کی ذات گرامی سے تھی۔

اِک بات اس میں پائی تھی شوخیٔ یار کی
ہم نے بھی اپنی جان لٹا دی قضا کے ساتھ

پس جس گھرانے کی محبوبیت کا یہ عالم ہو اس کی محبّت اور یاد میں جو صبحیں اور شامیں بسر ہو جائیں، حاصلِ عمرِ رائیگاں ہیں۔ اُن کی مدح و توصیف میں جس قدر بھی زبانیں زمزمہ پیرا ہوں، کم ہیں۔ اُن کی یاد رُوح کی پاکیزگی اور دِل کی طہارت کا ساماں ہے۔

ساتھیو! اپنے حریمِ دل میں جھانک کر دیکھو اگر اس دل میں اہلِ بیتؓ کی محبّت اور بالخصوص حسینؓ بن فاطمہ رضی اللہ عنہا کی محبّت نہیں پاتے ہو تو تم یقین کر لو کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمہاری محبّت بھی محض فریبِ نفس ہے، صحابہ کرامؓ کو دیکھو کہ آپ ﷺ کا پسینہ، آپ ﷺ کے وضو کا بہا ہوا پانی آپ ﷺ کے موئے مبارک حتیٰ کہ آپ کا لُعابِ دہن بھی انہیں عزیز تھا۔ پھر آہ صد ہزار آہ و حرماں! اگر تم اپنے سینے کو حسینؓ بن فاطمہ بنت محمدؐ ﷺ کی محبّت و تعظیم سے خالی پاتے ہو، یہ بہت بڑی محرومی ہے اور شقاوت۔ تم یقین کرو کہ حضور ﷺ کی محبّت اگر تمہارے رگ و پے میں اُتر جائے تو اُن کے غلاموں کے غلاموں کا بھی ادب کرو۔

آہ! یہ کیسی للّٰہیت کی موت اور ایمان کی جانکنی ہے کہ بعض عُلماء عین منبرِ رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر اس محبوبؓ بارگاہِ رسالت ﷺ اس جگر گوشۂ بتولؓ کا ذکر حقارت آمیز لہجے میں کرتے ہیں۔ وہ گھرانہ جس سے تم نے فیض حاصل کیا، وہ جن کی جوتیوں کے صدقے تمہیں ایمان و اسلام کی معرفت حاصل ہوئی، تم کو کیا ہُوا کہ تم ان ہی کی عیب چینیاں کرتے ہو، پھر اس عیب چینی اور خردہ گیری کے لیے تمہیں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے سوا کوئی جگہ نہیں ملتی۔ پھر تم اپنے لب و لہجہ کو تو دیکھو، یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے شمر ذی الجوشن، یزید اور ابن زیاد نے اہلِ بیت کے خلاف مقدمے میں تمہیں اپنا وکیل بنا لیا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب۔ "جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔"

حضرت امام حسینؓ کے ولی اللہ ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ وہ صحابی بھی تھے اور اہلِ بیت میں سے بھی تھے۔ وہ صرف صحابی ہی نہ تھے جلیل القدر علماء صحابہؓ میں سے تھے۔ وہ صرف اہلِ بیت میں سے نہ تھے، محبوبِ بارگاہِ رسالت تھے۔ پس حضرت حُسین رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی ان کی تنقیص، ان کے بارے میں سُوئے ادب سراسر مُوجبِ خسران ہے۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بےادب محروم ماند از فضلِ رب

ساتھیو! محض تمھارا جی بہلانے کے لیے یا تمھیں خوش کرنے کے لیے تو مَیں وعظ نہیں کہتا ہوں۔ خدا محض اپنی رضا اور خوشنودی کے لیے وعظ کہنے کی توفیق دے۔ تمھاری رنجش اور تمھاری خوشنودی سے کیا ہوتا ہے۔

از ردّ و از قبولِ تو فارغ نشستہ ایم
اے آنکہ خوبِ ما نشناسی ز زِشتِ ما

وہ بیماریاں جو تم میں اور مجھ میں نہیں ہیں، مَیں ان پر بات کیوں کروں کہ ایسا کرنا محض تضییعِ اوقات ہوگا، وعظ کہنے کا مقصد تو اصلاحِ حال ہے، کبھی مادۂ فاسد کے اخراج کے لیے جَراحی کا عمل ناگزیر ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ نشتر لگتا ہے تو مریض کو تکلیف ہوتی ہے مگر یہ تکلیف بڑی سود مند ہے دوستو!

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

فبشر عباداللذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ و آخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین۔

ماخوذ از "غربت کی راہ میں"

تالیف: سید ابو بکر غزنوی